بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ

دستورِ اسلام

مع

نظامِ اسلام

از رشحاتِ قلم

حضرت العلام شیخ المحدثین مولانا محمد ادریس کاندھلوی

مکتبہ عثمانیہ

۳۵۲-مہران بلاک ، علامہ اقبال ٹاؤن ، لاہور

فہرست مضامین ـ دستور اسلام

فہرست مضامین - نظام اسلام

نحمدہ و نصلے علیٰ رسولہ الکریم ط

حمد بیحد اور سپاس بے قیاس ہے اس خداوند ذوالجلال کیلئے کہ جو مالک حقیقی ہے ملک اور سلطنت کا جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے سب کچھ اسی کے دست قدرت میں ہے اور کیوں نہ ہو موت اور حیات اور وجود اور عدم سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے

کما قال تعالے تبارک الذی بیدہ الملک و ھو علے کل شی قدیر ن الذی خلق الموت و الحیاۃ اس سورت کا نام سورہ ملک ہے اسلئے کہ اس سورہ میں حق تعالے کے مالک الملک ہونیکے دلائل کا بیان ہے منجملہ دلائل کے ایک دلیل یہ ہے کہ وہ کائنات کے وجود اور عدم کا مالک ہے کوئی مخلوق اسکے حیطہ قدرت اور دائرہ مملکت سے باہر نہیں نکل سکتی۔ یامعشر الجن و الانس ان ستطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت و الارض فانفذوا لاتنفذون الا بسلطان۔ شہنشاہ حقیقی وہی ہے کہ جو وجود اور عدم اور موت اور حیات کا مالک ہو اور جو خود اپنے وجود عدم کا بھی مالک نہ ہو اور جسے اپنی تندرستی اور بیماری کا بھی اختیار نہ ہو اسکی بادشاہت مجازی اور چند روزہ اور فانی ہے۔ خدا کو خدا اسلئے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اسکے سوا کوئی بھی خود بخود نہیں خدا ہی نے کائنات کو اپنی رحمت سے ہستی کا لباس مستعار پہنایا ہے اسی حاکم الحاکمین نے اپنی رحمت اور عنایت سے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مسجود ملائک بنایا اور خلافت ارضی کا تاج ان کے سر پر رکھا تاکہ اسکے حکم کے مطابق روئے زمین کا انتظام کریں اس طرح نبوت و رسالت کے ساتھ خلافت اور بادشاہت کا آغاز ہوا۔

بعد ازاں نبوت و رسالت کبھی برنگ فقیری و درویشی ظہور میں آئی اور کبھی برنگ شاہی و امیری جلوہ گر ہوئی جیسے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام جنکو مالک الملک نے نبوت و رسالت کے ساتھ خلافت اور بیمثال سلطنت اور بادشاہت عطا کی کہ روئے زمین کے امراء اور سلاطین انکے سامنے زر خرید غلام سے زیادہ دم بخود تھے جنکی بیمثال سلطنت کے قصے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

شاہ ذی القرنین جس کی فرمانروائی مشرق سے لے کر مغرب تھی اس کا قصہ بھی قرآن اور حدیث میں مذکور ہے۔

سب انبیاء کرام کے گذر جانے کے بعد حق جل شانہ نے اپنے آخری نبی خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر دنیا میں بھیجا۔ آپ کی نبوت و رسالت کی ابتداء فقیری اور درویشی سے ہوئی مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی فقیرانہ اور درویشانہ گذری اور دشمنان دین نے ظلم و ستم کی کوئی نوع

کما قال تعالے قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء و تنزع الملک ممن تشآء و تعز من تشآء و تذل من تشآء بیدک الخیر انک علے کل شئی قدیر

ایسی باقی نہیں چھوڑی جو آپ پر اور آپ کے اصحاب و احباب پر اس کا تجربہ نہ کر لیا ہو۔

ادھر ظلم و ستم کا بازار گرم تھا اور ادھر بارگاہ خداوندی سے وحی نازل ہو رہی تھی کہ آپ اپنے اصحاب و احباب کو بشارت دیدیجئے کہ گھبرائیں نہیں۔ ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ ان کو روئے زمین کی بادشاہت اور داؤد اور سلیمان اور ذوالقرنین جیسی بے مثال سلطنت عطا کرینگے۔

مصطفےٰ را وعدہ کرد الطاف حق	گر بمیری تو نہ میرد این سبق
چا کرانت شہر ہا گیرند وجاہ	دین تو گیرد ز ماہی تا بماہ

تیرہ سالہ زندگی کے بعد آپ کو ہجرت کا حکم ہوا آپ نے اور آپ کے صحابہ نے ہجرت فرمائی ہجرت کے بعد اسلام کے عروج اور ترقی کا دور شروع ہوا۔ قرآن کریم میں جہاد کا حکم نازل ہوا اور سلسلہ غزوات و سرایا کا آغاز ہوا ۸۔ آٹھ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا اور پورا حجاز اور پورا نجد اور پورا یمن اسلام کے زیر نگین آگیا اور اس تمام علاقہ پر اسلامی حکومت قائم ہوئی اور اتنا بڑا وسیع رقبہ اسلام کے زیر نگین آگیا کہ پاکستان جیسی عظیم الشان مملکت اس کے ایک گوشہ میں رکھی جا سکتی ہے اور اسی درمیان میں غیر قوموں سے معاہدے بھی ہوئے اور جس قدر علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا شاہانہ اور حاکمانہ طور سے اس کا انتظام شروع ہوا۔

۱۔ مسلمانوں کے لئے عشر اور زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور غیر مسلموں کیلئے جزیہ اور خراج کا حکم نازل ہوا

۲۔ اور مقدمات اور نزاعات کے فیصلہ کیلئے قضاۃ یعنی قاضی مقرر فرمائے۔

۳۔ اور انتظام ملکی اور اقامت عدل اور اقامت امن و امان کیلئے حکام اور ولاۃ یعنی والی اور گورنر مقرر کئے گئے حضرت علی اور حضرت معاذ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا۔

۴۔ اور عشر اور خراج اور جزیہ اور دیگر محاصل کی وصولی کیلئے محصلین زکوٰۃ و جزیہ مقرر فرمائے۔

۵۔ اور بہت سے لوگوں کو جاگیریں عطا کیں اور بہت سی افتادہ اور غیر آباد زمینیں آبادی کے لئے لوگوں کو مرحمت فرمائیں۔

۶۔ اور زراعت اور تجارت کے احکام صادر فرمائے کہ کونسی تجارت جائز ہے اور کونسی ناجائز اور ممنوع ہے۔ یعنی بیع و شراء رہن و اجارہ اور سودی معاملات کے متعلق مفصل احکام نازل ہوئے۔

۷۔ اور اندرون ملک انسداد جرائم کیلئے حدود و تعزیرات جاری کئے گئے۔

۸۔ اور مسلمانوں کے دینی انتظام کیلئے مؤذنین اور ایمہ کا تقرر فرمایا اور ان کی دینی تعلیم و تربیت کیلئے قراء اور حفاظ قرآن اور علماء اور فقہاء کو مقرر فرمایا۔

۹۔ اور غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے دعاۃ اور مبلغین روانہ کئے اور سلاطین عالم کے نام

دعوت اسلام کے خطوط لکھے ۔ اور اس مقصد کیلئے سفراء کا تعین فرمایا کہ وہ سفیر حضور پر نور کے یہ والانامے لیکر بادشاہوں کے پاس جائیں اور اس سے ان خطوط کا جواب لیکر آئیں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا جواب دیتے ہیں۔

۱۰ ۔ اور باہمی معاشرہ کی اصلاح کیلئے نکاح اور طلاق اور خلع اور نان و نفقہ کے احکام نازل ہوئے اور مرنے کے بعد وصیت اور وراثت کے متعلق احکام نازل ہوئے اور ماکولات اور مشروبات کے متعلق احکام نازل ہوئے کہ کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے اور ملبوسات کے متعلق بھی احکام نازل ہوئے کہ کس قسم کا لباس جائز ہے اور کس قسم کا ناجائز ہے

یہ تو سب سیاست داخلیہ ہوئی اور دس سال تک غیر مسلموں سے جہاد و قتال اور ان سے عہد نامے اور صلحنامے ہوئے یہ سب سیاست خارجیہ ہوئی اور آج کل کی اصطلاح میں سیاست داخلیہ اور سیاست خارجیہ کے مجموعہ ہی کا نام حکومت اور سلطنت ہے

غرض یہ کہ اسلام نے دینی اور دنیوی زندگی کے کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑا کہ اس کے متعلق کامل اور مکمل احکام اور ہدایتیں نہ دی ہوں اور کوئی سیاست داخلیہ اور کوئی سیاست خارجیہ ایسی نہیں چھوڑی کہ جس کے احکام نہ بتلا دیئے ہوں۔

کتاب الحدود و التعزیر ملک کے اندرونی جرائم کے انسداد کے طریقوں پر مشتمل ہے اور کتاب الجہاد اور کتاب الصلح سیاست خارجیہ کے احکام پر مشتمل ہے جس کی پوری تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

پس کیا

اس تاریخی اور روشن اور واضح اور مسلم حقیقت کے بعد بھی کوئی نادان یہ کہتا ہے کہ اسلام میں حکمرانی اور عدل عمرانی کا کوئی دستور اور قانون نہیں اسلامی دستور و قانون کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر جگہ اخلاقی پہلو بھی پیش نظر ہے اور مغربی ممالک کا دستور اور قانون اخلاق سے عاری اور کورا ہے اور بہت سے قوانین خاص خطہ اور خاص طبقہ کی مصلحتوں کے لحاظ سے وضع کئے گئے ہیں اور قوانین شریعت مصالح عامہ پر مبنی ہیں جو مکان اور زمان کے بدلنے سے نہیں بدلتے اور بلا تفریق جنسیت مصالح عامہ کے کفیل ہیں اور بلا امتیاز نسل و رنگ خاص صدق اور عدل پر مبنی ہیں

وتمت کلمتہ ربک صدقا و عدلا

حدود سلطنت

حجاز اور نجد اور یمن کا طویل و عریض رقبہ حضور پر نور کی زندگی میں اسلام کے زیر نگین آیا اور آپ کے

بعد خلفاء راشدین کے دور حکومت میں قیصر و کسریٰ کی حکومت کا تختہ الٹا گیا حضور پر نور ہی کی تعلیم و تلقین اور آپ ہی کی تربیت سے ابو بکر و عمر نے باوجود بے سرو سامانی کے آدھی آدھی دنیا کے دو حکمرانوں قیصر و کسریٰ کو بیک وقت زمین پر پچھاڑا اور بیک وقت بلا کسی حکومت کی امداد کے ان کا تختہ الٹا جس کا تماشہ ساری دنیا نے دیکھا اور ان کے بے شمار خزینوں اور گنجینوں کو لا کر مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دیا اور پھر ان تمام جواہرات اور دراہم و دنانیر کو مسجد نبوی کے ایک درویش امام اور خطیب یعنی فاروق اعظم نے مسجد کے ایک پھٹے ہوئے بوریے پر بیٹھ کر صحابہ کرام کی موجودگی میں مدینہ منورہ کے فقیروں اور درویشوں پر تقسیم کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر خالی ہاتھ اپنے گھر میں چلا گیا اور اپنے لئے اس میں سے کچھ نہ رکھا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں حکمرانی اور عدل عمرانی کا کوئی دستور اور قانون نہیں وہ بتلائیں کہ ابو بکر و عمر نے حکمرانی اور عدل عمرانی کا دستور کس سے سیکھا تھا معاذاللہ وہ بھی کیا کسی مغربی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے اور بتلائیں کہ انہوں نے بلا کسی غیر ملکی حکومت کی امداد اور اعانت کے کس طرح بیک وقت آدھی آدھی دنیا کے دو فرمانرواؤں پر ہلہ بولا خلفاء راشدین اور خلفاء بنی امیہ اور خلفاء عباسیہ اور شاہان مغلیہ نے جو بے مثال حکومت قائم کی وہ سب شریعت اسلامیہ کے تعلیم کردہ دستور اور قانون کی روشنی میں کی معاذاللہ امریکہ یا برطانیہ کے مشورہ سے حکومت نہیں کی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ قرآن و سنت نے اسلامی حکومت کا کوئی خاص ڈھانچہ و خاکہ پیش نہیں کیا جس پر مملکت کی بنیادیں استوار کیجائیں۔ یہ ایک ہزار سالہ اسلامی حکومت کا ڈھٹائی اور بحیائی سے انکار کرنا ہے خلافت راشدہ کے عہد سے لے کر سلاطین عثمانیہ اور شاہان مغلیہ کے عہد تک اصول حکمرانی میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوا شاہان اسلام قانون شریعت ہی کے ماتحت حکومت کا نظم و نسق چلاتے رہے اور قانون شریعت ہی کے مطابق فیصلے کرتے رہے تاآنکہ اپنی اندرونی کمزوریوں اور عیش پرستیوں اور غفلت شعاریوں کے باعث سلطنت کے اختلال اور زوال کا باعث بنے کیونکہ عیش و عشرت اور نفس پرستی تمام برائیوں کی جڑ ہے جب سے مسلمان فرمانرواؤں میں عیش و عشرت و رقص و سرور اور نفس پرستی کا دور شروع ہوا اسی وقت سے اختلال اور زوال نے قدم بڑھانا شروع کیا اس میں اسلام کا کیا قصور ہے اصول اسلام پر عمل کرنے کی وجہ سے اگر کوئی خرابی آتی تب تو اسلام کا قصور ہوتا لیکن جبکہ تمام خرابیوں کی جڑ اسلامی تعلیم سے انحراف ہے تو قصور اپنا ہے نہ کہ اسلام کا اسی اسلامی دستور اور آئین اور اسلامی قانون کی روشنی میں مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی جب تک ارباب اقتدار قانون شریعت کے پابند اور اس پر عمل پیرا رہے اس وقت تک حکومت مستحکم رہی اور جب سے اسلام کے آئین اور قوانین کو پس پشت ڈال دیا اور استبداد اور ظلم و ستم اور عیش و عشرت اور انانیت کو شیوہ بنا لیا اسی وقت سے حکومت میں ضعف اور اختلال پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ ہماری حاکیت مبدل بہ محکومیت ہو گئی ابو جعفر منصور کا قول ہے کہ بنی امیہ کی سلطنت ٹھیک رہی

جب تک وہ قانون شریعت پر چلتے رہے اور جب ان لوگوں نے عیش و عشرت کو اپنا مقصود بنا لیا اور لذات اور شہوات میں طرق ہو گئے اور بے دھڑک احکام خداوندی کی نافرمانی کرنے لگے تو اللہ تعالی نے سلطنت کی نعمت ان سے چھین لی اور دوسروں کی طرف منتقل کر دی۔ وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم

یہ قصور ہمارا اور ہمارے عمل کا ہے شریعت کے دستور اور قانون کا کوئی قصور نہیں جبتک ہم مذہب اسلام پر قائم رہے تو دنیا میں ہماری عزت اور احترام کا ڈنکا بجتا رہا۔

(۱) اور جب ہم شاہراہ مذہب سے دور جا پڑے۔

(۲) اور جب ہم جادہ عدل و انصاف سے دور ہو گئے

(۳) اور جب ہم خود غرضیوں کا شکار ہو گئے۔

(۴) اور جب ہم غیروں کے نقال بن گئے کہ ان کی زبان اور معاشرہ کے عاشق بن گئے گویا کہ بزبان حال یہ اقرار کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس نہ کوئی علم ہے اور نہ حکمرانی کا کوئی آئین اور دستور ہے اور نہ ہماری اپنی کوئی تہذیب اور تمدن ہے اور نہ اپنی کوئی سیاست ہے ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب غیروں اور دشمنوں (مغربی ممالک) سے مانگا ہوا ہے تہذیب اور تمدن اور لباس اور پوشاک اور معاشرہ میں غیر قوموں کی پیروی اور اتباع احساس کمتری کی دلیل ہے۔

۵۔ اور جب ہم دین اور مذہب سے اس قدر بیزار ہو گئے کہ مذہب کے پرستاروں میں مین میخ نکالنے کے عادی ہو گئے اور اپنی محفلوں میں علماء کا مذاق اڑانے کے خوگر ہو گئے تو جو عزت دین اسلام کے تعلق سے ملی تھی وہ خدا تعالی نے چھین لی وکلاء اور بیرسٹروں کو محض قانون دان ہونیکی وجہ سے حقیر اور ذلیل سمجھنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ شخص قانون حکومت ہی کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے اور نوبت بائں رسید کہ مذہب اسلام کو ایک دفتر اوہام سمجھنے لگے ہیں اور اس وقت حال یہ ہے کہ اسلامی حکومتوں میں باوجود اسلامی کہلانیکے علماء دین کو وہ حقوق بھی حاصل نہیں جو غیر مسلم اقلیتوں کو حاصل ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ افسوس کہ جس اسلام کی برکت سے حکومت ملی تھی اس سے بیزار ہو گئے

تیری بزم میں اب ہے ذلت ہماری   نہ عزت ہماری نہ وقعت ہماری

قانون شریعت تمام دنیا کے قوانین اور دساتیر سے ہر اعتبار سے اکمل اور افضل اور بہتر اور برتر ہے دنیا کا کوئی قانون کسی حیثیت سے اسلامی قوانین کا مقابلہ نہیں کر سکتا نہ علمی اور فنی حیثیت سے اور نہ عدل و انصاف کے لحاظ سے اور نہ اخلاقی اعتبار سے پس ایسے کامل و مکمل قانون کا اتباع کبھی بھی زوال سلطنت کا سبب نہیں ہو سکتا بلکہ ایسے مکمل دستور اور قانون سے اعراض اور انحراف زوال کا سبب

ہے اور قانون شریعت کی تمام قوانین عالم پر برتری اور بہتری عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اس کا اتباع اور اس کی پیروی زوال کا سبب ہو ہی نہیں سکتی قرون اولی کے مسلمانوں کو روئے زمین پر جو اقتدار اعلی میسر آیا تو وہ اسی قانون شریعت کے اتباع کی برکت سے۔

آمدم بر سر مطلب

اس تمہید کے بعد یہ ناچیز اس مختصر تحریر میں صرف دستور مملکت کے کچھ اہم مسائل پیش کرتا ہے اور یہ بتلانا چاہتا ہے کہ اسلامی سلطنت کے یہ بنیادی اصول کس طرح کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں پس جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ کتاب وسنت نے اسلامی حکومت کا کوئی خاص ڈھانچہ پیش نہیں کیا اور کوئی ایسا مستقل خاکہ مسلمانوں کو نہیں دیا جس پر مملکت کی بنیادیں استوار کی جائیں تو یہ روشن خیال یہ بتلائیں کہ خلفاء راشدین اور شاہان اسلام نے کس اصول اور آئین کی روشنی میں ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی اور وہ کونسے بنیادی اصول تھے جن پر انہوں نے انکی طویل و عریض مملکت کی عمارت کو بلند کیا اور عرب اور عجم اور ایران اور طوران اور آرمینیہ آذر بائی جان اور ہندوستان اور افغانستان اور ترکستان اور بخارا اور سمر قند اور تاشقند اور بحر عرب اور بحر روم اور بحر ہند پر اپنا اقتدار کیسے قائم کیا۔

حجاز اور نجد اور یمن کا تمام طویل و عریض رقبہ حضور پر نور کے زمانہ میں فتح ہوا صدیق اکبر نے اپنے دو سالہ زمانہ خلافت میں فتنہ ارتداد کا قلع قمع کیا اور مدعیان نبوت کو انکی تیغ بے دریغ کا لقمہ بنایا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے علم بغاوت بلند کیا تھا ان کی سر کوبی کی اور اسلام اور اسلامی حکومت کی جو بنیادیں متزلزل ہو گئیں تھیں ان کو مضبوط اور مستحکم کیا اور عراق اور شام کی طرف قیصر و کسری کی سر کوبی کیلئے فوجی پیش قدمی شروع کی اور کچھ سرحدی علاقے فتح کئے دنیا کے دو آدھے آدھے فرمانرواؤں سے سلسلہ جہاد کا آغاز فرمایا۔ صدیق اکبر جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت ابو بکر کو اپنے مصلے پر کھڑا کر دیا اور مسجد نبوی کا امام اور خطیب ان کو بنا کر دنیا سے رخصت ہونے اسی طرح ابو بکر صدیق نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فاروق اعظم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور مسجد نبوی کی امامت اور خطابت اور مصلے ان کے سپرد کر کے دنیا سے رخصت ہونے فاروق اعظم نے خلیفہ ہونے کے بعد اس کام کیطرف توجہ کی کہ جس کی بنیاد صدیق اکبر ڈال گئے تھے اور اس مسجد نبوی کے امام اور خطیب نے قیصر و کسری پر فوج کشی کا حکم دیا نوبت باینجا رسید کہ دس سال میں ایران اور عراق اور شام اور مصر (جو آج کل چار مستقل سلطنتیں ہیں) وہ اسلامی حکومت کے چار صوبے بن گئے

فاروق اعظم کے بعد عثمان ذی النورین خلیفہ ہوئے اور ان کے عہد خلافت میں آرمینیہ اور آذر بائیجان اور افریقہ اور بحر روم کے جزیرے اسلام کے زیر نگین آئے اور ان کے عہد خلافت میں

اسلامی حکومت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوا کہ جو وہم و گمان سے بھی بالا اور برتر ہے قسطنطنیہ سے لے کر مدن تک اسلامی حکومت کا عرض تھا اور اندلس سے لیکر بلخ اور کابل تک اس کا طول تھا حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے بیت المال میں پہنچ گیا اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ وعداللہ الذین آمنو امنکم و عملواالصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینہم الذی ارتضی لھم پورا ہو چکا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ان تین خلفاء کے زمانہ میں اسلام دینی اور دنیوی ترقی کے اعتبار سے بام عروج پر پہنچ گیا تھا۔ تمکین دین بھی علی وجہ الکمال حاصل ہوئی اور تبدیلی خوف بامن ایسا ہوا کہ معاملہ برعکس ہو گیا مسلمانوں کا خوف تو امن سے بدل گیا اور کافروں کا امن خوف سے بدل گیا خدارا کوئی حرف گیر اور نکتہ چین بتلائے تو سہی کہ باوجود بے سرو سامانی کے اتنی طویل و عریض سلطنت (کہ جس کا مجموعی رقبہ امریکہ اور روس کے مجموعی رقبہ سلطنت سے کہیں زیادہ ہے) ان اونٹ چرانے والوں کو سولہ سترہ سال کی مدت میں کیسے حاصل ہو گئی اور کن بنیادوں پر ان لوگوں نے اتنی طویل و عریض سلطنت کی سر بفلک عمارت قائم کر دی اور مسلمانوں کو ایسی عظیم سلطنت کا وارث بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے رضی اللہ عنہم کیا کوئی دیوانہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ ان حضرات کے سامنے کتاب و سنت سے حکمرانی اور جہانبانی کا کوئی نقشہ اور خاکہ نہ تھا یونہی بلا کسی اصول اور آئین کے اور بلا کسی قانون کے صدیوں کی مستحکم سلطنتوں کو تہ و بالا اور زیر و زبر کر رہے تھے۔

نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ ان حضرات نے امریکہ اور برطانیہ کے کسی کالج اور یونیورسٹی سے قانونی اور فوجی تربیت حاصل کی تھی اس وقت تو امریکہ اور برطانیہ کا نام و نشان بھی نہ تھا اس وقت امریکہ اور برطانیہ کا شمار وحشیوں اور جنگلیوں میں تھا جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔

یہ سب حضرات مسجد نبوی کے تعلیم یافتہ تھے نبی امی فداہ نفسی و ابی و امی جس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی اس کی تعلیم و تربیت سے صحابہ کو حکمرانی اور جہانبانی کے آئین اور قوانین حاصل ہوئے خلفاء بنی امیہ اور خلفاء عباسیہ کی فتوحات پر نظر ڈالئے کہ ان لوگوں نے عیسائی حکومتوں کو کس طرح تہ و بالا کیا اور ان کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور ہندوستان جیسا براعظم نظروں کے سامنے ہے کہ شاہان اسلام کس طرح بارہ ہزار فوج لیکر اس براعظم پر حملہ آور ہوئے اور اس کو فتح کیا اور آٹھ سو سال تک باوجود اقلیت کے ہندوستان کی ہندو اکثریت پر حکمران رہے اور شریعت کے آئین اور قوانین کے ماتحت حکومت کا نظم و نسق چلا رہے تھے فتاویٰ عالمگیری اس کا شاہد عدل اس وقت آنکھوں کے سامنے ہے اور بارہ صدی ہجری تک اسلامی حکومتوں کا اصول حکمرانی ایک ہی رہا اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی روئے زمین پر جہاں جہاں اسلامی حکومت تھی وہ سب قانون شریعت کے

مطابق چل رہی تھی غرض یہ کہ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ گمان کہ اسلام میں حکمرانی کا کوئی آئین اور دستور ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو وہ اس قدر پرانا ہو گیا ہے کہ زمانہ حاضر کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔

اس طبقہ کا یہ گمان اور خیال محض لاعلمی اور بے خبری پر مبنی ہے ان کو تاریخ اسلام کی کچھ خبر نہیں یہ گروہ تاریخ اسلامی سے بیگانہ اور تاریخ مغرب کا دیوانہ اور پروانہ ہے اس طبقہ کو دشمنان اسلام کی تاریخ از بر ہے اور اپنے بزرگوں کی تاریخ کی اس طبقہ کو کچھ خبر نہیں ان لوگوں نے اگر کبھی شاہان اسلام کی تاریخ پڑھی ہوتی تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ شاہان اسلام نے عیسائی حکومتوں اور مغربی سلطنتوں کو کس طرح زیر وزبر کیا ہے اور انہوں نے کیا کارنامے انجام دیئے اور کس طرح اسلام اور مسلمانوں کی عزت و شوکت کا سبب بنے ہیں تو اس قسم کے الفاظ زبان سے نہ نکالتے۔

آج سے دو سو سال پہلے کا جغرافیہ اٹھا کر دیکھ لیں کہ اسلامی حکومت کا دائرہ کس قدر وسیع تھا کل ہندوستان اور کل افغانستان اور کل ترکستان اور کل ایران اور کل بلاد عربیہ اور تونس اور الجزائر اور مراکش اور افریقہ کا ایک کثیر حصہ اور یونان اور سرویہ اور البانیہ اور بلغاریہ اور مانٹی نگرو اور جزائر بحر روم اور سمرقند اور تاشقند اور روسی ترکستان کے بہت سے علاقے وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں تھے اور اسلامی حکومتوں کے صوبے تھے دلدادگان مغربیت اس اسلامی سلطنت کے رقبہ کی میزان تو لگائیں اور پھر امریکہ اور روس کے رقبہ سلطنت کی میزان اور اندازہ لگائیں کہ بیس سال کی مدت میں باوجود بے سرو سامانی کے اتنی عظیم الشان سلطنت کیسے حاصل ہوئی یہ سب حق تعالیٰ کا فضل اور نبی امی فداہ ابی و امی کی برکت تھی۔

یک سبد نانے ترا بر فرق سر   تو ہمی جوئی لب نان در بدر

قرآن اور حدیث احکام جہاد سے بھرا پڑا ہے کیا غیر مسلموں سے جہاد بغیر حکومت اور سلطنت کے ممکن ہے جہاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کے دین کی حکومت قائم ہو تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کا بول بالا ہو اس طبقہ کو خبر نہیں کہ شریعت اسلامیہ میں سلطنت اور مملکت کا وہ آئین اور دستور اور وہ قانون موجود ہے کہ جو فقط زمانہ حاضری کی نہیں بلکہ قیامت تک پیش آنے والی ضرورت کا کفیل اور ذمہ دار ہے بشرطیکہ وہ ضروریات واقعی ضروریات ہوں جن کے نہ ہونے سے حقیقتاً کوئی ضرر اور نقصان لاحق ہوتا ہو فضولیات اور نفسیات اور لذات اور شہوات کا نام ضروریات نہیں آخر یہ حضرات ان ضروریات کی فہرست بھی تو پیش کریں کہ وہ کونسی ضروریات ہیں جن کا حکم کتاب و سنت میں مذکور نہیں شریعت میں ضروریات اور فضولیات اور خرافات سب کے احکام موجود ہیں۔ یہ طبقہ یہ بھی کہتا ہے کہ زمانے کے تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری ہے زمانہ کی رفتار سے جدید تقاضے پیدا

ہوسکے ان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا آپ مذکورجو کہنا تھا وہ آپ نے کہہ لیا اور ہم نے سن لیا۔

اب شریعت کی طرف سے جواب سنئے وہ یہ ہے کہ آپ ان جدید تقاضوں کی تعیین فرمائیں کہ آیا وہ جدید تقاضے کیا ہیں اگر وہ جدید تقاضے جدید صنعت و حرفت سے اور جدید سامان جنگ سے متعلق ہیں تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان جدید تقاضوں کا پورا کرنا اسلامی سلطنت کا اولین فریضہ ہے اور ان میں تساہل اور غفلت برتنا ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ حق جل شانہ کے اس ارشاد و اعدو الھم ما استطعتم من قوہ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدو کم میں مادی طاقت اور جنگی سامان کی فراہمی کا قطعی حکم دیا گیا ہے اور عمل نبوی اور عمل صحابہ اس کا شاہد عدل موجود ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی مختصر تحریر میں اس پر مفصل کلام آجائے گا کہ کتاب و سنت نے مادی طاقت اور جنگی سامان کی تیاری اور فراہمی کے متعلق کیا احکام صادر کئے ہیں ناظرین کرام اس بحث کا انتظار فرمائیں۔

دنیا کے کسی عالم نے آج تک جدید صنعت و حرفت اور جدید قسم کے اسلحہ کی تیاری کی ممانعت کا فتویٰ نہیں دیا اور اگر زمانہ کے جدید تقاضوں سے نفسانی اور شہوتی تقاضے مراد ہیں مثلاً بے حجابی اور عریانی اور فحاشی اور رقص و سرود اور سینما اور تھیٹر اور مخلوط تعلیم سو اسلام بیسویں صدی کے اس قسم کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے اس لئے کہ اسلام نفس پرستی اور شہوت پرستی کا دشمن ہے ایسے شہوانی اور نفسانی تقاضوں کے متعلق شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ جس تہذیب اور تمدن میں یہ بے حیائیاں حلال ہوں وہ تہذیب قابل رجم ہے یعنی سنگسار کر دینے کے قابل ہے اس قسم کی تہذیب تہذیب نہیں بلکہ تعذیب یعنی عذاب الٰہی ہے جو قوم کو اوباشیت اور بے حیائی اور بد اخلاقی کی طرف لے جا رہی ہے ایسی تہذیب عین زنا ہے جو حکم زنا کا ہے وہی حکم اس کا ہے بلکہ ایک درجہ میں زنا اور بدکاری سے بڑھ کر ہے پہلے زمانہ میں زنا چھپ کر ہوا کرتا تھا اور یہ متمدن بدکاری اور مہذب بے حیائی مہذب ہوٹلوں اور کلبوں میں اعلانیہ ہو رہی ہے اس قسم کے جدید تقاضوں کی شریعت مطہرہ میں کہیں گنجائش نہیں اس قسم کے جدید تقاضوں سے ملک کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ ملک کی اخلاقی اور مالی اور اقتصادی حالت تباہ ہو جاتی ہے خوب سمجھ لو کہ اس قسم کے جدید تقاضے ترقی کا سامان نہیں بلکہ پوری قوم اور پوری سلطنت کی تباہی اور بربادی کا باعث ہیں پہلے زمانہ میں جو امراء و سلاطین کی عیش پرستیاں ملک کی تباہی کا سبب بنیں وہ موجودہ زمانہ کی عیش پرستیوں کا چالیسواں حصہ بھی نہ تھیں اس قسم کی عیش پرستیاں ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں۔ اے اللہ تو اپنی رحمت سے ہم مسلمانوں کی اور اسلامی ممالک کی دستگیری فرما اور مسلمانوں کو اس قسم کے جدید تقاضوں کے فتنہ سے محفوظ رکھ الامان الامان الحفیظ آمین

اسلام مادی اور صنعتی و حرفتی ترقی کا مخالف نہیں بلکہ اس کا حکم دیتا ہے کہ خوب قوت فراہم کرو

اور سامان جنگ تیار کرو وغیرہ وغیرہ البتہ نفسانی اور شہوانی ترقی کا دشمن ہے بلکہ اس کے کچلنے اور سنگسار کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ ملک بد اخلاقیوں اور بد اعمالیوں اور ستم رانیوں اور رشوت ستانیوں سے پاک ہو جائے اسلام عقل اور فطرت کے دائرہ میں رعایا کو آزادی دیتا ہے مگر نفس کی آزادی اور مطلق العنانی کا دشمن ہے اس لئے کہ اگر نفس کو آزادی مل جائے تو ملک کی جان و مال اور آبرو سب خطرہ میں پڑ جائے اب اس تمہید کے بعد یہ ناچیز اہل اسلام کی طمانینت اور بصیرت کے لئے اور منکرین آئین اسلام کی ہدایت اور اتمام حجت کیلئے یہ چند اوراق ہدیہ ناظرین کرتا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اسلام میں سلطنت کا آئین اور دستور کیا ہے اور کیسا ہے اور اس کے اصول کیسے پاکیزہ ہیں قبل اس کے کہ میں اس بحث کا آغاز کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر الفاظ میں دستور اور قانون کا فرق واضح کر دوں۔

دستور اور قانون کا فرق

نظام حکمرانی اور حکومت کے بنیادی اصول کا نام دستور ہے کہ حکومت کس طرح اور کس طرز پر چلائی جائے امارت اور وزارت اور ولایت (گورنری) وغیرہ وغیرہ کے کیا شرائط ہیں اور اس کے کیا فرائض ہیں اور ملک کے انتظامی شعبوں سے جو احکام متعلق ہیں ان کا نام قانون ہے۔

اب میں اپنے مقصود کو شروع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس تحریر سراپا تقصیر کو قبول فرمائے اور اس گنہگار کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

فاقول و باللہ التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلطنت کی ضرورت

دنیا میں بہت سے افراد ایسے ہیں جو خود غرضی اور شہوت پرستی سے خالی نہیں اور خود غرضی اور شہوت پرستی ہی تمام فتنوں اور برائیوں کی جڑ ہے جس کا عقلاء و شرعاً انسداد ضروری ہے اس لئے کہ قتل اور خونریزی اور چوری اور رہزنی اور غارتگری سب اسی خود غرضی اور شہوت پرستی سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے ضرورت ہوئی کہ ان مفاسد کے انسداد کے لئے ایک اجتماعی قوت ہونی چاہیے جو ملک کے افراد کو باہمی ظلم اور زیادتی سے محفوظ رکھ سکے اور اندرون ملک مظلوم کا ظالم سے حق دلا سکے اور کسی زور آور کی یہ مجال نہ ہو کہ وہ کسی کمزور کو دبا سکے اور باہر سے اگر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو یہ اجتماعی قوت اس کا

مقابلہ اور مدافعت کر سکے سو اس اجتماعی قوت کا نام حکومت اور سلطنت ہے جو ملک کے اندرونی اور بیرونی فتنہ کا انسداد کر سکے رعایا بلا بادشاہ اور امیر کے ایسی ہے جیسا کہ دریا کی مچھلیاں۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے اور کوئی پرسان حال نہیں ہوتا بادشاہ کی مثال چراغ کی سی ہے کہ کسی گھر میں چراغ روشن ہے اور مختلف لوگ اس چراغ کی روشنی میں اپنے کام انجام دے رہے ہیں یکایک وہ چراغ گل ہو گیا اور اندھیرا چھا گیا تو جس قدر سانپ، بچھو اور چوہے سوراخوں میں دبے ہوئے اور چھپے ہوئے تھے سب نکل پڑیں گے اور چور اور ڈاکو بھی نکل پڑیں گے اور جو ہوگا سو ہوگا خدا نہ دکھلائے اور نہ سنائے۔ آمین

مطلق سلطنت کی غرض و غایت

سلطنت کی غرض و غایت یہ ہے کہ ملک کی کثرت مبدل بہ وحدت ہو جائے اور ملک کے تمام منتشر افراد ایک مرکز پر جمع ہو جائیں جس کو اصطلاح میں امیر سلطنت اور صدر مملکت کہتے ہیں یہ مطلق سلطنت اور مطلق حکومت کی غرض و غایت بیان کی گئی باقی خاص اسلامی حکومت کی غرض و غایت کیا ہے وہ عنقریب ذکر کیجائے گی۔

صفات امیر

اس لئے ضروری ہوا کہ امیر مملکت ایسی صفات کے ساتھ موصوف ہو کہ جن کی وجہ سے اس کی ذات ملک کے منتشر افراد کا مرکز بن سکے اس لئے امیر سلطنت کیلئے یہ ضروری ہوا کہ وہ عاقل اور بالغ اور مرد اور آزاد اور شجاع اور ذی رائے اور ذی ہوش ہو اور اس کا فہم و فراست اور سیاست اور امانت اور دیانت ملک کے عقلاء اور مدبرین کے نزدیک مسلم ہو۔

امیر سلطنت کیلئے ان امور کا شرط ہونا تمام انبیاء کرام کی شریعتوں اور حکماء عالم کی حکمتوں اور عقلاء عالم کی عقلوں اور فراستوں کے اتفاق سے ثابت ہے اور ان امور کے شرط ہونیکی دلیل عقلی یہ ہے کہ ملک کے ہزاروں شہروں اور لاکھوں بستیوں کے مختلف افراد کا شخص واحد کی امارت پر دل سے متفق ہو جانا جب ہی ممکن ہے کہ جب امیر میں صفات مذکورہ پائی جائیں اس لئے کہ قیام سلطنت کا مقصد جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب امیر صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو ورنہ وہ امیری کیا ہوا کہ رعایا کے قلوب اس سے کارہ اور متنفر ہوں۔ سلطنت کا کارخانہ اطمینان سے جب ہی چل سکتا ہے کہ جب رعایا دل و جان سے اپنے امیر کی مطیع ہو اور اس کو قابل اطاعت سمجھتی ہو اور اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک امیر میں ملک کے عقلاء سے بڑھ کر کوئی شان امتیازی نہ ہو اپنے سے کمتر کی اطاعت پر کسی کا دل آمادہ نہیں ہوتا۔

شریعت اسلامیہ نے امور مذکورہ کے علاوہ اور بھی چند امور امیر مملکت کے لئے شرط قرار دیے ہیں جن میں اہم ترین امور یہ تین امر ہیں اسلام اور علم اور عدالت۔ اور عدالت سے مراد حق کا اتباع اور سوائے نفسانی سے اجتناب ہے کما قال تعالیٰ یاداود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق و لا تتبع الھویٰ اس لئے کہ اسلامی حکومت کا مقصد اور دینی مصالح بغیر ان امور کے انجام نہیں پاسکتے و قال تعالیٰ لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس۔

اسلامی حکومت کا قیام

عقلاً و شرعاً مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ اپنے لئے کوئی امیر مقرر کریں جو ان کے دین کا اور ان کی دنیا کا قانون شریعت کے مطابق انتظام کر سکے اور ناموس اسلام کی حفاظت کر سکے صحابہ کرام نے آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین سے پہلے اپنا ایک امیر مقرر کیا جو ملک کا انتظام کر سکے جس سے مسلمانوں کے دین و دنیا کا تحفظ ہو سکے ملک کی دینی اور دنیوی ترقی اور ظالموں کی سرکوبی اور مظلوموں کی داد رسی اور فریاد رسی اور عدل و انصاف کا قیام اور سرحدونکی حفاظت بغیر امیر کے ممکن نہیں نیز مسلمانوں پر من حیث الاسلام ناموس اسلام کا تحفظ فرض ہے جو بغیر حکومت اور سلطنت کے ممکن نہیں۔

نیز نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اللہ کیطرف سے قانون شریعت لیکر آئے جس کا رائج اور نافذ کرنا امت پر واجب اور ضروری ہے اور یہ امر بدون قوت و شوکت اور بدون حکومت و سلطنت کے نہیں ہو سکتا اس لئے حکومت کا قائم کرنا فرض ہوا تاکہ مسلمان احکام الٰہی کو نافذ کر سکیں اور یہ فریضہ ملک کے ارباب حل و عقد کے ذمہ ہے کہ ملک میں جس کو امارت کا سب سے زیادہ اہل جانیں اس کو امیر مقرر کریں ایسے امیر کی اطاعت سب پر واجب ہے اور اس سے انحراف ناجائز ہے تفسیر قرطبی ص ۲۶۴ ج ۱۔

اسلامی حکومت کی تعریف

اسلامی حکومت وہ ہے کہ جس حکومت کا نظام شریعت اسلامیہ کے قانون کے ماتحت ہو اور خلیفہ اسلام وہ شخص ہے کہ جو نائب نبی ہونے کی حیثیت سے شریعت اسلامیہ کے مطابق ملکی اور ملی نظام کو جاری کرے

تشریح

خلیفہ اسلام کی تعریف میں نائب نبی ہونے کی حیثیت کی قید اس لئے بڑھائی گئی تاکہ حضرات انبیاء کرام سے امتیاز ہو جائے اس لئے کہ انبیاء کرام خداوند ذوالجلال کے خلیفہ کہلاتے ہیں کما قال تعالیٰ و اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ اور یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق و لا تتبع الھویٰ - حضرت آدم اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اللہ کے خلیفہ تھے اللہ کے حکم کے مطابق حکومت کرتے تھے اور شاہان اسلام نبی اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں حضور پر نور کے نائب اور قائم مقام ہونیکی حیثیت سے شریعت اسلامیہ کے قانون کے مطابق حکومت کا نظام چلاتے ہیں خلافت کے لغوی معنی جانشینی کے ہیں اور اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ جو فرمانروائی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہونے کی حیثیت سے شریعت اسلامیہ کے قانون کے مطابق حکومت کا نظام چلاتے ہیں خلافت کے لغوی معنی جانشینی کے ہیں اور اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ جو فرمانروائی اور حکمرانی شریعت اسلامیہ کے دستور اور قانون کی پابند رہ کر کیجائے وہ حکومت اسلامیہ ہے ورنہ نہیں اس وجہ سے جب لوگوں نے ابوبکر صدیق کو یا خلیفۃ اللہ کہا تو یہ فرمایا کہ میں خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفہ رسول اللہ ہوں اور آپ کا جانشین ہوں آپ کا قائم مقام ہونیکی حیثیت سے تمہارا انتظام کروں گا۔

حکومت کی اقسام

اگر حکومت کا تمام تر نظام منہاج نبوت پر ہو اور حکمران اور امیر سلطنت نبی کی صفات فاضلہ کا نمونہ اور اس کا عکس اور پر تو ہو تو وہ حکومت خلافت راشدہ ہے اور امیر سلطنت خلیفہ راشد ہے جیسے خلفاء راشدین کہ وہ خود بھی سرتا پا رشد وہدایت تھے اور ان کی حکومت بھی سرتا پا رشد وہدایت تھی یا یوں کہو کہ جہاں ظاہری حکومت کے ساتھ باطنی ولایت بھی جمع ہو تو وہ خلافت راشدہ ہے اور اگر وہ حکومت و ریاست منہاج نبوت پر نہ ہو تو وہ اگر حکومت اپنے کو مسلمان کہتی ہو اور من حیث الحکومت اپنا مذہب اسلام بتاتی ہو یعنی یہ اقرار اور اعتراف کرتی ہو کہ حکومت کا من حیث الحکومت مذہب اسلام ہے اور قانون شریعت کی پیروی اور اتباع کو اپنے لئے دل اور زبان سے لازم اور ضروری سمجھتی ہو تو ایسی حکومت حکومت اسلامیہ ہے جس کا مذہب اسلام ہے پھر اگر اس میں عدل و انصاف اور امانت اور دیانت غالب ہو تو وہ حکومت عادلہ کہلائیگی ورنہ وہ حکومت ظالمہ اور جائرہ اور جابرہ کہلائے گی اور اگر حکومت من حیث الحکومت کا مذہب اسلام نہ ہو اور حکومت من حیث الحکومت قانون شریعت کے اتباع اور پیروی کا اعتراف نہ کرے تو وہ لادینی اور غیر مسلم حکومت ہے کما قال تعالیٰ و من لم

یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون تا سہ آیات ظالمون و فاسقون افحکم الجاھلیہ یبغون ومن احسن من اللہ حکماً لقوم یؤمنون جس کو آج کل کی اصلاحی جمہوری اور قومی حکومت کہتے ہیں پس اگر وہ فی الواقع اور فی الحقیقت جمہور اور قوم کی ضرورتوں اور مصلحتوں کی متبع ہو تو وہ جمہوریت صادقہ ہے ورنہ جمہوریت کاذبہ اور ظالمہ ہے برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہے ایسی حکومت جمہوری حکومت نہیں بلکہ ایک خاص پارٹی کی شخصی حکومت ہوتی ہے جو جبر و استبداد میں چنگیز خاں اور ہلاکو خاں سے کہیں آگے ہوتی ہے جس میں رعایا عدل و انصاف سے یکسر محروم ہو جاتی ہے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ فریاد کر سکے۔

ایسی حکومت قہر الٰہی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں و اذا اردنا ان نھلک قریہ امرنا مترفیھا ففسقو افیھا فحق علیہا القول فدمرناھا تدمیرا و کذالک نولی بعض الظلمین بعضا اور حدیث میں ہے کماتکونون یولی علیکم۔

ایسے وقت مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں ظالموں کا تسلط اور اقتدار شامت اعمال ہے جس کا بہترین علاج توبہ اور استغفار اور انابہ الی اللہ ہے اور تدبیر ظاہری اس کے علاوہ ہے۔

دارالحرب اور دارالاسلام

اسلامی سلطنت کا دوسرا نام دارالاسلام ہے دارالاسلام وہ ملک ہے جس میں بادشاہ اسلام کا حکم چلتا ہو اور بلا دغدغہ احکام اسلام اس میں جاری ہوتے ہوں اور مسلمانوں کو اپنے دین اور ایمان اور جان و مال اور آبرو کا خوف و خطرہ نہ ہو اور دارالحرب وہ ملک ہے جہاں اقتدار اور تسلط کفر اور کفار کا ہو اور مسلمان کافروں سے اپنی جان و مال کا خوف رکھتے ہوں

پس جس ملک میں تسلط اور اقتدار کافروں کا ہو اور مسلمان بھی آباد ہوں اور کفار کی اجازت سے شعائر اسلامیہ بجا لاتے ہوں تو ایسے ملک کو دارالاسلام نہیں کہیں گے محض مسلمانوں کے آباد ہونے اور کافروں کی اجازت سے شعائر اسلامیہ کو ادا کر سکنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اعتبار تسلط اور اقتدار کا ہے جس طرح دارالاسلام میں کافر آباد ہوں اور وہ مسلمانوں کی اجازت سے یا ان کی غفلت سے اپنے مذہبی امور کو بجا لاتے ہوں تو اس سے وہ ملک دارالحرب نہیں بن جائے گا مدار غلبہ اور اقتدار پر ہے پس جس ملک میں کفار علے الاعلان احکام کفر جاری کریں اور مسلمان بلا اجازت کفار احکام اسلام کو جاری نہ کر سکیں تو یہ ملک دارالحرب کہلائیگا اس لئے کہ اس ملک میں اسلام کا غلبہ اور اقتدار نہیں۔

پھر دارالحراب کی دو قسمیں ہیں ایک دارالخوف اور ایک دارالامان جیسے مکہ ہجرت سے پہلے دارالحرب بھی تھا اور دارالخوف بھی تھا کہ مسلمان مشرکوں سے خائف تھے اور حبشہ ہجرت سے پہلے اگرچہ

دارالحرب تھا مگر دارالامان تھا مسلمان وہاں مومن تھے اور جیسے ہندوستان انگریزی دور حکومت میں دارالحرب ہونے کے باوجود دارالامان تھا اور تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کا وہ حصہ جو بھارت کے قبضہ میں آیا ہے وہ اعلیٰ درجہ کا دارالحرب اور اعلیٰ درجہ کا دارالخوف ہے بھارت میں مسلمانوں کو جو ہر وقت ہندوؤں کے شر کا خوف ہے روئے زمین پر مسلمانوں کو اتنا خوف کہیں نہیں

سلطنت حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت ہے

حق جل شانہ نے انبیاکرام کو حکم دیا کہ کافروں سے جہاد کرو اور اللہ کے دین کی حکومت کو قائم کرو اور پھر اللہ تعالیٰ نے حکومت اور سلطنت کو اپنی خاص نعمتوں میں شمار کیا اور مقام امتنان میں اس کا ذکر کیا

کما قال تعالیٰ ام یحسدون الناس علیٰ ما اتاہم اللہ من فضلہ فقد اتینا ال ابراہیم الکتاب والحکمۃ واتیناہم ملکاً عظیماً ط

کیا یہ حسد کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے دوسرے لوگوں کو اپنے فضل سے دی ہے پس تحقیق ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت عطا کی جیسے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام وغیرہ ہم کو عظیم سلطنت دی جو حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے

و اذ قال موسیٰ لقومہ یاقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا واتاکم مالم یوت احدا من العالمین۔

اور یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے قوم اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو کہ جب اس نے تم میں بہت سے پیغمبر بھیجے اور تم کو بادشاہ بنایا یعنی سلطنت دی اور تم کو وہ نعمتیں دیں جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔

سلطنت کیلئے قانون کی ضرورت

یہ امر تو بخوبی واضح ہو گیا کہ انسان کی اجتماعی زندگی کیلئے سلطنت کا وجود از بس ضروری ہے تاکہ سلطنت کی قوت سے اندرون ملک ایک دوسرے پر ظلم و تعدی کا دروازہ بند ہو جائے اور فوجی طاقت سے سرحدات بیرونی دشمن کے حملہ سے محفوظ ہو جائیں اور باج و خراج کی وصولی سے سلطنت کی تمام ضروریات پوری ہو سکیں پس ضروری ہوا کہ سلطنت اور حکومت کیلئے کوئی قانون اور اصول وضع ہونا چاہیے کہ لوگ ان قوانین سیاسیہ کے ماتحت حکومت کے تابع اور مطیع فرمان رہیں اور باہمی نزاعات

میں اس کی طرف رجوع کریں اور انصاف کے طالب ہوں اور حکومت کی طاقت اور قوت سے مظلوم۔ ظالم سے اپنا حق لے سکے پس اگر ان سیاسی قوانین کو سلطنت اور ملک کے عقلاء اور اکابر اور اہل دماغ اور اہل بصیرت اشخاص کے اذہان نے ترتیب دیا ہے وہی ان کی واضع ہیں تو یہ سیاست عقلیہ کہلانے گی اور اگر یہ قوانین اللہ تعالیٰ کیطرف سے مرتب اور وضع ہو کر کسی رسول اور نبی کے ذریعہ مخلوق تک پہنچے ہیں تو اس کو سیاست شرعیہ اور سیاست دینیہ سے تعبیر کیا جائے گا سیاست دنیوی کے قوانین میں محض دنیوی مصلحتوں کی رعایت ہوتی ہے کیونکہ انسان کی نظر فقط دنیا کے ظاہر پر مقصور ہوتی ہے اور سیاست شرعیہ میں دنیا اور آخرت دونوں کے مصالح اور منافع کی رعایت ہوتی ہے اس لئے کہ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کا سب سے بڑا مقصد اصلاح آخرت ہے اور جس انسان کو ذرا بھی عقل ہے صرف دنیا اس کا مقصد اصلی نہیں بن سکتی کیونکہ دنیا سراسر لہو لعب ہے اور ہر شخص کو ایک نہ ایک دن موت اور فنا کا شکار ہونا ہے اس لئے جتنی شریعتیں دنیا میں آئیں وہ تمام انسانوں کے لئے عبادات اور معاملات اور اخلاق اور معاشرات کے احکام لیکر آئیں۔ یہاں تک کہ حکمرانی کے قوانین سے بھی خلق خدا کو آگاہ کیا جو انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے بمنزلہ غذا کے ہیں پس اگر دین اور شریعت کی روشنی میں ملک میں قوانین نافذ کئے جائیں اور اس کی کوشش کیجائے کہ سب مخلوق قانون شریعت کے دائرہ میں آجائے تو یہ سیاست شرعیہ اور مملکت اسلامیہ ہے اور اگر سلطنت کو سیاست عقلیہ کے ماتحت چلایا جائے تاکہ لوگ دنیا کے منافع حاصل کر سکیں اور دنیا کی مضرتوں سے بچ سکیں تو یہ مملکت دنیاویہ اور عقلیہ ہے جس کی نظر فقط دنیا پر مقصور ہے اور اسلامی مملکت کا مقصد یہ ہے کہ رعایا کو قانون شریعت کے مطابق انفرادا اور اجتماعاً زندگی گزارنے کا پابند کیا جائے جس سے آخرت کی سعادت بھی نصیب ہو اور دنیا کی وہ مصلحتیں اور منفعتیں بھی اس کو بہم پہنچیں جو سعادت اخروی میں اس کی معین اور مددگار ہوں۔

اور جو مملکت کسی ایک فرد یا کسی ایک خاص جماعت کے اپنے طبعی نظریات اور خیالات اور ذاتی اغراض شہوات کے ماتحت چلائی جائے تو وہ سلطنت شخصیہ اور طبعیہ اور خیالیہ ہے جس کو نہ دین سے واسطہ ہے اور نہ عقل سے سروکار ہے۔

سیاست عقلیہ اور قانون وضعی کا دار و مدار دنوی فوائد اور مصالح پر ہوتا ہے اور قانون شرعی دنوی اور اخروی ہر قسم کے فوائد اور منافع کو شامل ہوتا ہے کیونکہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام مصالح عاقبت سے بخوبی واقف ہیں اور قوانین اور احکام میں بندوں کے دنیوی مصالح کے علاوہ اخروی نجات کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں بخلاف سیاست عقلیہ کے اس میں فقط دنیوی نفع ملحوظ ہوتا ہے۔

قبل از اسلام شاہان عالم کا کارخانہ حکومت سیاست عقلیہ پر چلتا تھا جس میں عقلی طور پر عام انسانوں کی مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو شریعت اسلامیہ سے نواز کر قیصر و کسریٰ

کے دستور اور قانون سے مستغنی کر دیا کیونکہ احکام شریعہ میں مصالح عامہ و خاصہ سب کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور قانون شریعت ایسے اصول اور کلیات پر مشتمل ہے کہ جو قیامت تک آنے والی صدیوں کے واقعی ضرورتوں اور صحیح تقاضوں کو پورا کر سکے گا تمام ملکی احکام اس میں سمائے ہوئے ہیں لہذا قانون شریعت کے ہوتے ہوئے ہم کو کسی قانون بنانے کی ضرورت نہیں۔ شرعی قانون کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر وقتی تقاضہ اور ضرورت کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے بشرطیکہ وہ تقاضہ اور ضرورت عقل سلیم کے مطابق ہو وہ تقاضہ نفس امارہ کا نہ ہو وہ شریعت نفس امارہ کی دشمن ہے قانون شریعت سر تا پا عقلی ہو اور روحانی نفسانی اور شہوانی تقاضوں کو کچلنے کیلئے آسمان سے نازل ہوا جو تمام بد اخلاقیوں اور بے حیائیوں اور ظلم و ستم کو ملک سے فنا کر دیتا ہے قال تعالی

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون

جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے۔

ومن لم یکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الظالمون

اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مابق فیصلہ نہ کرے وہ ظالم ہے

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون

اور جو شخص خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ فاسق اور بد کار ہے

معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکتا اللہ کے حکم کے خلاف فیصلہ کرنے والا کافر اور ظالم اور فاسق ہے۔ وقال تعالی

افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکماً لقوم یوقنون

کیا جاہلیت اور کفر کے وقت کا حکم اور قانون چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے

جس طرح دنیاوی نظام میں اصل طاقت قانون کو حاصل ہے بغیر قانون کے حکومت بیکار ہے جس حکومت میں قانون کا نفاذ نہ ہوتا ہو اور رعایا اس کے فوائد سے محروم ہو تو رعایا کو اس حکومت سے کیا فائدہ اسی طرح شرعی نظام میں اصل طاقت قانون شریعت کو حاصل ہے اور ظلم و استبداد اور اخلاقی جرائم کا انسداد قانون شریعت ہی سے ہو سکتا ہے موجودہ حکومتوں میں جرم کے ارتکاب پر لمبا مقدمہ تو چل جاتا ہے مگر جرائم کا انسداد نہیں ہوتا

شرائط امارت

شرط اول (اسلام)

انتخاب امیر اور استحقاق امارت کی پہلی شرط یہ ہے کہ امیر مملکت مسلمان ہو
(۱) اس لئے کہ اسلامی سلطنت کی تعریف میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جو شخص نبی کے نائب اور قائم مقام ہونے کی حیثیت سے شریعت اسلامیہ کیمطابق ملکی اور ملی نظام کو جاری اور نافذ کرے اور ظاہر ہے کہ نبی کا قائم مقام وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس نبی پر ایمان رکھتا ہو یہ نا ممکن ہے کہ نبی کا منکر اور کافر ہو اور پھر اس کا قائم مقام اور جانشین بنے اور جو شخص روسی اور اشتراکی عقیدہ رکھتا ہو وہ امریکی حکومت کا صدر جمہوریہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص کانگریسی عقیدہ رکھتا ہو اور تقسیم ہند کو نا جائز سمجھتا ہو وہ پاکستان کا امیر اور وزیر نہیں بن سکتا پس اسی طرح نبی کی مسند حکومت کا وارث اور جانشین وہ شخص نہیں ہو سکتا کہ جو شخص اس کی نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہوں یعنی غیر مسلم ہو۔ مسلم ہو
(۲) نیز تمام امت کا یہ اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے کہ اگر خلیفہ یا امیر مرتد ہو جائے یعنی مسلمان سے عیسائی یا ہندو ہو جائے تو اس کا عزل اور قتل واجب ہے لہذا جو شخص ابتدا ہی سے کافر ہو وہ بدرجہ اولی امیر مملکت نہ بنایا جائے گا۔
(۳) نیز اسلامی سلطنت کا اصل مقصد دین اسلام کو قائم کرنا اور شریعت اسلامیہ کو رائج کرنا اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو علما و عملاً مسلمانوں میں پھیلانا اور غیر مسلموں کو اس کے محاسن سمجھانا اور ان کے شبہات کو دور کرنا اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد مسلمان ہی سے پورا ہو سکتا ہے۔
(۴) نیز غیر مسلم کبھی بھی اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا اور امیر مملکت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حکومت اور حکومت کے مذہب کا دل و جان سے خیر خواہ ہو۔
(۵) نیز اسلامی مملکت کے بہت سے وہ امور جو خالص شعائر اسلام سے متعلق ہیں وہ غیر مسلموں سے سرانجام نہیں پا سکتے۔
(۶) نیز غیر مسلم حاکم ہونے کی وجہ سے اسلامی حکومت کا کوئی راز غیر مسلم حکومتوں سے پوشیدہ نہ رہے گا
تاریخ اور تجربہ شاہد ہے کہ جن مسلمان وزراء اور حکام نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیا وہ بھی

امارت کی یہ شرائط اجمالاً علم کلام کی کتابوں مثلاً شرح مواقف اور شرح مقاصد میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لیجائیں

اسلامی حکومت کے لئے نہایت درجہ مضر ثابت ہونے اور اخیر میں یہ منکشف ہوا کہ یہ عیسائی عورتیں در حقیقت مسلمان وزراء کی منکوحہ عورتیں نہ تھیں بلکہ یورپین حکومتوں کی جاسوس تھیں پس جبکہ مسلمان حاکم اور مسلمان وزیر کی بیوی کا غیر مسلم ہونا اسلامی سلطنت کیلئے مضر ہے تو خود وزیر اور حاکم کا غیر مسلم ہونا بدرجہ اولے اسلامی سلطنت کیلئے مضر ہوگا۔

(۷) نیز اپنے ہم مذہب اور ہم مشرب کی نصرت اور حمایت کا جذبہ ایک فطری امر ہے اور اپنی قوم کی بہتری اور برتری انسان کا ایک طبعی اور جبلی امر ہے لہذا جس صورت میں اسلامی حکومت کی کسی غیر اسلامی حکومت سے جنگ ہوگی تو اس غیر مسلم حاکم کی تمام دلی تمنائیں اور تمام ہمدردیاں غیر مسلم حکومت کے ساتھ ہوں گی اور جو غیر مسلم حکومت اسلامی حکومت سے اس وقت بر سر پیکار ہوگی وہ ایسے نازک وقت میں اسلامی سلطنت کے اس غیر مسلم حاکم کے وجود کو اپنے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تصور کرے گی اور اس غیر مسلم کے ذریعہ سے جو ریشہ دوانی ممکن ہوگی اس سے دریغ نہ کرے گی۔

پس جس طرح ایک ہندو سے مسلمانوں کی خیر خواہی کی امید رکھنا کھلی نادانی ہے اسی طرح ایک یورپین سے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی توقع بے عقلی کی دلیل ہے۔

یورپین اور ہندو دونوں ہی مسلمانوں کے دشمن ہیں کما قال تعالی ان الکافرین کانو الکم عدو امبینا اے مسلمانو تمام کافر بلا شبہ تمہارے دشمن ہیں بے شک خداوند ذوالجلال نے سچ فرمایا اور خدا تعالی نے جو خبر دی اس کو تمام مسلمانوں نے دیکھا انگریزوں نے تقسیم ہند میں جو کھلی ہوئی بے ایمانی مسلمانوں کے ساتھ کی وہ سب کے سامنے ہے اور علی ہذا فلسطین کی تقسیم میں بھی جو صریح بے ایمانی کی وہ بھی سب کے سامنے ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں وہ بھی تمہارے سامنے ہیں فرق اتنا ہے کہ یورپین اس قدر ہوشیار اور عیار ہے کہ اپنی دشمنی دوستی کے لباس میں چھپا لیتا ہے اور ہندو کم عقلی کی وجہ سے مسلم عداوت کو چھپانے پر قادر نہیں۔

(۸) غیر مسلم کو اپنا امیر اور حاکم بنانا فقط عقل اور شریعت ہی کے خلاف نہیں بلکہ تدبر اور سیاست حتی کہ غیرت کے بھی خلاف ہے بہت سے نادانوں نے اس بے غیرتی کو جمہوریت سمجھا ہے خدا ان بے عقلوں کو غیرت دے اور ہدایت دے آمین۔ اپنے دشمن اور بد خواہ کو اپنا امیر اور وزیر بنانا غیرت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے کسی کافر کو اسلامی سلطنت کا امیر بنانا تو درکنار کافر کو تو وزارتی یا فوجی یا افسری کسی قسم کا کلیدی عہدہ دینا بھی جائز نہیں اور نہ کافروں سے سلطنت کے سیاسی اور اہم امور میں مشورہ لینا جائز ہے جیسا کہ ہم عنقریب فاروق اعظم اور ابو موسیٰ اشعری کا مکالمہ ہدیہ ناظرین کریں گے۔

شرط دوم

امیر مملکت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ عاقل اور بالغ ہو بیوقوف اور نا بالغ تو اپنا ہی انتظام نہیں کر سکتا۔ سلطنت کا انتظام کیسے کر سکتا ہے بیوقوف اور نا بالغ کا کوئی تصرف اور کوئی معاملہ شرعاً بغیر ولی کے معتبر نہیں۔

شرط سوم

امیر اور حاکم کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ متکلم اور سمیع اور بصیر ہو یعنی گونگا اور اندھا اور بہرا نہ ہو تاکہ رعایا کے دعوؤں اور استغاثوں کو خود سن سکے اور مدعا علیہ کو پہچان سکے اور حقیقت حال سمجھنے میں اسکو کوئی اشتباہ نہ رہے۔

شرط چہارم

امیر کے لئے ایک یہ بھی شرط ہے کہ وہ شجاع اور بہادر ہو اور مدبر اور صاحب رائے ہو۔ آرام طلب اور نا تجربہ کار نہ ہو کیونکہ بزدل اور غیر ذی رائے آدمی صلح اور جنگ کے وقت گھبرا جاتا ہے اور مشکلات اور مہمات میں حیران اور پریشان ہو جاتا ہے کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا نیز ایسا آدمی دشمن سے صلح اور معاہدہ کرتے وقت بسا اوقات دھوکا کھاتا ہے ایک اعرابی کا کسی عیسائی سلطنت پر گزر ہوا تو وہاں کے امیر نے حضرت عمرؓ کے متعلق اس اعرابی سے دریافت کیا کہ تمہارا امیر کیسا ہے تو اس اعرابی نے یہ جواب دیا۔

امیرنا لا یخدع ولا یخدع

ہمارا امیر (حضرت عمرؓ) نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکے میں آتا ہے۔

اس اعرابی نے پہلے جملہ میں حضرت عمرؓ کی امانت اور دیانت کو بیان کیا اور دوسرے جملے میں حضرت عمرؓ کی فراست اور سیاست کو بتلایا۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب من جانب اللہ طالوت کو حکمران بنایا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دو باتیں فرمائیں ان اللّٰہ اصطفاہ و زادہ بسطۃ فی العلم و الجسم۔ تحقیق اللہ نے طالوت کو حکمرانی کے لئے اس لئے منتخب فرمایا کہ ان میں دو وصف ایسے ہیں جس کی وجہ سے ان کو حکمرانی کے لئے منتخب کیا گیا ایک تو یہ کہ وہ اوروں سے علم اور فہم میں کہیں بڑھ کر ہیں دوسرے یہ کہ وہ جسمانی طاقت میں اوروں سے ممتاز ہیں

شرط پنجم

امیر مملکت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مرد ہو عورت نہ ہو شریعت کی نظر میں جو جنس قابل ولادت ہے وہ جنس ہی قابل حکومت نہیں اسلیئے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہوتی ہیں عقل اور دین دونوں ہی اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں اس لئے وہ حکومت کے قابل نہیں حدیث میں ہے کہ عورت کی عقل مردوں کی عقل سے نصف ہے اسی لئے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے اور دین میں عورت مرد سے نصف ہے اس لئے عورت ایام حیض اور نفاس میں نماز اور روزہ اور تلاوت قرآن نہیں کر سکتی نزاکت اور بزدلی عورت کا خاص طرہ امتیاز ہے اور حکومت و سلطنت کے لئے شجاعت اور بہادری شرط لازم ہے۔

اور امیر سلطنت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرکز شجاعت اور پیکر عزم و ہمت ہو اور عورت تو مرکز شہوت ہے اور اس کی بے حجابی موجب فتنہ ہے اس میں حکومت کی صلاحیت ہی نہیں عورت کا وجود میدان کارزار میں بالکل بے کار ہے پردہ کی وجہ سے عورت مجلسوں اور محفلوں میں حاضر ہونے کے قابل نہیں کسی مدعی اور مدعی علیہ کو دیکھ نہیں سکتی اور نہ خود ان کا بیان سن سکتی ہے اور نہ کسی مظلوم کی فریاد کو پہنچ سکتی ہے اور نہ کسی ظالم کو اپنے ہاتھ سے پکڑ سکتی ہے اور نہ اسے مار سکتی ہے اور اگر پس پردہ کسی کا بیان سنے تو وہ قابل اطمینان نہیں۔

۵ ۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے تو آپ نے فرمایا لن يفلح قوم ولوا امرہم امرأتہ ۔ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے ملک اور سلطنت کی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی۔ امام قرطبی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں

قال القاضي ابوبكر بن العربي ہذا نص في المرأة لا تكون خليفہ ولا خلاف فيہ ۔ تفسیر قرطبی ص ۱۸۳ ج ۱۳ ۔ سورہ نمل

ترجمہ! قاضی ابن ابکر عربی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بارہ میں نص صریح ہے کہ عورت بادشاہ اور امیر نہیں ہو سکتی اور اس میں کسی کا خلاف نہیں یعنی یہ مسئلہ اجماعی ہے

(۶) امام شافعی فرماتے ہیں کہ کوئی عورت بغیر ولی کے خود اپنا نکاح بھی نہیں کر سکتی لہذا جو اپنے نکاح میں ایک ولی اور سرپرست کی محتاج ہے تو ایک قلمرو کی ولایت اور حکومت کیسے کر سکتی ہے جس طرح ایک نو عمر اور نا بالغ بچہ ولی کا محتاج ہے اسی طرح عورت بھی ولی اور سرپرست کی محتاج ہے فقہا کرام نے سلطنت اور امارت کو امامت کبریٰ کہا ہے اور نماز کی امامت کو امامت صغریٰ کہا ہے اور تصریح کی ہے کہ عورت میں امامت صغریٰ کی بھی اہلیت نہیں چہ جائیکہ وہ امامت کبریٰ کی اہل

بن سکے عورت کی اذان اور اقامت اور خطبہ بھی نا جائز اور حرام ہے لہذا عورت کی تقریر بدرجہ اولی حرام ہوگی عورت کو بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنا نا جائز اور حرام ہے کما قال تعالی و قرن فی بیوتکن عورت کا کام شوہر کی خدمت اور اطاعت اور شوہر کے لئے اولاد کی ولادت اور ان کی رضاعت اور تربیت ہے کیونکہ عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں اور اولاد ان کی پیداوار ہے۔ کما قال تعالی نساء کم حرث لکم اس لئے شرعاً عورت کی امارت اور صدارت اور اس کی وزارت اور مجلس شوریٰ کی رکنیت سب نا جائز اور حرام ہے۔

جو لوگ عورت کی صدارت اور وزارت کے جواز کے قائل ہیں آخر وہ یہ تو بتلائیں کہ عورت ایام حمل اور ایام ولادت اور ایام نفاس میں صدارت اور وزارت کے فرائض دفتر میں حاضر ہو کر انجام دے گی یا زچہ خانہ میں سے احکام صادر کریگی۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں مردوں ہی کو امامت اور امارت کی ذمہ داریوں کا مخاطب گردانا گیا ہے اور کسی حکم کا مخاطب وہی ہوتا ہے جس کو اس کے کرنے پر قدرت اور طاقت ہو چنانچہ امام فخرالدین رازی نے عورتوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ عورتیں بہت سے احکام شرعیہ میں مردوں کے تابع کی گئی ہیں براہ راست ان سے خطاب نہیں ہوا بلکہ قیاساً اور تبعاً وہ بھی مردوں کے احکام میں شامل ہوگئیں۔ اس عمل کا راز یہ ہے کہ عورتیں خود مختار نہیں بلکہ ان کے اختیار کی باگ مردوں کے ہاتھ میں ہے البتہ عبادات میں خود عورتیں بھی براہ راست مخاطب ہوئیں کیونکہ عبادات کا اختیار ہر شخص علیحدہ رکھتا ہے۔

رہا ملکہ سبا کا قصہ سو وہ کافروں کا عمل تھا جہاں حکومت بطور وراثت چلی آرہی تھی ایسی حکومت میں تو شیر خوار بچے بھی بادشاہ ہوتے رہے ہیں لہذا اس سے عورت اور شیر خوار بچہ کی بادشاہت کے شرعی جواز پر استدلال صحیح نہیں۔ اور اگر کوئی کافر مرد یا کافرہ عورت اپنی کسی قوت و شوکت یا کسی حیلہ و تدبیر سے سلطنت پر قبضہ کر لے تو ایسی حکومت کے متعلق فقہا کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ اس حکومت کو تسلیم کر لیا جائے اور فتنہ سے بچنے کے لئے اس کی اطاعت کیجائے دیکھو فتح الباری ص ۱۰۴ ج ۱۳ بذیل شرح حدیث وان استعمل علیکم عبد حبشی اور فتح الباری ص ۱۰۴ ۱۳ بذیل شرح حدیث لایزال ہذا الامر فی قریش۔ خلاصہ کلام یہ کہ شریعت میں جبراً و قہراً تسلط و تغلب کے احکام علیحدہ ہیں اور کسی کو اپنے اختیار سے امیر اور وزیر بنانے کے احکام جدا ہیں۔ اپنے اختیار سے کسی عورت کو امیر اور وزیر بنانا یا مجلس شوری کی رکنیت کے لئے اس کو منتخب کرنا یہ قطعاً حرام ہے

جس طرح مسلمانوں کے لئے یہ امر کسی طرح جائز نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے کسی غیر مسلم یا کسی

قال الالوسی ولیس فی الایۃ مایدل علی جواز ان تکون المراۃ ملکۃ ولا حجۃ فی عمل قوم کفرۃ علی مثل ہذا المطلب ـــــ الخ تفسیر روح المعانی ص ۱۸۱ ج ۱۹

ملحد اور زندیق کو اپنا امیر یا وزیر بنائیں کما قال تعالے ما جعل اللہ للکافرین علے المؤمنین سبیلا ۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے کسی عورت کو اپنا امیر بنائیں۔ عورتیں دین اور عقل کے لحاظ سے بھی ناقص ہیں اور جسمانی قوتوں میں ان کی کمزوری اظہر من الشمس ہے تنہا عورتوں کی فوج کسی سرحد کی حفاظت نہیں کر سکتی پس جو جنس نہ ملک کی حفاظت کر سکے اور نہ اس کی مدافعت کر سکے اور اپنے فطری ضعف اور نزاکت کی وجہ سے وصف شجاعت سے یکسر خالی ہو اور عقلی کمزوری کیوجہ سے آئے دن اوباشوں کے اغواء کا شکار ہوتی رہتی ہو اس کو اسلامی حکومت میں شرعا کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا اللہ تعالی نے عورتوں کو مردوں کی کھیتی بنایا ہے کما قال تعالے نساء کم حرث لکم عورتیں تمہاری کھیتی ہیں جن کی پیداوار اولاد ہے تاکہ توالد اور تناسل کا سلسلہ جاری رہے پس جبکہ عورتوں کی وضع ہی ولادت اور رضاعت اور تربیت یعنی بچوں کی پیدائش اور ان کو دودھ پلانے اور گودہ کھلانے کے لئے ہوئی ہے تو ان کو حکومت کے لئے استعمال کرنا وضع الشی فی غیر محلہ ہے یعنی ان کو بے محل استعمال کرنا ہے اور بے محل استعمال ہی حقیقت ظلم کی ہے اور حکومت کا قیام عدل کے لئے ہوتا ہے پس جس حکومت کا آغاز ہی ظلم سے ہوگا تو آئندہ عدل کی کیا توقع ہوگی بلکہ اگر امیر سلطنت مرد بھی ہو اور عورتیں اس پر ایسی حاوی ہو جائیں کہ اپنی منشاء کے مطابق اس سے احکام نافذ کرائیں تو ایسا امیر بھی قابل معزولی ہے جیسا کہ فقہاء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی دشمن طاقتور کے ہاتھ قید ہو جائے کہ اب اس کی رہائی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس کی امارت باطل ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے کہ کسی آزاد کو اپنا امیر بنائیں

شرط ششم

استحقاق امارت کی ایک شرط یہ ہے کہ امیر اور حاکم عادل اور امین ہو عادل سے یہ مراد ہے کہ منصف ہو اور اس کا عادل اور منصف ہونا لوگوں میں مسلم ہو اور امین سے یہ مراد ہے کہ سراپا امانت ہو خیانت سے پاک ہو امانت کا سب سے اہم جزیہ ہے کہ حکومت کا کوئی عہدہ اور کوئی منصب کسی نا اہل اور غیر مستحق کو نہ دے۔

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کرو اور ان لوگوں میں جب کوئی فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو

حکومت کے تمام اموال و خزائن اور تمام عہدے اور منصب امیر کے ہاتھ میں بطور امانت ہیں امیر مملکت ان کا مالک اور مختار نہیں ان امانتوں کے جو اہل اور مستحق ہیں انکے سپرد کرنا واجب ہے حق جال شانہ نے جو امانتیں اس کے سپرد کی ہیں ان کو اس کے اہل تک پہنچانا اس کا فرض ہے اور

امانت غیر مستحق کے حوالے کرنا یہ خیانت ہے۔

شرط ہفتم

اسلامی سلطنت کے امیر کے لئے ایک نہایت ضروری شرط یہ ہے کہ وہ عالم دین ہو اور متقی اور پرہیز گار بامروت اور صاحب اخلاق ہو۔ اس لئے کہ اسلامی سلطنت کا سب سے اہم اور مقدم فریضہ شعائر اسلام کا اعزاز اور احترام اور ملت اسلامیہ اور شریعت محمدیہ کی ترویج اور علوم اسلامیہ کو زندہ رکھنا ہے اور یہ باتیں بغیر عالم دین کے سرانجام نہیں پا سکتیں۔ اور جو شخص خود متقی اور پرہیز گار نہ ہو گا وہ ملک سے حکام کے ظلم اور ستم اور رشوت ستانی کی بلاء کو دور نہیں کر سکے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ امیر سلطنت کے لئے ان صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے پس مسلمانوں کا امیر ان صفات کے ساتھ موصوف ہو تو اس کی سلطنت اللہ کی رحمت اور نعمت ہو گی ورنہ ایک مصیبت آسمانی ہو گی کما قال تعالیٰ و اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا

فرائض امیر سلطنت

امام ابوالحسن ماوردی فرماتے ہیں کہ امیر سلطنت کے فرائض حسب ذیل ہیں

(۱) دین کی حفاظت یعنی شریعت کے اصول مستقرہ اور سلف صالحین کے اجماع کے مطابق دین کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص دین اسلام میں کوئی بدعت نکالے یا الحاد اور بے دینی کی راہ نکالے تو حق بات اس پر واضح کرے اور اتباع شریعت پر اس کو کاربند کرے تاکہ دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور امت دین اسلام پر قائم رہے اور لغزشوں سے محفوظ رہے۔

(۲) باہم جھگڑنے والوں کے مقدمات اور خصومتوں کا فیصلہ احکام شرعیہ کے مطابق کرے تاکہ ملک میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو اور کوئی طاقتور کسی کمزور پر دست تعدی دراز نہ کر سکے۔

(۳) ملک کی حفاظت کرے ملک کی سرحدوں پر فوجوں کا ایسا مستحکم انتظام کرے کہ دشمن کو حملہ کرنے کی جرأت نہ رہے اور ملک دشمن کے حملہ سے محفوظ ہو جائے اور اندرون ملک پولیس کا ایسا انتظام کرے کہ تمام لوگ اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں اور اطمینان سے اپنے کاروبار کر سکیں اور چوروں اور لٹیروں سے مامون و محفوظ ہو جائیں اور بغیر جان و مال کے خطرہ کے اطمینان سے سفر کر سکیں۔

(۴) حدود شرعیہ کو قائم کرے تاکہ جن باتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے کوئی شخص ان کا ارتکاب نہ کر سکے اور ملک چوری اور شراب خواری اور بدکاری وغیرہ کے جرائم سے پاک ہو جائے۔

(۵) مسلمانوں کے لئے تعلیم دین کا انتظام کرے کیونکہ اصل مقصود دین ہے اور سلطنت اس کی حفاظت کیلئے ہے اس لئے امیر مملکت پر فرض ہے کہ وہ تعلیم دین کا انتظام کرے تاکہ دین محفوظ ہو جائے تعلیم کے بغیر کوئی علم محفوظ نہیں رہ سکتا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شعبہ قائم کرے تاکہ ملک معروف اور خیر سے منور ہو اور منکرات اور فواحش سے پاک ہو کما قال تعالیٰ الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر

(۶) غیر مسلموں کیلئے تبلیغ دین اور دعوت اسلام کا انتظام کرے اور غیر اسلامی تبلیغ کی ممانعت اور انسداد کرے یعنی کسی غیر مسلم کو اس کی اجازت نہ ہو کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ اور اشاعت کر سکے اور اسلامی حکومت کے آس پاس مخالفین سے جہاد کرے کما قال تعالیٰ یایھا الذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار و لیجدوا فیکم غلظۃً و اعلموا ان اللہ مع المتقین

اے ایمان والو ان کافروں سے جہاد و قتال کرو جو تمہارے بالکل قریب ہیں (جیسے بھارت) اور چاہیے کہ وہ کافر تمہارے اندر سختی اور درشتی کو محسوس کریں (یعنی ان سے نرمی معاملہ نہ کرو) اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

غرض یہ کہ جو کفار اسلامی حکومت کے آس پاس ہوں ان سے جہاد فرض ہے تاکہ وہ مخالفین یا تو اسلام قبول کریں یا ذمی بن جائیں کیونکہ بادشاہ اسلام پر یہ فرض ہے کہ وہ دین اسلام کے تفوق اور غلبہ کی تمام ادیان پر کوشش کرے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تک بادشاہ اسلام میں کافروں سے جہاد کرنے کی طاقت ہو اس وقت تک ان سے صلح کرنا جائز نہیں دیکھو سیئر کبیر امام السرخسی

(۷) شریعت کے مطابق ملک میں عدل و انصاف جاری کرے کہ بلا کسی رشوت اور بلا کسی سفارش اور بلا کسی دباؤ کے رعایا کے مقدمات کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو سکے۔

(۸) بغیر کسی جبر اور زیادتی کے شریعت کے مطابق خراج اور جزیہ اور محاصل وصول کرے اور طاقت سے زیادہ محصول نہ لگائے

(۹) بیت المال سے مستحقین کیلئے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کرے جس میں نہ اسراف ہو اور نہ امساک یعنی نہ بخل ہو اور نہ فضول خرچی اور یہ وظیفے اور تنخواہیں مستحقین کو بلا تقدیم و تاخیر وقت پر دی جائیں

(۱۰) امیر سلطنت کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ حکومت کے عہدے سمجھداروں اور دیانتداروں اور دین داروں کے سپرد کرے اور اہل امانت اور اہل لیاقت کو حاکم اور عامل مقرر کرلے تاکہ ملک قابل اور لائق لوگوں کے انتظام سے مستحکم اور مضبوط ہو اور سلطنت کا خزانہ امانت دارو اور دیانتداروں کے

قبضے میں رہنے کی وجہ سے خیانت سے محفوظ رہے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کرے اسلام اور اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کو اپنی قرابت اور صداقت پر مقدم رکھے۔

(۱۱) خود تمام امور سلطنت کی نگرانی کرے اور تمام واقعات اور ملکی حالات سے باخبر رہے تاکہ امت کی پاسبانی اور ملت کی حفاظت اور نگہبانی خود کر سکے اور عیش وعشرت یا نفل عبادت میں مشغول ہو کر اپنے فرائض دوسروں کے حوالہ نہ کرے کیونکہ ایسی صورت میں دیانت دار بھی خیانت کرنے لگتے ہیں اور وفادار خواہ کیسا ہی ہو اس کی نیت میں فرق آجاتا ہے۔

حق جل شانہ کا ارشاد ہے یاداؤد انا جعلنک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے لہذا تم لوگوں میں حق اور صداقت سے حکومت کرو اور خواہش نفسانی کا اتباع نہ کرو مبادا کہ ہوائے نفسانی کا اتباع تم کو سیدھے راستے سے ہٹا دے۔ اور حدیث میں ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ امام ابوالحسن ماوردی کا کلام ختم دیکھو الاحکام السلطانیہ ص ۱۵ و ص ۶۱ اور بعینہ یہی مضمون قاضی ابویعلی کے احکام سلطانیہ ص ۱۱ میں مذکور ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت کریں

فرائض امیر مملکت کی مزید تفصیل

امیر مملکت کے فرائض کے بارہ میں امام ابوالحسن ماوردی کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا۔ اب ہم اسلامی مملکت کے امیر کے فرائض کی مزید تفصیل کے لئے عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی قدس اللہ سرہ کا کلام معرفت التیام ہدیہ ناظرین کرتے ہیں وھو ہذا

(۱) واجب است بر خلیفہ نگاہ داشتن دین محمدی صلے اللہ علیہ وسلم بر صفتے کہ بسنت مستفیضہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ثابت شدہ واجماع سلف صالح براں منعقد گشتہ۔

بادشاہ اسلام پر دین محمدی کا اسیطرح محفوظ رکھنا واجب اور ضروری ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مشہورہ سے ثابت ہوا اور جس پر سلف صالحین کا اجماع اور اتفاق منعقد ہو چکا ہو خلاصہ یہ کہ امیر مملکت کا پہلا فریضہ یہ ہے شریعت کے اصول مستقرہ اور اجماع سلف کے مطابق دین کی حفاظت کرے۔

(۲) وانکار باں وجہ تواند بود کہ قتل کند مرتدین وزنادوقہ را وزجر نماید مبتدعہ را

اور اسیطرح بادشاہ اسلام پر خلاف شرع امور کا مٹانا بھی لازم اور فرض ہے مثلاً بادشاہ اسلام کے

فرائض میں سے ہے کہ مرتدین اور زندیقین اور ملحدین کو قتل کرے اور اہل بدعت کو سزا دے تاکہ دین میں کسی قسم کا خلل نہ آنے پائے

(۳) دیگر اقامت ارکان اسلام نمودن از جمعہ و جماعات و زکوٰۃ و حج و صوم باآنکہ در محفل خود بنفس خود اقامت نماید و در مواضع بعیدہ آئمہ مساجد و مصدقان را نصب فرماید و امیر حج معین نماید

نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ ارکان اسلام اور شعائر دین کو قائم کرے مثلاً جمعہ اور جماعت اور زکوٰۃ اور حج اور روزہ کو اپنی جگہ میں ان ارکان کو بذات خود قائم کرے اور مقامات بعیدہ میں آئمہ مساجد اور مصدقین کو مقرر کرے اور مسلمانوں کو حج کرانے کے لئے ایک امیر حج معین کرے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں ابو بکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا تھا

(۴) واحیاء علوم دین کند بنفس خود قدرے کہ میسر شود و مقرر سازد مدرسین را در ہر بلدے چنانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن مسعود را با جماعت در کوفہ نشاند و معقل بن یسار و عبد اللہ بن معقل را بہ بصرہ فرستاد

اور بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ جس قدر ممکن ہو بذات خود علوم دینیہ کو زندہ کرے اور زندہ رکھے اور ہر شہر میں علوم دینیہ کے درس کے لئے مدرسین کا تقرر کرے جیسا کہ حضرت عمر نے عبد اللہ بن مسعود کو صحابہ کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا اور معقل بن یسار اور عبد اللہ بن معقل کو بصرہ میں علوم دینیہ کی تعلیم دینے کے لئے مدرس بنا کر بھیجا اور دعوت اسلام اور تبلیغ اسلام کے لئے دعاۃ اور مبلغین کا تقرر بھی اس میں داخل ہے

(۵) و فیصل کند میان اہل خصومت یعنی قضا کند در دعاوی و نصب قضات نماید برائے آں

نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اہل خصومت اور اہل دعوے کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور جا بجا فیصلوں کے لئے قاضی اور حاکم مقرر کرے تاکہ عدل اور انصاف کا دور دورہ ہو اور کوئی طاقت کسی کمزور پر کوئی تعدی نہ کر سکے

(۶) و نگہدارد بلاد اسلام را از شر کفار و قطاع طریق و متغلبان

نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ تمام بلاد اسلام کو کافروں اور رہزنوں اور غاصبوں کے شر اور فساد سے محفوظ رکھے تاکہ لوگ اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں اور اطمینان سے سفر کر سکیں اور اطمینان سے اپنے کاروبار کر سکیں مطلب یہ کہ حدود شرعیہ کو قائم کرے تاکہ جن باتوں کو اللہ نے محارم قرار دیا ہے ان کا کوئی ارتکاب نہ کر سکے

(۷) و سرحدہائے دار الاسلام را بافواج و آلات جنگ مشحون سازد

نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ دار الاسلام کی تمام سرحدوں کی دشمنوں سے حفاظت کرے بایں طور کہ فوجوں اور آلات جنگ سے ہر وقت سرحدوں کو معمور اور بھرپور رکھے تاکہ دشمن اچانک

حملہ نہ کر سکے اور مسلمانوں اور ذمیوں کے جان و مال محفوظ رہیں

(۸) و جہاد نماید با اعداء اللہ ابتداء و دفعا

نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ (بشرط قدرت) دشمنان خدا سے جس طرح ممکن ہو جہاد کرے خواہ اس جہاد کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہو یا ابتداء کافروں کی طرف سے ہو اور مسلمانوں کی طرف سے مدافعت ہو

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اکثر غزوات اقدامی تھے اور دفاعی کم تھے اور علی ہذا خلفاء اسلام اور شاہان اسلام کے اکثر حملے اقدامی اور ہجومی تھے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں اقدامی جہاد نہیں صرف دفاعی جہاد ہے وہ کتاب وسنت میں تحریف کرنے والے اور اپنے بزرگوں کی تاریخ کو چھپانے والے اور مرعوب ذہنیت والے ہیں جن کی کسی تقریر اور تحریر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا

(۹) و ترتیب دہد جیوش را و فرض ارزاق کند برائے مقاتلہ

نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ جہاد کے لئے لشکروں کو مرتب کرے اور مجاہدین کے لئے وظیفہ اور تنخواہ مقرر کرے

(۱۰) و اخذ جزیہ و خراج و قسمت آں نیز بر غزاۃ بعمل آرد

نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ وہ کافروں سے جزیہ اور خراج وصول کرے اور مجاہدین پر اس کو تقسیم کرے

(۱۱) و تقدیر عطایائے قضاۃ و مفتیان و مدرسان و واعظان و آئمہ مساجد باجتہاد خود نماید بغیر اسراف و تقتیر

نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ قاضیوں اور مفتیوں اور مدرسوں اور آئمہ مساجد کے مشاہرے اور وظیفے اور تنخواہیں اپنی رائے سے ایسے مقرر کرے کہ اسراف اور بخل دونوں سے خالی ہوں اور وقت پر ادا کئے جائیں

(۱۲) و نائب گیرد در کارہا امناء عدول را و اہل نیک خواہی را۔

نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ امور سلطنت کے لئے جن عمال اور حکام کا تقرر کرے وہ امانت دار و دیانتدار اور عدل کردار ہوں اور سلطنت اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہوں تاکہ سلطنت ایسے لوگوں کے انتظام سپرد کرنے سے مضبوط ہو اور خیانت سے محفوظ رہے

(۱۳) و ہمیشہ در مشارفہ امور و تصفح احوال رعیت و افواج و امراء امصار و جیوش غزاۃ و قضات و غیر ایشاں مقید باشد تا خیانتے و حیلے درمیان نیاید

نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ خود رعایا اور فوج اور حکام اور امراء لشکر اور قاضیوں وغیرہ وغیرہ کے حالات کی پوری نگرانی اور خبرداری رکھے تاکہ سلطنت میں کسی قسم کی کوئی خیانت اور

ظلم نہ ہونے پائے جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خلفاء اسلام کے طرح امیر مملکت بازاروں اور راستوں میں چکر لگائے اور لوگوں کے حکام کے عدل و انصاف کے متعلق اور جور و ستم کے متعلق خود سوال کرے تاکہ اس کو حکام کا حال معلوم ہو اور ان سے باز پرس کر سکے اور عاجز مظلوموں کی مدد کرا سکے اور غمزدوں کے حالات معلوم کرے اور ان کی خدمت بجا لائے

(۱۴) و سپرن کارہائے مسلمین بکفار اصلا درست نیست حضرت عمر ازیں امر نہی شدید فرمود۔

اخرج شیخ الشیوخ العارف السہروردی قدس سرہ فی العوارف عن وثیق الرومی قال کنت مملو کالعمر فکان یقول لے اسلم فانک ان اسلمت استعنت بک علی امانۃ المسلمین فانہ لا ینبغی ان استعین علے امانتہم بمن لیس منہم قال فابیت فقال عمر لا اکراہ فی الدین فلما حضرت الوفاہ اعتقنی فقال اذھب حیث شئت ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۷

نیز بادشاہ اسلام کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کام اور کوئی عہدہ کسی کافر کے ہرگز سپرد نہ کرے حضرت عمر نے اس سے نہایت سخت ممانعت فرمائی ہے چنانچہ عارف سہروردی نے عوارف میں وثیق رومی (نصرانی) سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عمر کا غلام تھا پس حضرت عمر مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے وثیق تو اسلام قبول کر لے کیونکہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تجھ سے مسلمانوں کے کام مدد لوں گا اس لئے کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ مسلمانوں کے کاموں میں ایسے شخص سے مدد لوں جو مسلمانوں میں سے نہ ہو۔ وثیق کہتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا حضرت عمر نے فرمایا دین میں زبردستی نہیں پھر جب حضرت عمر کی وفات کا وقت آیا تو حضرت عمر نے مجھ کو آزاد کر دیا اور یہ فرمایا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلا جا

غرض یہ کہ بادشاہ اسلام کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ کافر کو کوئی وزارتی یا افسری یا کسی قسم کا کلیدی عہدہ اس کے سپرد کرے بلکہ کافروں سے مملکت کے سیاسی امور میں مشورہ لینا بھی جائز نہیں اور تمام متمدن حکومتوں کا یہی عمل ہے کہ وہ اپنی سلطنت کے کلیدی آسامیوں پر کبھی کسی مسلمان کو متمکن نہیں کرتے اور اگر کسی وقت کرتے ہیں تو وہ محض کوئی سیاسی چال ہوتی ہے اور اسلام چالاکیوں سے پاک ہے اب ہم اس بارہ میں فاروق اعظم اور ابو موسیٰ اشعری کا ایک مکالمہ نقل کرتے ہیں۔

(ابو موسیٰ اشعری) قلت العمران لی کاتبا نصرانیا (فاروق اعظم) مالک قاتلک اللہ اما سمعت اللہ یقول یایھا الذین آمنو لا تتخذو الیہود و النصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض الا اتخذت حنیفا۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے فاروق اعظم سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک نصرانی کاتب ملازم ہے

فاروق اعظم نے فرمایا اے ابو موسی تجھے کیا ہوا خدا تجھ کو ہلاک و برباد کرے کیا تو نے حق تعالی کا یہ حکم نہیں سنا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور معین و مدد گار نہ بناؤ تمام کافر آپسمیں ایک دوسرے کے دوست ہیں تمہارا کوئی دوست نہیں کسی مسلمان کو کیوں نہ ملازم رکھا

ابو موسیٰ یاامیر المومنین ان لی کتابت ولہ دینہ

عمر فاروق لا اکرمہم اذاھانہم اللہ ولا اعزھم اذاذلہم اللہ ولا ادینہم اذاقصاھم اللہ تعالیٰ

ابو موسیٰ نے عرض کیا اے امیر المومنین مجھ کو تو فقط اس کے حساب و کتاب سے مطلب ہے اس کا دین اس کے لئے ہے فاروق اعظم نے فرمایا خدا کی قسم میں ان لوگوں کا ہرگز اعزاز و اکرام نہ کرونگا جن کو خدا نے ذلیل اور حقیر قرار دیا اور ان لوگوں کو ہرگز اپنے قریب جگہ نہ دونگا جن کو اللہ تعالی نے دور رکھنے کا حکم دیا (اقتضاء الصراط المستقیم)

ایک اور روایت میں ہے کہ فاروق اعظم نے ابو موسیٰ کو اسپر زجر و توبیخ کی اور فرمایا

لا تدنہم وقد اقصاھم اللہ ولا تکرمہم وقد اھانہم اللہ ولا تامنہم وقد خونہم اللہ

کافروں کو اپنے قریب جگہ مت دو تحقیق اللہ تعالی نے ان کو دور رکھنے کا حکم دیا ہے ان کا اعزاز و اکرام نہ کرو اللہ تعالے نے ان کی اہانت کا حکم دیا ہے ان کو امین اور امانت دار نہ سمجھو اللہ تعالے نے ان کو خائن بتلایا ہے

وقال لا تستعملوا اھل الکتاب فانہم یستحلون الرشاء استعینو اعلے امور کم و علے رعیتکم بالذین یخشون اللہ دیکھو تفسیر قرطبی ج ۴\۱۷۹

اور یہ بھی فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ کو کوئی عہدہ نہ دو یہ لوگ مسلمانوں کے مقابلہ میں رشوت لینے کو حلال سمجھتے ہیں امور سلطنت اور امور رعیت میں ایسے ایسے لوگوں سے امداد لو جو خدا ترس ہوں

امام ابو بکر رازی احکام القرآن ج ۲ \ ۳ ۷ میں لکھتے ہیں

وقد روی عن عمرانہ بلغہ ان اباموسی استکتب رجلا من اھل الذمہ فکتب الیہ یعنفہ وتلا - یایھاالذین آمنوا لاتتخذوا بطانہ من دونکم الایتہ

ایک روایت میں ہے کہ فاروق اعظم کو یہ خبر پہنچی کہ ابو موسی نے ایک نصرانی کو اپنا کاتب مقرر کیا ہے فاروق اعظم نے اسی وقت ان کو ایک تنبیہی اور تہدیدی خط لکھا اور اس میں یہ آیت لکھی مسئلہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے ہم پوری آیت مع ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں

یا یھاالذین آمنو الا تتخذو ابطانہ من دونکم لا یالونکم خبالا و دو اماعنتم قدبدت البغضاء من افواھہم و ماتخفی صدورھم اکبر قد بینالکم الا یات ان

کنتم تعقلون ھاانتم اولاء تحبونہم ولا یحبونکم و تؤمنون بالکتاب کلہ و اذالقوکم قالو آمنا واذاخلو اعضوا علیکم الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور ان تمسسکم حسنۃ تسؤ ہم وان تصبکم سیئۃ یفرحوابہاوان تصبروا و تتقوا لایضرکم کیدہم شیئاان اللہ بمایعملون محیط۔

اے ایماوالو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا۔ وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتا دیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے سن لو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے تو کہہ مرو تم اپنے غصہ میں اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوں اس سے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے بیشک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فاروق اعظم کا وہ اثر (جو ہم نے نقل کیا ہے ذکر کر کے فرماتے ہیں

ففی ھذا الاثر مع ھذہ الایہ دلیل علے ان اھل الذمہ لایجوز استعمالہم فی الکتابہ التی فیہا استطالہ علے السلمین و اطلاع علے دواخل امورھم التی یخشیٰ ان یغشو ھاالی الاعداء من اھل الحرب ولہذا قال تعالی لا یالونکم خبالا و دواماعنتم۔تفسیر ابن کثیر ج۲\۲۷۴

فاروق اعظم کے اس قول میں مع آیت کریمہ اس امر پر دلیل ہے کہ اہل ذمہ کو ایسے تحریری کاموں پر ملازم رکھنا جائز نہیں جس کی وجہ سے اہل اسلام پر ان کی کسی قسم کی برتری لازم آتی ہو اور مسلمانوں کو داخلی امور پر مطلع ہونیکے بعد کفار اور دشمنان اسلام کی طرف جاسوسی کا خطرہ ہو لہذا غیر مسلم کو کسی خدمت پر مقرر کرنا ناجائز ہے اسی لئے اللہ تعالے فرماتے ہیں لا یالونکم خبالا۔ الخ

فاروق اعظم کے اس بصیرت افروز اور سیاست آموز مکالمہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ غیر مسلم کو ملازمت دینے کے لئے یہ عذر کہ ہم کو صرف ان کی خدمات درکار ہیں ان کی مذہب سے کوئی سروکار نہیں۔جی ہاں مگر اس کافر کو تو اپنے مذہب سے سروکار ہے اور تمہارے مذہب سے اس کو خصومت وپیکار ہے تم بے خبر اور غافل ہو اور وہ بڑا ہوشیار ہے اس کافر کو ہر وقت یہ فکر ہے کہ اس کی قوم عزیز اور سربلند ہو اور اسلام اور مسلمان ذلیل و خوار ہوں قال تبارک و تعالی ان الکافرین کانوالکم عدوامبینا۔روئے زمین کے کل کافر تمہارے لئے بمنزلہ ایک دشمن کے ہیں

(۱) قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم من ولی من امرالمسلمین شئیاثم ولی رجلا وھویجداصلح فی المسلمین فقد خان اللہ ورسولہ والمومنین (رواہ الحاکم)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کام کا ولی یا سرپرست بنایا جائے پھر وہ کسی شخص کو عہدہ سپرد کرے حالانکہ اس سے زیادہ صالح اور لائق آدمی مسلمانوں میں موجود ہو تو بیشک اس شخص نے خدا اور رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا (حاکم)

(۲) وقال امیرالمومنین عمر بن الخطاب من ولی من امرالمسلمین شیئافولی رجلا لمودہ اوقرابہ بینہما فقدخان اللہ ورسولہ و الؤمنین کذافی العقیدہ السفارینیۃ۔ ج۲\۴۰۷

امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہو اور وہ کسی شخص کو محض دوستی یا رشتہ داری کی بنا پر حاکم بنا دے تو اس نے بلا شبہ حق تعالے اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی (العقیدہ السفارینیہ ج ۲ \ ۴۰۷

(۳) عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تزال ھذہ الامہ بخیر ماذا قالت صدقت واذاحکمت عدلت و اذا استرحمت رحمت

حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ امت اس وقت تک خیر اور بھلائی پر قائم رہے گی جب تک کہ اس کا شعار یہ رہے گا کہ جب بات کرے تو سچ بولے اور جب فیصلہ کرے تو انصاف کرے اور جب اس سے رحم کی درخواست کی جائے تو رحم کرے

۴ وعن الحسن قال ان اللہ اخذ علی الحکام ثلا ثاان لا یتبعوا الھویٰ وان یخشوہ ولایخشوا الناس و ان لا یشتروا بآیاتی ثمناقلیلا ثم قرا یاد اودانا جعلناک خلیفہ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق و لاتتبع الھویٰ الخ و قال تعالے اناانزلناالتورات فیہا ھدی و نور یحکم بھاالنبیون الذین اسلموالیٰ قولہ تعالے فلا تخشو الناس واخشون و لا تشتروبآیاتی ثمنا قلیلا و من لم یحکم بماانزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ احکام القرآن۔ ج۲\۲۱۰

حضرت حسن سے مروی ہے کہ بلا شبہ حق تعالے نے حکام پر تین عہد لئے ہیں اول یہ کہ خواہش نفسانی کا اتباع نہ کریں دوسرے یہ کہ خدا تعالی سے ڈریں اور لوگوں سے نہ ڈریں تیسرے یہ کہ میری آیتوں کو دنیا کے مال و دولت کے بدلے نہ فروخت کریں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا پس آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش نفسانی کا اتباع نہ کریں۔ اور دوسری آیت کہ حق تعالے نے فرمایا بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت

اور نور ہے فیصلے فرماتے تھے اس سے انبیاء جو کہ اللہ کے فرمانبردار تھے۔
دوسری جگہ حق تعالے نے فرمایا پس نہ ڈرو تم لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ خریدو میری آیتوں کے بدلے دنیا کا قلیل مال۔ اور جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے ساتھ فیصلہ نہ کرے پس وہی لوگ کافر ہیں (احکام القرآن۔ ج ۲\۲۱۰

(۵) واخرج بن ابی شیبۃ عن علے ابن ابی طالب قال حق علے الامام ان یحکم بما انزال اللہ وان یؤدی الامانۃ فاذافعل ذالک کان حقا علے المسلمین ان یسمعوا ویطیعوا ویجیبوا اذادعوا واخرج ابن سعد والبیھقی عن انس بن مالک قال امرنا اکابرنا من اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم ان لانسب امراءنا ولا نغشہم ولا نعصیہم وان نتقی اللہ ونصبر فان الامر قریب۔ منثور۔ ج ۲\۱۷۸

ابن ابی شیبہ نے علی بن ابی طالب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ خدا تعالے کے اتارے ہوئے احکام کے ساتھ فیصلہ کرے اور امانت کو ادا کرے پس جب اس نے یہ کام کر لئے تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں اور جب اس کی طرف سے بلائے جائیں تو اس پر لبیک کہیں اور ابن سعد اور بیہقی نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے ہمارے اکابر یعنی صحابہ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے امیروں اور حاکموں کو برا بھلا نہ کہیں اور ان سے عداوت اور کینہ نہ رکھیں اور ان کی نافرمانی نہ کریں اور یہ کہ ہم تقویٰ اختیار کریں اور صبر کریں کیونکہ حق تعالے کی نصرت اور فیصلہ کا وقت قریب ہے۔ در منثور۔ ج ۲\۱۷۸

(۱) طریقہ انتخاب امیر

انتخاب امیر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اہل حل و عقد یعنی علماء اور صلحاء اور ملک کے امراء اور روساء اور سردار اور نامور لوگ اور عقلاء اور اہل الرائے جو اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیرخواہ بھی ہوں اپنے اتفاق اور رضامندی سے کسی کو اپنا امیر منتخب کریں تو وہ مسلمانوں کا امیر ہو جاتا ہے اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کی خلافت اور امارت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا اس لئے کہ عقلا یہ تو ناممکن ہے کہ ملک کے تمام مسلمان فرداً فرداً کسی شخص کے متعلق اپنی رائے دیں اس لئے شریعت نے اہل حل و عقد یعنی ملک کے عقلاء اور صلحاء اور علماء اور امراء کے اتفاق کو تمام ملک

حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۷ ج ۲ وازالۃ الخفاء

کے اتفاق کے قائم مقام قرار دیا اور موجودہ زمانہ میں جو انتخاب ہوتا ہے وہ عوام کی رائے سے ہوتا ہے یا کسی خاص جماعت کے ذریعہ ہوتا ہے جس میں کسی علمی اور اخلاقی فوقیت اور فضیلت کا لحاظ نہیں ہوتا اور اسلام میں امیر کا انتخاب ان لوگوں کی رائے سے ہوتا ہے جن کی فہم و فراست اور امانت و دیانت ملک میں معروف اور مسلم ہو اور ظاہر ہے کہ یہی طریقہ یا انتخاب عقل اور فطرت کے قریب ہے

دوسرا طریقہ، انتخاب کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسا امیر مملکت جس کی امانت اور دیانت اور خیر خواہی لوگوں میں مسلم ہو وہ اپنی صواب دید سے کسی کو نامزد کر دے جیسے حضرت ابو بکر نے وفات کے وقت فاروق اعظم کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا اور عمر بن الخطاب کو نامزد کرنے سے پہلے صدیق اکبر نے اکابر صحابہ سے مشورہ بھی کر لیا تھا جیسا کہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس کی تفصیل کی ہے

تیسرا طریقہ، انتخاب کا ایک طریقہ شوریٰ ہے یعنی امیر مملکت امارت اور صدارت کو کسی معین جماعت میں دائر کر دے کہ جو امارت اور حکومت کی اہل ہو اور یہ کہدے کہ اس جماعت میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیا جائے جیسے حضرت عمر نے وفات کے وقت چھ آدمیوں کی ایک مجلس بنا دی جن کے نام حسب ذیل ہیں

حضرت عثمان حضرت علی حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبد الرحمان بن عوف اور یہ وصیت کر دی کہ ان چھ آدمیوں سے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر لینا۔ حضرت عثمان کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا اور حضرت عثمان کے بعد حضرت علی خلافت کے لئے متعین ہو گئے اور نیز اہل حل و عقد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی مدینہ منورہ میں اس وقت جس قدر مہاجرین اور انصار تھے ان سب نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی گویا کہ حضرت علی کی خلافت کا انعقاد دو طریقہ سے ہوا ایک شوریٰ کے طریقہ سے اور ایک اہل حل و عقد کے اتفاق سے

چوتھا طریقہ، انعقاد امارت کا چوتھا طریقہ استیلاء یعنی غلبہ اور تسلط ہے یعنی بغیر اہل حل عقد کے بیعت کے یا بغیر کسی بادشاہ یا بغیر مجلس شوریٰ کے انتخاب کے امیر بن جائے اور تالیف قلوب یا اپنی شوکت اور ہیبت سے یا کسی حیلہ اور تدبیر سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لے تو یہ شخص بھی مسلمانوں کا امیر ہو جائے گا ایسے امیر کی اطاعت بھی مسلمانوں پر واجب ہے اور اس کے ان احکام کی تعمیل واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں

علما اور رؤساء اور امراء لشکر اور ملک کے نامور اہل الرائے کو اہل حل و عقد کہتے ہیں اس لئے کہ حل کے معنی کھولنے کے ہیں اور عقد کے معنی باندھنے اور گرہ لگانے کے ہیں ملک کے مہم امور کی گرہ ایسے ہی لوگوں کے کھولنے سے کھلتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لگانے سے لگتی ہے۔ اس لئے ان کو اہل حل و عقد کہتے ہیں۔

حتی الوسع ایسے امیر کو معزول نہ کیا جائے اصلاح کی کوشش کی جائے معزول کرنے میں سخت فتنہ اور فساد ہو گا مسلمانوں کی بہت سی جانیں تلف ہوں گی اور آئندہ کے متعلق یقین نہیں کہ کیا انجام ہو گا یہ بھی احتمال ہے کہ اس فتنہ اور فساد میں ایسا شخص غالب آجائے جو اس سے بھی زیادہ بد تر ہو امیر کے معزول کرنے کے بعد کی مصلحت موہوم اور محتمل ہے اور فتنہ اور فساد اور خونریزی یقینی ہے اور موہوم اور محتمل مصلحت کی وجہ سے یقینی فتنہ اور فساد کا دروازہ کھولنا خلاف عقل ہے

عبدالملک بن مروان اور خلفاء عباسیہ کے خلاف کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا اس زمانہ کے تمام علماء اور صلحاء نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے مظالم پر صبر کیا اور خلاف شرع امور پر ان کو نصیحت کی مگر مسلمانوں کو ان سے بغاوت کرنے کی اجازت نہیں دی

امیر مملکت کی حیثیت

مسلمانوں کے امیر کی حیثیت ایک مربی اور سرپرست کی ہے کہ قانون شریعت کے ماتحت رعایا کی نگرانی اور تربیت کرے خود بھی قانون شریعت کا پابند ہو اور اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھے کہ مسلمانوں کو حدود شریعت سے باہر نہ نکلنے دے امیر مملکت مسلمانوں کا سردار بھی ہے اور ان کا خدمت گذار بھی سید القوم خادمہم امیر مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ قانون شریعت کو ملک میں جاری اور نافذ کرے اور اپنی قوت و شوکت سے کسی کو حدود شریعت سے باہر نہ نکلنے دے جس طرح حدود شریعت میں رہ کر امیر کو سب کچھ اختیار ہے اس طرح ہر کس و ناکس کو اس پر نکتہ چینی کا پورا حق ہے اس لئے کہ امیر مملکت امین ہے جس کے پاس سلطنت اور اس کے تمام خزائن اور اموال اور تمام عہدے اس کے ہاتھ میں بطور امانت ہیں جن کا مالک اور مختار نہیں بلکہ قانون شریعت کے مطابق جو ان امانتوں کے اہل اور مستحق ہیں ان تک پہنچانا فرض ہے کماقال تعالے ان اللہ یامرکم ان تو دوا الامانات الی اھلہا۔ آیت میں امانات سے تمام حقوق واجبہ مراد ہیں خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں امیر پر اس تمام امانت کی حفاظت واجب ہے ذرہ برابر اس میں خیانت جائز نہیں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو خطبہ دیا اور یہ فرمایا

ایہاالناس انہ لا کتاب بعد القرآن و لا نبی بعد محمد صلے اللہ علیہ وسلم الا وانی لست بقاض ولکنی منفذ ولست بمبتدع ولکنی متبع ولست بخیر کم من احد کم ولکنی اثقلکم حملا وان الرحل الہارب من الامام الظالم لیس بظالم الا لا طاعۃ لمخلوق فے معصیۃ الخالق کذافی نظام الحکم۔ ۱۶

اے لوگو قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آگاہ ہو جاؤ کہ تحقیق میں حاکم نہیں کہ جو چاہوں تمہیں حکم دوں و لیکن میں تو احکام شریعت کا نافذ اور جاری

کرنے والا ہوں اور میں بدعتی نہیں ولیکن متبع شریعت ہوں اور میں تم میں سے کسی سے بہتر نہیں ولیکن میں تم سے بوجھ میں بڑھکر ہوں کہ میرے کاندھوں پر حکومت کا بوجھ ہے اور جو شخص ظالم امیر کی اطاعت سے بھاگے وہ ظالم نہیں آگاہ ہو جاؤ کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کا کلام ختم ہوا

سلطان صلاح الدین ایوبی جو اپنی حکمرانی میں خلفاء راشدین اور عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلتا تھا ایک مرتبہ اس کے مقرب مصاحب نے اس سے کسی کی شکایت کی تو یہ جواب دیا کہ میں خود کچھ نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کا قاضی موجود ہے اور قانون شریعت سب کے لئے عام ہے جو عام اور خاص سب پر جاری ہوتا ہے جزایں نیست میری حیثیت تو صرف اتنی ہے کہ میں شریعت کا سنتری اور غلام ہوں تم قاضی کی عدالت کی طرف رجوع کرو جو حق ہو گا وہ فیصلہ کر دے گا

معلوم ہوا کہ اسلامی مملکت کا دستور اور قانون شریعت اسلامیہ ہے عام مسلمانوں کی طرح امیر مملکت بھی اس کا پابند ہے امیر مملکت کو یہ اختیار نہیں کہ قانون شریعت کو معطل کر دے قانون شریعت کو معطل کر دینا ازروئے شرع کفر ہے

امیر سلطنت کی اطاعت اور نصرت واعانت

امام ابوالحسن ماوردی فرماتے ہیں کہ جب امیر سلطنت حقوق مذکورہ بالا کو بجالائے تو امت پر اس کی اطاعت اور نصرت واجب ہے جب تک امیر مملکت کی حالت تغیر نہ آئے مثلاً خدا انخواستہ اگر اس کے اخلاق و اعمال کھلم کھلا شریعت کے خلاف ہو جائیں یا اس کے اعضا اور جوارح میں ایسا نقص پیدا ہو جائے کہ جو مانع امارت ہو مثلاً مجنوں اور پاگل ہو جائے یا نابینا ہو جائے تو اس قسم کے امور سے اس کی امارت باطل ہو جاتی ہے دیکھو الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۷

ازروئے قرآن و حدیث بادشاہ اسلام پر فرض ہے کہ وہ قانون شریعت کا احترام کرے اور بندگان خدا میں عدل اور انصاف جاری کرے اور خلق خدا پر شفقت کرے اور مسلمانوں میں احکام اسلام جاری کرے اور اسلام اور مسلمانوں کی کافروں سے حفاظت کرے ایسے بادشاہ اور امیر کی اطاعت اور جان و مال سے مدد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے نہیں تو نہیں۔

امیر سلطنت کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے کہ جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کا مطیع اور فرمانبردار اور قانون شریعت کا پابند رہے اور اندرون ملک عدل و انصاف کو قائم رکھے اور حدود سلطنت کی کافروں سے حفاظت کرے قال تعالے

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعا بصیرا

تحقیق اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہونچا دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے کرو تحقیق اللہ تم کو کیا ہی اچھی نصیحت کرتا ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اور حدیث میں ہے لاطاعہ لمخلوق فی معصیۃ الخالق خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں اور صدیق اکبر فرمایا کرتے تھے اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ فلا طاعۃ لی علیکم

اے لوگو تم اس وقت تک میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اور جب خدا کی نافرمانی کرنے لگوں تو میری اطاعت نہیں۔

فاروق اعظم بھی اسی طرح کہا کرتے تھے اے مسلمانوں تم میں سے جو شخص مجھ میں کجی دیکھے وہ مجھے سیدھا کر دے یہ سن کر ایک بدوی بولا ہاں اگر ہم تجھ میں کجی دیکھیں گے تو اپنی تلواروں سے تیرے سارے بل نکال دیں گے۔

اس مقام پر حضرت فقہاء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر مملکت خواہ عادل ہو یا ظالم ہو مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہے اور اس سے بغاوت حرام ہے جب تک کہ وہ خلاف شرع کا تم کو حکم نہ دے اور اگر امیر سلطنت ضروریات دین اور قطعیات اسلام کا انکار کرنے لگے اور صریح کفر پر اتر آئے تو اس کا مقابلہ اعلےٰ ترین جہاد ہے۔ اور اگر بادشاہ اسلام محض ظالم ہے تو حتی الوسع صبر کریں اور نرمی کے ساتھ اس کو نصیحت کریں اور نصیحت سے مقصود ان کی اصلاح اور خیر خواہی ہو تذلیل مقصود نہ ہو جہاں تک ممکن ہو نصیحت خلوت اور تنہائی میں ہو تاکہ ملک میں فتنہ اور فساد نہ اٹھے اور حکومت ذلیل اور خوار نہ ہو حکومت کا جب رعب اٹھ جاتا ہے تو چور اور قزاق اور مفسد اور رہزن ہر طرف سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ملک کا امن خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

حکایت بعض سلاطین بنی امیہ نے ایک تابعی سے کہا کیا اللہ تاعلی نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم نہیں دیا تو اس تابعی نے نہایت لطیف جواب دیا کہ جب تم اللہ کی اطاعت اور حق کی اتباع سے منحرف ہو گئے تو اللہ تعالی نے تمہارا حق الطاعت سلب کر لیا۔ فتح الباری۔ ج ۱۲ \ ۹۹

مدت حکومت شریعت اسلامی نے حکومت و ریاست کی کوئی مدت معین نہیں کی جب تک امیر مملکت صحیح طریقہ پر قانون شریعت کا پابند رہے اور ملک کا نظم و نسق قانون شریعت کے ماتحت چلاتا رہے اس وقت تک وہ امیر رہے گا اور اسی وقت تک رعایا پر اس کی اطاعت واجب رہے گی اور جب امیر سلطنت قانون شریعت کی حدود سے خروج کرے تو فی الفور اس کی معزولی واجب ہو گی اور اس پر سکوت ناجائز اور حرام ہو گا نظام اسلام۔ ص ۲۴ و ۲۶

غرض یہ کہ شریعت نے امارت اور صدارت کی کوئی مدت معین نہیں کی البتہ اس کی کیفیت معین

کر دی ہے کہ جب تک امیر سلطنت اس صفت اور کیفیت پر ہے تو اس کی صدارت اور امارت رہے گی اور اگر اس کیفیت سے منحرف ہو جائے تو اس کی صدارت و امارت قابل منسوخی ہوگی اور ایک دن کے لئے بھی وہ امیر اور صدر نہیں رہ سکتا۔

امیر مملکت کے اختیارات آئین شریعت کے تحت امیر کو تمام ملک کے اختیارات حاصل ہیں وزراء اور ولات (گورنروں) اور حکام کا تقرر اور ان کا عزل و نصب سب اس کے اختیار میں ہے مگر دستور شریعت سے کلاً یا جزاءً انحراف کسی طرح جائز نہیں یعنی صدر مملکت اور ارکان دولت کو یہ اختیار نہیں کہ کہ شریعت کے کسی حکم کو بدل ڈالیں یا آئین شریعت کو بالکل معطل کر دیں صدر مملکت کو وزراء اور صوبہ کے گورنروں کے عزل و نصب کا اختیار ہے مگر آئین شریعت میں کسی تغیر اور تبدل کا اختیار نہیں۔

خلفا راشدین کو کلی اختیارات حاصل تھے مگر ہر شخص کو مسجد میں فاروق اعظم جیسے عادل فرمانبردار پر تنقید اور باز پرس کا بھی حق حاصل تھا کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا اور یہ حکم کیوں دیا خلفاء راشدین نمازیوں کی تنقید اور تبصرہ سے آزاد نہ تھے خلفاء راشدین کو اگرچہ مسلمانوں کی طرف سے وسیع اختیارات حاصل تھے مگر چونکہ وہ خدا کے مقبول اور برگزیدہ بندے تھے اس لئے انہوں نے اپنے اختیارات کو کبھی غلط استعمال نہیں کیا امریکہ کا صدر عوام کے دوٹوں سے منتخب ہوتا ہے مگر آئین کے معطل کرنے کا اس کو اختیار نہیں بلکہ امریکہ کی مجلس شوریٰ کو یہ اختیار ہے کہ وہ صدر کی نااہلی اور غداری اور بد دیانتی کی تحقیق کے لئے کوئی کمیٹی مقرر کر دے اور وہ کمیٹی صدر پر مقدمہ چلائے صدر مملکت کو شرعاً یہ اختیار ہے کہ محکموں کے لئے وزراء اور حکام مقرر کرے مگر شرط یہ ہے کہ وہ اس منصب کے لائق اور اہل ہوں اور سمجھدار اور امانتدار دیانتدار اور تجربہ کار اور اسلام اور اسلامی حکومت کے وفادار ہوں خود غرض اور مکار اور غدار اور پارٹی باز نہ ہوں امیر مملکت کو عقلاء اور شرعاً یہ اختیار نہیں کہ محض اپنی رائے سے بلا لحاظ اہلیت و قابلیت کسی کو وزیر یا گورنر بنائے۔

قال اللہ تعالیٰ یاداود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق والاتتبع الھویٰ۔

صدارتی نظام ۔ معلوم ہوا کہ آج کل حکومت کے جو مختلف طریقے مروج ہیں ان میں سے صدارتی نظام شریعت اسلامیہ کے اصول کے زیادہ قریب ہے جس میں ذمہ داری امیر مملکت پر ہوتی ہے اور پارلیمانی نظام میں تمام ذمہ داری مجلس شوریٰ پر ہوتی ہے اور صدر مملکت محض ایک نمائشی چیز ہوتا ہے اقتدار اور اختیار کل کا کل پارلیمان کا ہوتا ہے اور صدارتی نظام اسلامی سے قریب اس وقت ہے کہ جب صدر مملکت حسب ارشاد خداوندی و لاتتبع الھوے نفسانی خواہش اور خود غرضی

اور جنبہ داری سے پاک ہو اور قانون شریعت کا پیرو اور پابند ہو تو پھر کسی خرابی کا اندیشہ نہیں۔

موانع امارت ۔ جو چیزیں امیر مملکت بننے سے مانع ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) فقدان عقل اور فقدان بصارت یہ دونوں چیزیں مانع امامت و امارت ہیں فاقد العقل اور فاقد البصر کی امارت منعقد نہیں ہو سکتی انعقاد امارت کے لئے صحت حواس اور سلامت اعضاء شرط ہے البتہ فقدان اعضاء میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر فقدان اعضا اس قسم کا ہو جو عمل میں بالکل حارج ہوں جیسے دونوں ہاتھوں یا دونوں پیروں کا نہ ہونا جو نقل و حرکت میں حارج ہو تو ایسی صورت میں امارت منعقد نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ایک ہاتھ یا ایک پیر نہ ہو یا ناک کٹا ہوا ہو یا کان نہ ہو تو ایسی صورت میں انعقاد امارت کسی درجہ میں ممکن ہے بحالت مجبوری اسے برداشت کیا جا سکتا ہے ورنہ دراصل شرائط امارت میں سے یہ امر ہے کہ امیر مملکت سلیم الاعضاء ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کا امیر عیب اور بد نمائی سے پاک ہوتا کہ اس پر کوئی اعتراض اور نکتہ چینی نہ کر سکے کیوں کہ ان خرابیوں کی وجہ سے رعب و داب میں فرق پڑ جاتا ہے اور لوگ اس کی اطاعت سے متنفر ہو جاتے ہیں نیز ایسے ناقص الاعضاء کو امیر بنانے سے تمام مسلمانوں کی ذلت اور اہانت ہے۔

امیر مملکت کی معزولی اور علیحدگی ۔ امیر مملکت کے تقرر یا تسلط کے بعد اس کی معزولی اور علیحدگی کی حسب ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) مثلاً امیر مملکت معاذاللہ دین اسلام سے مرتد ہو جائے۔ (۲) یا اس کو جنون ہو جائے۔ (۳) یا دشمنوں کے ہاتھ اسیر ہو جائے کہ اب رہائی کی امید نہ رہے۔ (۴) یا اس کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے وہ سلطنت کے فرائض انجام نہ دے سکے مثلاً گونگا یا اندھا یا بہرہ ہو جائے یا غلبہ نسیان کا ہو جائے کہ کوئی بات اسے یاد نہ رہے۔ (۵) یا وہ خود حکومت سے دست بردار ہو جائے جیسے امام حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی اصلاح اور خیر خواہی کے خیال سے حضرت معاویہ کے حق خلافت سے دستبردار ہو گئے اور اگر امیر سلطنت فسق و فجور و ظلم و ستم میں مبتلا ہو جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ محض ذاتی فسق و فجور اور ظلم کی وجہ سے وہ معزول تو نہیں ہو جاتا ہے لیکن مستحق معزولی بالاتفاق ہو جاتا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ اسے معزول کریں۔ بشرطیکہ اسے عزل سے کوئی بڑا فتنہ لازم نہ آتا ہو جس سے مسلمانوں کو یا اسلام کو ضرر پہنچے۔

جس جماعت نے اس کو امیر سلطنت مقرر کیا تھا اس کے ذمہ اس کا معزول کرنا بھی واجب اور فرض ہے دیکھو ردالمختار۔ ج ۳ \ ۳۴۰

جب مسلمانوں کے احوال مختل ہو جائیں اور امور دینی میں ضعف یا نقص یا اختلال پیدا ہو تو جن اہل حل و عقد نے اس کو امیر مقرر کیا تھا انہیں پر اس کا معزول کرنا واجب ہے امیر مملکت جب

احکام شریعت سے منحرف ہو جائے تو فی الفور اس کا معزول کرنا فرض ہے امیر کی اطاعت اسی وقت تک واجب ہے جب تک وہ خدا تعالیٰ کا مطیع رہے حدیث میں ہے لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق شریعت میں امیر مملکت کا ظلم تو کسی درجہ میں برداشت کیا جا سکتا ہے مگر کفر کسی حال میں برداشت نہیں کیا جا سکتا جس طرح تمام متمدن حکومتوں میں یہ قانون ہے کہ صدر مملکت قانون حکومت اور دستور سلطنت کا پابند ہے اس کی خلاف ورزی اس کے لئے جائز نہیں اسی طرح اسلامی حکومت کے امیر کے لئے قانون شریعت کی پابندی لازمی ہے۔

جو صدر مملکت قانون حکومت کی بالادستی کو تسلیم نہ کرے اور سلطنت کے دستور اور قانون کو واجب العمل نہ سمجھے تو وہ قانوناً لائق معزولی ہے اسی طرح اسلامی حکومت کا فرمانروا اگر قانون شریعت کو واجب الاتباع نہ سمجھے تو وہ شرعاً لائق معزولی ہے۔

فسق ۔ اور اگر امیر مملکت مرتد تو نہیں ہوا لیکن فسق وفجور میں اور معاصی میں مبتلا ہے سو وہ معاصی اگر اس کی ذات تک محدود ہوں تو شرعاً اس کے تحمل کی گنجائش ہے اور اگر وہ ان معاصی کا علی الاعلان مرتکب ہو اور دوسروں کو بھی قولاً یا عملاً ان کے ارتکاب پر آمادہ کرتا ہو تو یہ بھی قریب کفر اور ارتداد ہی کے ہے ایسے امیر کا بھی مسلمانوں پر معزول کرنا فرض اور واجب ہے ایسی حالت ناقابل تحمل ہے اس لئے کہ معاصی کا علے الاعلان ارتکاب دین اسلام کے منہدم کرنے اور اس کی بے آبرو بنانے کے مترادف ہے۔

اور اگر اس کا معزول کرنا ناممکن ہو تو جائز امور میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور خلاف شرع امور میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی اللہ اور اس کے رسول کا حکم اور حق امیر مملکت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

منصب وزارت بشر کے لئے اعلیٰ ترین منصب نبوت و رسالت ہے اور اس کے بعد اور بادشاہت ہے اور اس کے بعد وزارت ہے کما قال تعالیٰ

واذقال موسیٰ لقومہ یاقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا۔

اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے قوم اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے اور تم کو بادشاہ بنایا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت کے بعد بادشاہت کا درجہ ہے اور امارت کے بعد درجہ وزارت کا ہے حق جل شانہ نے قرآن کریم میں موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ذکر فرمائی۔

واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری

کے نسبحک کثیرا و نذ کرک کثیانک کنت بنابصیرا

اے اللہ میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیجئے ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر دیجئے۔ اور ان کو میرے کام میں شریک کر دیجئے۔ تاکہ ہم دونوں ملکر کثرت سے آپ کی تسبیح پڑھیں اور آپ کا ذکر بھی کثرت سے کریں بے شک آپ ہمارے احوال کو بخوبی دیکھنے والے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے باوجود نبی ہونے کی خدا تعالیٰ سے ایک وزیر کی درخواست کی تو امیر مملکت کے لئے وزیر کی ضرورت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جانے گی اس لئے کہ نبی بذریعہ وحی اور الہام کے وزیر سے مستغنی ہو سکتا ہے مگر بادشاہ اور امیر تو وزیر سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ پس جب نبوت میں وزارت کا جواز ثابت ہو گیا تو بادشاہت کے لئے وزارت کا جواز بدرجہ اولے ثابت ہو جانے گا وزیر کا لفظ وزراہ سے مشتق ہے جس کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں وزیر چونکہ سلطنت کا بوجھ اپنے شانوں پر اٹھاتا ہے اس لئے وزیر کو وزیر کہتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ التسلیم نے فرمایا

ان لی وزیرین فے السماء جبریل میکائیل و وزیرین فے الارض ابو کرو عمر

تحقیق میرے لئے دو وزیر آسمان میں ہیں جبریل اور میکائیل اور میرے دو وزیر زمین میں ہیں ابوبکر و عمر۔

ابوبکر و عمر آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر باتدبیر تھے اور حذیفہ بن الیمان آپ کے صاحب سر یعنی راز دار تھے اور زید بن ثابت آپ کے ترجمان تھے کہ غیر قوموں کی جو تحریریں آئیں ان کا ترجمہ کرتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دینی اور دنیوی اور سیاسی اور ملکی امور میں ابوبکر و عمر سے مشورہ فرمایا کرتے تھے اور مسند احمد میں ہے کہ آیت وشاورھم فی الامر۔ ابوبکر و عمر کے بارہ میں نازل ہوئی۔

اور آنحضرت صلے اللہ کے بعد جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو حضرت عمر اور ابوعبیدہ ان کے وزیر خاص تھے اور حضرت عمر کے وزیر حضرت عثمان اور حضرت علی تھے اور حضرت عثمان کے وزیر و مشیر حضرت علی تھے امور سلطنت میں ان سے مشورہ کر کے کام کرتے ابوعبیدہ صدیق اکبر کے عہد خلافت میں وزیر خزانہ تھے اور حضرت عمر عدلیہ اور محکمہ قضاء کے رئیس تھے پس جب نبوت میں وزارت جائز ہے تو امارت اور حکومت میں بدرجہ اولیٰ جائز ہو گی۔

حق جل شانہ کے اس ارشاد اشدد بہ ازری و شرکہ فی امری سے صاف ظاہر ہے کہ وزیر کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ وہ سلطنت اور حکومت کا بوجھ اٹھانے میں امیر کا معین اور مددگار ہو اور تدبیر مملکت میں اس کا شریک اور اخیر میں یہ فرمایا کی نسبحک کثیرا و نذ کرک کثیرا اشارہ اس طرف

ہے کہ امیر اور وزیر دونوں تسبیح خوان ہوں اور خدا کی عظمت اور جلال ہر وقت ان کے پیش نظر ہو۔

وزیر اور حکام کی مثال

وزیر امیر کے ساتھ بمنزلہ سمع اور بصر یعنی بمنزلہ آنکھ اور کان کے ہوتا ہے اور ولاۃ اور حکام بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہوتے ہیں۔

وزارت کی ضرورت

رئیس مملکت تنہا حکومت کے فرائض انجام نہیں دے سکتا اور پورے ملک کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کے ساتھ ایسے افراد نہ ہوں کہ جو انتظام مملکت میں اس کی مدد کر سکیں امیر مملکت بقدر ضرورت جس قدر مناسب سمجھے وزیر مقرر کرے ضرورت کے کم و بیش ہونے کے وجہ سے وزراء میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

صفات وزیر۔

چونکہ وزیر کا درجہ امیر کے بعد ہوتا ہے اس لئے وزارت کے لئے تقریباً انہی صفات کی ضرورت ہے کہ جو صفات امارت کے لئے ضروری ہیں نیز بسا اوقات امیر کی عدم موجودگی میں وزیر ہی فرائض سلطنت انجام دیتا ہے اس لئے وزارت کے لئے یہ شرط ہے کہ امیر مملکت جیسی صفات کا حامل اور علمبردار ہو۔

(۱) عاقل اور دانا ہو جیسے امیر مملکت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عقل کا بھی امیر ہو یعنی عقل میں وہ نمبر اول ہو اسی طرح وزیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ملک میں شاہ عقل کے لحاظ سے نمبر دوم ہو۔

(۲) امور رعیت سے باخبر ہو اور انتظامی اور مالی اور جنگی امور سے بخوبی آگہ ہو کیونکہ بعض مرتبہ یہ کام خود وزیر کو کرنا پڑتے ہیں اور بعض مرتبہ دوسروں سے ان کاموں کو کرانا پڑتا ہے تو جب تک وہ خود ان کاموں سے باخبر نہ ہو گا تب تک نہ وہ خود ان امور کو انجام دے سکے گا اور نہ کسی اہل لائق کا اس جگہ تقرر کر سکے گا اور نہ اس کام کی جانچ پڑتال اور دیکھ بھال کر سکے گا۔

(۳) صاحب امانت اور دیانت ہو یوسف علیہ السلام نے جب عزیز مصر سے وزارت کی درخواست کی تو فرمایا۔

اجعلنی علے خزائن الارض انی حفیظ علیم

مجھ کو زمین کے خزانوں پر وزیر مقرر کر دیجئے تحقیق میں خوب نگہبان اور خبردار ہوں۔

دیکھو الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۲۶ اور دیکھو الاحکام السلطانیہ للقاضی ابی یعلی ص ۱۵ یہ تمام مضمون انہی دونوں کتابوں سے لیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ لالچی اور رشوت خوار نہ ہو کیونکہ لالچی اور رشوت خوار کسی ایک جانب کی ضرور جانب داری کرتا ہے۔

(۴) صادق اللسان ہو۔ رعایا سے جو کہتا ہو وہ سچ کہتا ہو۔ جھوٹ نہ بولتا ہو رعایا کے ساتھ مکرو فریب نہ کرتا ہو اور لوگوں کو دھوکا دیتا ہو وزیر کے لئے صادق اللسان ہونا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس پر ملک آج کل کے اکثر وزراء میں یہ صفت مقصود ہے وہ رعایا سے سچ نہیں بولتے گول مول باتیں کرتے ہیں اور اس کا نام ہوشیاری رکھتے ہیں یہ ہوشیاری نہیں بلکہ عیاری ہے۔

(۵) عدل اور انصاف کے ساتھ رعایا پر احسان اور ترحم کا جذبہ بھی اس کے دل میں موجود ہو۔ کماقال تعالےٰ ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان تحقیق اللہ تعالیٰ نے عدل کے ساتھ احسان کا حکم دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نرم دل ہو اور بے رحم اور سنگ دل نہ ہو کہ رعایا چیخا کرے اور بلبلایا کرے مگر اس کے دل پر کچھ اثر نہ ہو رعایا کے ساتھ بھائیوں جیسا معاملہ کرے۔ دشمنوں جیسا معاملہ نہ کرے جیسے آج کل بہت سے بے رحم حاکم ذرا ذرا سی بات میں اپنے بھائیوں پر گولی چلا دینے کا حکم دے دیتے ہیں۔

(۶) اس میں اور رعایا میں کوئی بغض اور عداوت قائم نہ ہو کیونکہ عداوت عدل اور انصاف سے روکتی ہے۔

(۷) مدبر اور تجربہ کار ہو تاکہ صحیح رائے قائم کر سکے۔

(۸) حکومت کا خیر خواہ اور اسرار سلطنت کا امین اور راز دار ہو۔

(۹) مرد ہو تاکہ ہر شخص بے تکلف خلوت و جلوت میں امیر مملکت سے مل سکے اور ہر فرد رعیت سے ملاقات کر سکے اور ملک کے ہر حال کا اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر سکے اور امیر تک اس کو پہنچا سکے نیز وزارت کے لئے قوت اور عزائم اور ثبات کی ضرورت ہے جس سے عورتیں عاجز ہیں نیز وزیر کو بہت سے امور کی انجام دہی کے لئے علانیہ باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے جس کی عورت کو شرعاً ممانعت ہے اور طبعی غیرت بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اور بے غیرت سے ہمارا خطاب نہیں نیز عورت کو حمل اور ولادت کے عوارض بھی لاحق ہوتے ہیں ایسی حالت میں عورت کی دفتر وزارت میں حاضری مضحکہ خیز اور موجب ندامت ہے نیز عورت کی ساخت باجماع حکماء و فلاسفہ و اطباء مرکز شہوت و نفسانیت ہے پس اگر عورت کو وزیر بنا دیا جائے تو وہ دفتر۔ دفتر وزارت نہ رہے گا بلکہ دفتر شہوت و نفسانیت ہو گا غرض یہ کہ منصب وزارت پر شرعاً کوئی عورت فائز نہیں ہو سکتی۔

(دہم) یہ کہ وہ وزیر عاشق مزاج اور شوقین طبع نہ ہو گانے اور بجانے اور کھیل و تماشوں کا شیدائی نہ ہو کیونکہ کسی شئے کی محبت اور شوقینی عقل کو معطل کر دیتی ہے۔ حدیث میں ہے حبک الشئی یعمی و

یعم شی کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔
تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ جو شخص گانے بجانے کا شائق ہو اور مطربہ اور رقاصہ کے لئے رقص و سرود کی مجلس منعقد کرتا ہو وہ لائق امارت وزارت نہیں۔

فتلک عشرہ کاملہ

پس یہ دس وجہ پوری ہوئیں

غرض یہ کہ منصب وزارت کے لئے یہ دس شرائط ہیں وزراء اور ارکان سلطنت میں اگر یہ اوصاف موجود ہوئے تو سلطنت کا انتظام مستحکم ہو گا اور اگر ان شرائط اور صفات میں کمی ہو گی تو اسی نسبت سے انتظام سلطنت میں خلل واقع ہو گا جس درجہ کی کمی ہو گی اسی درجہ سلطنت میں ابتری اور بدحالی ہو گی۔
وزارت کے متعلق جس قدر شرائط اور صفات کا بیان ہوا یہ سب امام ابوالحسن ماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ سے ماخوذ ہے۔

ف ۔ بادشاہ کو وزراء سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں غیر معلوم شئی کا علم ہو جاتا ہے اور معلوم شئی کے علم میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اور انتخاب وزراء سے بادشہ کی عقل کا امتحان ہو جاتا ہے بادشاہ اگر زیرک اور دانا ہے تو وزارت کے لئے ملک کے عقلاء ہی کا انتخاب کرے گا کند ہم جنس با ہم جنس پرواز جس سلطنت کے وزیر عاقل اور دانا نہ ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ بادشاہ بھی عقل سے بے بہرہ ہے سراج الملوک ص ۱۶ کسی حکیم کا قول ہے کہ ہوائے نفسانی عقل کے لئے آفت اور مصیبت ہے اور وزیر کی کم عقلی امیر مملکت کے لئے آفت اور مصیبت ہے۔ سراج الملوک ۶۲

وزیر اور سفیر میں فرق

وزیر وہ ہے کہ جس کو بادشاہ مشورہ میں شریک کرے اور اگر اس کو مشورہ میں شریک نہیں کیا جاتا تو اسکو سفیر کہا جائیگا کہ وہ محض ایک واسطہ اور بطہ کے درجہ میں ہے

تقرر وزراء کے متعلق خلیفہ مامون رشید کا ایک زرین فرمان

حکی ان المامون کتب فی اختیار وزیر۔ انی التمست لاموری رجلا جامعا لخصال الخیر ذاعفۃ فی خلائقہ واستقامۃ فی طرائقہ قد هذبتہ الاداب واحکمتہ التجارب ان اوتمن علی الاسرار قام بہا وان قلد مہمات الامور نہض فیہا یسکتہ الحلم وینطقہ العلم وتکفیہ اللمحظۃ وتغنیہ اللمحۃ لہ صولۃ

الامراء واناة الحکماء وتواضع العلماء وفہم الفقہاء ان احسن الیہ شکروان ابتلی بالاساءہ صبر لایبیع نصیب یومہ بحرمان غدہ یسترق قلوب الرجال بخلابہ لسانہ وحسن بیانہ وقد جمع بعض الشعراء ہذہ الاوصاف فاوجزہا ووصف بعض وزراء الدولہ العباسیۃ بہا فقال من الوافر۔

(بدیہتہ وفکرتہ سواء)

(اذا اشبہت علے الناس الامور)

(واحزم مایکون الدہر یوما)

(اذا اعیا المشاور والمشیر)

حکایت کی جاتی ہے کہ خلیفہ ماموں رشید نے تقرر وزراء کے متعلق ایک فرمان جاری کیا جس میں یہ لکھا کہ میں اپنی حکومت کے امور کیلئے ایک ایسا وزیر چاہتا ہوں کہ جو خیر کی خصلتوں کا جامع ہو (۱) اخلاق وعادات میں عفیف ہو (۲) وضع دار ہو اپنے طریقہ اور وضع پر مستقیم اور کاربند ہو (۳) آداب نے اسکو مہذب بنادیا ہو (۴) اور تجربوں نے اسکو مستحکم اور پختہ کردیا ہو آرزو نے علم (۵) اور بردباری اس کو خاموش کرتی ہو (۶) اور علم و حکمت اسے گویائی پر آمادہ کرتا ہو یعنی اس کے سکوت سے حلم اور اسکی گفتگو سے علم نمایاں ہو (۷) صرف آنکھ کے اشارے سے وہ بات کو سمجھتا ہو (۸) اور ایک لمحہ کی مدت ہی اسکو حقیقت حال کے سمجھنے کیلئے کافی ہو (مطلب یہ ہے کہ جس نے پانچ یا دس سال کے بعد صدہا پیشیوں کے بعد کسی مقدمہ کا فیصلہ کیا تو وہ غبی ہے صدہا پیشیوں کے بعد اس پر حقیقت واضح ہوئی یا چالاک ہے کہ جان بوجھ کر مقدمہ کو طول دیا۔ اور غبی اور چالاک لائق وزارت نہیں (۹) اس میں امراء کا دبدبہ ہو (۱۰) اور حکماء کا سا وقار ہو (۱۱) اور علماء جیسی تواضع ہو (۱۲) اور فقہاء کی سی سمجھ ہو کہ عمق اور گہرائی تک پہنچتا ہو فقط الفاظ کے ظاہری سطح پر اسکی نظر مقصود نہ ہو (۱۳) اگر اس پر احسان کیا جائے تو وہ ممنون ہو (۱۴) اور اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو صبر اور تحمل کرے (۱۵) وہ آج کے فائدہ کے پیش نظر اپنے آپ کو مستقبل کے فوائد سے محروم نہ کرے (۱۶) وہ اپنے چرب زبانی اور فصاحت لسانی اور حسن بیانی سے دلوں کو اپنا غلام بنائے

وصدر فیہ للہم اتساع۔ اذا ضاقت من الہم الصدور۔ کذا فے الباب الثانی فے تقلید الوزارہ من الاحکام السلطانیہ للماوردی۔ صفہ ۲۲۔

وکذا فی الاحکام السلطانیہ للقاضی ابے یعلے۔ صفہ ۱۳۔

ترجمہ۔ کسی شاعر نے دولت عباسیہ کی کسی وزیر کی مدح میں یہ شعر کہا ہے۔ وہ وزیر اسقدر سمجھدار ہے کہ کسی کام کا سوچ کر کرنا اور بغیر سوچے کرنا اسکے نزدیک برابر ہے جبکہ لوگوں پر امور مشتبہ ہو جائیں اور حقیقت کو نہ پہونچ سکیں۔ اور وہ اسوقت غایت درجہ محتاط اور دوراندیش ہوتا ہے جبکہ مشورہ لینے

والا اور مشورہ دینے والا دونوں عاجز ہو گئے ہوں اور اسکا سینہ اسقدر کشادہ ہے کہ وہ ہر قسم کے ہم اور غم کو برداشت کرتا ہے جبکہ اوروں کے سینے اسکی برداشت نہ کر سکیں۔

ولاہ یعنی گورنروں اور اولی الامر یعنی حکام کا تقرر

امیر مملکت کا ایک فریضہ یہ ہے کہ صوبوں اور شہروں میں صوبہ داروں اور حکام کا تقرر کرے۔ ایک اقلیم اور ایک شہر میں ولاہ یعنی گورنروں اور صوبہ داروں اور دیگر حکام کا تقرر اور تعین عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں روایات سے ثابت ہے۔ اس صوبہ کا تمام نظم و نسق اور وہاں کے باشندوں کے جان و مال کی حفاظت جزیہ اور خراج کی وصولی اور دین اسلام کا تحفظ کہ کوئی بے دین اس میں تغیر و تبدل نہ کر سکے یہ اس صوبہ کے والی کا فریضہ ہے۔ حتی کہ اس شہر کے نماز جمعہ اور نماز عیدین اور پنجوقتہ نماز پڑھانا بھی اسکی ذمہ تھی کہ گورنر خود نماز پڑھائے یا کسی کو نائب مقرر کرے اور مسلمانوں کیلئے دینی تعلیم کا انتظام کرے اور عدالتوں کی نگرانی رکھے کہ کوئی فیصلہ خلاف شریعت صادر نہ ہو سکے۔ (دیکھو الاحکام السلطانیہ۔ صفحہ ۳۰ الی صفحہ ۳۴)

مصاحبین اور ہمنشین۔

بادشاہ کو چاہئے کہ اہل علم اور اہل عقل اور اہل ادب اور ذی رائے اور تجربہ کاروں کو اپنا مصاحب اور

ہمنشین بنائے اور بوڑھے تجربہ کاروں کی رائے کو نوجوان کی رائے سے بہتر سمجھے۔

اسلامی حکومت کے اولی الامر یعنی حکام صرف مسلمان ہی ہو سکتے ہیں۔

یاایہاالذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

ترجمہ۔ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی اور اطاعت کرو ان حکام کی جو تم میں سے ہوں یعنی مسلمان ہوں

لہذا کوئی غیر مسلم اسلامی سلطنت میں کسی محکمہ کا حاکم نہیں ہو سکتا اور نہ مجلس شوریٰ کا رکن ہو سکتا ہے۔ مغربی قوموں کا عمل بھی اسی اصول پر ہے کہ حکومت کی کلیدی آسامیوں پر اغیار کو متمکن نہیں ہونے دیتے۔ اسلئے ضروری ہوا کہ پاکستان کے آئین اور دستور میں یہ دفعہ ہونی چاہئے کہ پاکستان کے اولی الامر (حکام) صرف مسلمان مقرر کئے جائیں۔ خاصکر کسی مرتد اور کسی مدعی نبوت کے پیرو کار کا تقرر تو کسی حال میں جائز نہیں اسلئے کہ ازروئے قرآن و حدیث اور ازروئے اجماع صحابہ اسلامی حکومت

کے ذمہ مرتدین اور مدعیان نبوت اور انکے پیرواں کا قتل فرض اور واجب ہے ۔ اور شرعاً جنکا قتل واجب ہو اور اسکو زندہ چھوڑنا ناجائز ہے لہذا اسکو اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔

مجلس شوریٰ

امیر مملکت کیلئے یہ ضروری ہے کہ ایک مجلس شوریٰ قائم کرے تاکہ کارخانہ حکومت خیرو خوبی اور خوش اسلوبی سے چل سکے اسلئے کہ تمدن کا دارومدار باہمی تعاون اور تناصر پر ہے اور سب سے بڑا تعاون رائے اور مشورہ کا ہے۔

قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور میں مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے کہ جسکے بارہ میں کوئی حکم خداوندی نازل نہ ہوا ہو حالانکہ نبی اور رسول کو بوجہ نور نبوت اور نور وحی اور نور حکمت کسی کے مشورہ کی ضرورت نہیں مگر بایںہمہ امور غیر منصوصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مشورہ کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ امور غیر منصوصہ میں مشورہ سنت لازمہ ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں صحابہ کبار سے عموماً اور ابوبکر و عمر سے خصوصاً ان امور میں مشورہ فرمایا کرتے تھے کہ جسکے بارہ میں کتاب اللہ میں کوئی نص یا بذریعہ وحی کے کوئی حکم موجود نہ ہو اور یہی اکابر صحابہ آپکی مجلس شوریٰ تھی۔ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کی بھی یہی سنت رہی

فقد روی عن علی قال قلت یا رسول اللّٰہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر و لا نہی فماتامرنی قال تشاوروا العلماء والعابدین و لا تمضوا فیہ رای خاصۃ رواہ الطبرانی فے الاوسط و رجالہ موثقون من اہل الصحیح لذافی الزوائد۔

حضرت علی سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جسمیں شریعت کی اجازت یا ممانعت وارد نہ ہوئی ہو تو آپ ہمکو کیا حکم دیتے ہیں تو حضور پر نور نے ارشاد فرمایا کہ علماء اور عبادت گذاروں سے مشورہ کر لیا کرنا اور کسی خاص شخص کی رائے کو نافذ نہ کرنا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا اور اسکے رواہ کی توثیق اور تعدیل کی گئی ہے۔

اور کتب سیرہ میں مذکور ہے۔

وقال سیدنا ابوبکر فے خطبتہ یوم السقیفہ للانصار فنحن الامراء وانتم الوزراء فلا تفتاتون بمشورہ و لا تقضی دونکم الامور و کان ابوبکر اذا دھمہ امر جمع اہل الرائی واستشارھم و کذلک کان یفعل عمر۔

ابوبکر صدیق نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو انصار کے سامنے خطبہ دیا تو اس میں یہ فرمایا اے گروہ انصار۔ ہم گروہ مہاجرین امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو۔ تمہارے بغیر مشورہ اور رائے کے امور

ملے نہ کئے جائیں گے اور ابو بکر صدیق کی یہ عادت مستمرہ تھی کہ جب انکو کوئی مہم امر پیش آتا تو اہل الرائے کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ کرتے اور اسی طرح حضرت عمر کیا کرتے تھے۔

اور صدیق اکبر کے متعلق ایک روایت میں اس طرح مذکور ہے۔

وان اعیاہ ذلک دعا رؤس المسلمین و علماء ھم فاستشارھم فاذا اجتمع رایھم علے الامر قضی بہ وعن عمر بن الخطاب انہ کان یفعل ذلک فان اعیاہ ولم یجد فی القرآن او السنہ نظر ھل کان لابی بکر فیہ قضاء فان وجد ابابکر قد قضی فیہ بقضاء قضی بہ والا دعا رؤس المسلمین و علماء ھم واستشار ھم فاذا اجتمعوا علے امر قضی بینھم - رواہ الدرامی

اگر صدیق اکبر کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا اور کتاب وسنت میں اسکا حکم نہ ملتا تو آپ مسلمانوں کے سرداروں اور علماء کو بلاکر مشورہ کرتے اور جب سب کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو اسی کے موافق فیصلہ فرما دیتے اور حضرت عمر کا عمل بھی اسیطرح تھا کہ اگر کوئی دشوار امر انکو پیش آیا اور کتاب و سنت میں اسکا حکم نہ ملا تو صدیق اکبر کے فیصلوں کو تلاش کرتے اگر صدیق اکبر کا کوئی فیصلہ مل جاتا تو اسکے موافق فیصلہ فرما دیتے ورنہ مسلمانوں کے سرداروں اور عالموں کو بلاتے، اور ان سے مشورہ کرتے پس جب وہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو اسی کے موافق فیصلہ فرما دیتے (رواہ الدارمی

صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے اس طرز عمل سے اجماع اور اتفاق کی بنیاد ڈالی اور قاضی شریح کے نام ایک فرمان جاری کیا جو کتب حدیث میں مذکور ہے۔ دیکھو نظام الحکم فی الاسلام ص ۱۰ و فتح الباری کتاب الاحکام۔

قالت یاایھا الملا افتونی فے امری ما کنت قاطعۃ امراحتے تشھدون۔

اور قرآن کریم میں ملکہ سبا کے قصہ میں بلقیس نے کہا اے دربار والو میرے کام میں مجھے مشورہ دو میں کسی امر کا اسوقت تک فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم حاضر نہ ہو جاؤ۔

یعنی میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدون تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی قتادہ سے منقول ہے کہ بلقیس کے تین سو تیرہ مرد مشیر تھے۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۰۰ ج ۱۳ سورہ نمل۔ معلوم ہوا کہ مشورہ قدیم سنت ہے۔

ملکہ سبا کی حکومت اگرچہ شخصی تھی مگر بدون اہل الرائے کے مشورہ کے کوئی فیصلہ نہیں ہوتا تھا۔

مشورہ کی تعریف

لفظ مشورہ اور لفظ شوریٰ عربی زبان میں شرت العسل شورا سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھتہ

میں سے شہد نکالنے کے ہیں گویا مجلس شوریٰ بمنزلہ شہد کے چھتہ کہ ہے جس سے مقصود ایسی عمدہ رائے کا معلوم کرنا ہے کہ جو بمنزلہ شہد کے ہو اور جس طرح شہد شفاء امراض میں کام دیتا ہے اسیطرح یہ عمدہ رائے بھی ہلکات اور مشکلات سے نجات دیتی ہے اور تردد اور اضطراب اور پریشانی اور پشیمانی سے عافیت بخشتی ہے۔

شیخ عارف باللہ ابو بکر طرطوشی مالکی لکھتے ہیں کہ نظام سلطنت کا دارومدار تین خصلتوں پر ہے (اول لین و ترک فظاظت یعنی نرمی اور ملاطفت (دوم) مشاورت (سوم) یہ کہ ایسے شخص کو عہدہ اور منصب نہ دیا جائے جو اس کا طالب اور اسمیں راغب ہو۔ یہ تین خصلتیں سلطنت کی بنیاد اور جڑ ہیں۔ پہلی دو باتوں کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے فبما رحمہ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوامن حولک فاعف عنہم واستغفر لہم وشاورھم فے الامر۔ کیونکہ درشتی اور سختی موجب نفرت ہے اور مشورہ منبع خیرات و برکات ہے۔ اور تیسری خصلت کا ذکر حدیث میں ہے۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھ کو فلاں علاقہ کا عامل اور حاکم بنا دیجئیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس شخص کو عامل اور والی مقرر نہیں کرتے جو اسکا طلبگار ہو (بخاری و مسلم)

وجہ اسکی یہ ہے کہ عہدہ کی طلب اور رغبت اسکی حرص اور طمع پر دلالت کرتی ہے اور منصب ایک امانت ہے جو حریص اور طامع کو سپرد نہیں کیجاسکتی حریص اور طامع سے خیانت کا اندیشہ ہے (سراج الملوک ص ۴۴)

مشورہ کا فائدہ

مشورہ کا فائدہ یہ ہے کہ مسئلہ کے تمام پہلو مفید اور مضر روشن ہو کر سب کے سامنے آجائیں اور بعد میں کسی ایک جانب کو علے بصیرہ متعین کر لیا جائے اور اسی ایک جانب کی تعین کا نام عزم ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

وشاورھم فے الامر فاذاعزمت فتوکل علے اللہ ان اللہ یحب المتوکلین۔ آپ صحابہ سے امور مہمہ میں مشورہ کریں لیکن جب کسی ایک جانب کا پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئیے اللہ توکل کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ نے عزم کے بعد توکل کا حکم اسلئے دیا کہ لوگ اسباب اور تدبیر کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں اس لئے کہ مشورہ بھی ایک قسم کی تدبیر اور ایک قسم کا سبب ہے شریعت نے نہ تو بالکل ترک اسباب (یعنی ترک مشورہ) کا حکم دیا اور نہ بالکلیہ اسباب اور تدابیر یعنی مشورہ پر بھروسہ اور اعتماد کا حکم دیا ہے کہ بلکہ وشاورھم فی الامر کے ساتھ توکل کا بھی حکم دیا ہے فاذا عزمت

فتوکل علے اللہ یہ اسلامی تعلیم ہے جو بالکل صحیح ہے جس پر مسلمانوں کو ناز ہے کہ نہ تو اسباب ظاہرہ کو بے کار سمجھتے ہیں اور نہ اسباب ظاہری کو مؤثر حقیقی اور منجی سمجھتے ہیں وخیر الامور اوسطہا، کسی حکیم اور دانا کا قول ہے۔

من حق العاقل ان یضیف الے رایہ آراء العقلاء ویجمع الے عقلہ عقول الحکماء فان الرائے الفذ ربمازل والعقل الفرد ربماضل۔

عاقل اور دانا کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ دوسرے عقلا کی رایوں کو بھی ملائے اور اپنی عقل کے ساتھ حکماء کی عقلوں کو بھی جمع کرے کیونکہ تنہا رائے بسا اوقات لغزش کھا جاتی ہے اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ ہو جاتی ہے۔ ادب الدنیا والدین ص ۲۶۰

آدمی کتنا ہی صاحب فراست کیوں نہ ہو مگر بہرحال اسکی عقل محدود ہے تمام حالات اور احتمالات کا احاطہ تقریباً ناممکن ہے۔ مشورہ کے بعد اگر غلطی بھی ہوتی تو اول تو عقلاء کی تمام جماعت سے خطا کا صدور بعید از عقل ہے دوم یہ کہ اسکو ندامت نہ ہوگی بلکہ ساری جماعت کی ہمدردی اس کے ساتھ ہوگی۔

وصف رجل عضد الدولہ فقال لہ وجہ فیہ الف عین و فہم الف لسان وصدر فیہ الف قلب

ایک شخص نے عضد الدولہ کی تعریف میں کہا کہ اس کا ایک چہرہ ہے مگر اسمیں ہزار آنکھیں ہیں اور اسکا ایک منہ ہے جسمیں ہزار زبانیں ہیں اور اس کا ایک سینہ ہے جسمیں ہزار دل ہیں۔

یعنی وہ ایک آنکھ سے نہیں دیکھتا اور نہ ایک زبان سے بولتا ہے اور نہ ایک دل سے سوچتا ہے بلکہ ہزار آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ہزار زبانوں سے بولتا ہے اور ایک ہزار دلوں سے سوچتا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار عقلاء سے مشورہ کرتا ہے ہر عقل بمنزلہ چراغ اور قندیل ہے اور ظاہر ہے کہ ایک چراغ کی روشنی تھوڑی ہوتی ہے اور جب بہت سے چراغ مل جائینگے تو روشنی دور تک پہنچ جائیگی اور اطراف وجوانب کی چھوٹی بڑی چیزیں نظر آجائینگی۔ حدیث میں ہے۔ المشورہ حصن من الندامہ وامان من الملامہ مشورہ۔ ندامت اور پشیمانی سے محفوظ رہنے کا ایک قلعہ ہے اور لوگوں کی ملامت سے امن ہے۔

نیز ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا لقحوا عقولکم بالمذاکرہ واستعینوا علے امورکم بالمشاورہ یعنی اپنی عقلوں کو باہمی مذاکرہ سے بارآور اور ثمر دار بناؤ امور مبہمہ اور مشکلات میں باہمی مشاورت سے مدد لو نیز ایک حدیث میں ہے من اعجب برایہ ضل ومن استغنی بعقلہ زل۔ جس شخص نے اپنی رائے پر ناز کیا وہ گمراہ ہوا اور جو شخص اپنی عقل سے دوسری عقلوں سے بے نیاز ہوا اسنے ٹھوکر کھائی اور حدیث میں ہے

ماخاب من استخار ولاندم من استشار جسنے حق تعالی سے استخارہ کیا وہ ناکام نہیں ہوا۔ اور جس نے مشورہ کر کے کام کیا وہ شرمندہ اور نادم نہیں ہوا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

نعم الموازرہ المشاورہ و بئس الاستبداد

الا باہمی مشورہ بہترین باہمی امداد ہے اور استبداد یعنی خودرآئی بدترین عادت ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں۔

ماتشاور قوم قط الاھدوا الارشدھم ثم تلا وامرھم شوریٰ بینھم

جو قوم مشورہ کرتی ہے تو اسکو بہترین بات کی ہدایت ہوتی ہے اور اسکی تائید کیلئے یہ آیت تلاوت فرمائی وامرھم شوریٰ بینھم۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں اور اس سے پہلی آیتوں میں مؤمنین کی مدح فرمائی اور انکے اوصاف بیان کئے اور منجملہ اوصاف یہ وصف بیان کیا کہ وہ اپنے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں اور خود آرائی سے کام نہیں لیتے۔

قابل مشورہ کون سے امور ہیں

قابل مشورہ وہ امور ہیں کہ جنمیں شریعت یا عقل یا تجربہ کے لحاظ سے نفع اور ضرر کی جہت متعین نہ ہو۔ جہت متعین کرنے کیلئے مشورہ کیا جاتا ہے اور جن امور میں شریعت نے کوئی جہت متعین کر دی ہو ان میں مشورہ جائز نہیں۔ جیسا کہ حضرت علی کی حدیث ص ۵۸ پر گذر چکی ہے۔

ارکان شوریٰ کے اوصاف

ارکان شوریٰ کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان میں اہلیت مشورہ کی موجود ہو اور اہلیت کیلئے حسب ذیل اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) عقل کامل رکھتا ہو۔ ناقص العقل سے مشورہ کرنا باتفاق عقلاء حماقت ہے۔

عن ابی ھریرہ مرفوعا استرشدوا العاقل ترشدوا ولا تعصوہ فتندموا رواہ الخطیب فی رواہ مالک ادب الدنیا والدین ص۔۲۶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عاقل سے مشورہ کر کے سیدھی راہ تلاش کرو۔ اس طرح سے تم کو سیدھی راہ نظر آئیگی عاقل اور دانشمند کے خلاف مت کرو پچھتاؤ گے۔

(۲) تجربہ کار ہو۔ تجربہ سے عقل مکمل ہو جاتی ہے۔ کسی حکیم کا قول ہے۔

کل شی یحتاج الی العقل والعقل یحتاج الے التجارب ولذلک قیل الایام تھتک لک من الاستار الکامنہ۔

ادب الدنیا والدین ص ۲۶۱

ہر چیز عقل کی محتاج ہے اور عقل تجربونکی محتاج ہے اسوجہ سے کہا گیا ہے کہ زمانہ کے تجربے پوشیدہ امور سے پردے اٹھادیتے ہیں۔

(۳) مشورہ دینے والا مسلمان ہو۔ غیر مسلم مسلم کی خیر خواہی نہیں کر سکتا۔ اسلئے شوریٰ کیلئے مسلمان کا انتخاب ازبس ضروری ہے۔

(۴) حکومت اور عامہ مخلوق کا خیر خواہ اور ہمدرد ہو اسلئے کہ مشورہ میں مشورہ لینے والے کی خیر خواہی کو ملحوظ نہ رکھنا دنایت اور کمینہ پن ہے اور کمینہ آدمی قابل مشورہ نہیں

(۵) امین اور دیانتدار ہو یعنی خائن اور خود غرض نہ ہو اپنی غرض کو ملحوظ رکھ کر مشورہ نہ دے خود غرض کا مشورہ لائق اعتماد نہیں۔

(۶) بلکہ خود غرضی کا واہمہ بھی نہ ہو اسی وجہ سے شریعت نے باپ کی شہادت کو اولاد کے حق میں اور اولاد کی شہادت کو باپ کے حق معتبر قرار نہیں دیا اور زوجین کی شہادت کو ایک دوسرے کے حق میں معتبر نہیں مانا اسلئے کہ اغراض اور منافع باہم مشترک ہیں باپ کا نفع بیٹے کا نفع ہے اور یہ شہادت خود غرضی کے شبہ اور شائبہ سے خالی نہیں۔

(۷) عالم اور دیندار اور متقی اور پرہیزگار ہو جو شخص علم سے عاری ہو اور اس کے دل میں خوف خدا نہ ہو اس سے صحیح مشورہ کی توقع نادانی ہے۔ ادب الدنیا الدین ص ۲۶۱

(۸) مشورہ دینے والا مرد ہو عورت نہ ہو۔ بلکہ حکماء نے کہا ہے کہ جو شخص عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھتا ہے اس سے بھی مشورہ نہ لینا چاہئے ایسا شخص ظاہراً اگرچہ مرد ہے مگر مزاج اس کا زنانہ ہے۔ کسی حکیم کا قول ہے۔

لا تشاور الا الحازم غیر الحسود واللبیب غیر الحقود وایاک ومشاورہ النساء فان رایھن الے الافن وعزمھن الی الوھن ادب الدنیا والدین ص ۲۶۱

ایسے محتاط اور صاحب حزم سے مشورہ کر جو حاسد نہ ہو اور ایسے دانشمند سے مشورہ کر جو کینہ ور نہ ہو اور عورتوں کے مشورہ سے قطعاً پرہیز کرنا کیونکہ انکی رائے کا میلان فساد اور بربادی کی طرف ہوتا ہے اور انکا عزم سستی کی طرف ہوتا ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

اذا کان امراء کم خیار کم واغنیاء کم اسخیاء کم وامر کم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا واذا کان امراء کم شرار کم واغنیاء کم بخلاء کم

وامورکم الی نساء کم فبطن الارض خیرلکم من ظهرها
(رواه الترمذی)

جب تمہارے حاکم اور امیر تم میں کے بہتر اور پسندیدہ لوگ ہوں اور تمہارے مال دار لوگ سخی اور کریم ہوں اور تمہارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہوں تو پھر زمین کے اوپر رہنا اسکے اندر دفن ہونے سے بہتر ہے اور جب معاملہ برعکس ہوجائے کہ تمہارے امیر اور حاکم بدترین اور شریر ہوں اور مال دار بخیل اور کنجوس ہوں اور تمہارا معاملہ تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہو تو پھر زمین میں دفن ہوجانا زمین پر زندہ رہنے سے بہتر ہے (ترمذی شریف) نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا۔

لایفعلن احد کم امراحتے یستشیر فان لم یجد من یستشیر فلیستشر الامراء ثم لیخالفها فان فی خلافها البرکہ رواہ الدیلمی عن انس فیض القدیر ص ۳۵۶ ج ٦

آدمی کوئی کام بغیر مشورہ کے نہ کرے اور اگر مشورہ کیلئے کوئی نہ ملے تو کسی عورت سے مشورہ کرے پھر اسکے خلاف کرے اسکے خلاف میں خیر و برکت ہے اس حدیث کو ابن عدی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

عارف رومی قدس اللہ سرہ السامی (جنکو ڈاکٹر اقبال اپنا پیرو مرشد اور اپنے کو انکا مرید ہندی بتلاتے ہیں) وہ یہ فرماتے ہیں۔

شاورو هن پس انگہ خالفوا ان من لم یعصهن تالف

ترجمہ) پہلے عورتوں سے مشورہ کرو پھر اس مشورہ کے خلاف کرو کیونکہ جو شخص عورتوں کے خلاف نہ کرے گا وہ تباہ ہوجائے گا مثنوی دفتر اول ص ۲۶۵۔

جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ عورتوں کے خلاف کرو ان کے خلاف میں برکت ہے کیونکہ عورتیں سراپا نفس ہیں اور عقل صواب اندیش اور دور اندیش سے وہ دور ہیں اس لئے ان کی مخالفت موجب خیر و برکت ہوئی عورتوں کی بے عقلی اور بے تدبیری اور عدم مآل اندیشی اور ان کی حرص و طمع اور جلد بازی اور بدگمانی اور بدزبانی حکماء عالم کے نزدیک مسلم اور ضرب المثل ہے ایسی جنس سے مشورہ کرنے کی عقل اجازت نہیں دیتی۔ حدیث میں ہے کہ طاعۃ النساء ندامۃ رواہ ابن عساکر یعنی عورتوں کی اطاعت اور اُن کے کہنے پر چلنا موجب ندامت اور باعث شرمساری ہے اور ایک روایت میں ہے کہ طاعۃ المرأۃ ندامۃ رواہ ابن عدی دیکھو فیض القدیر للشیخ عبدالرؤف المناوی ص ۲۶۲ ج ۴ اور معجم طبرانی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هلکت الرجال حین اطاعت النساء مرد جب عورتوں کے کہنے پر چلنے لگیں گے تو ہلاک ہوجائیں گے۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس

اس حدیث کی اسناد حسن ہے فیض القدیر ص ۳۵۶ ج ۶
کیونکہ عورتوں کی عقل اور دین کا ناقص ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت اور ناقص العقل کی اطاعت عقلا نقصان عقل کی دلیل ہے۔ اکثر سلطنتوں کی تباہی اور خرابی عورتوں کی اطاعت کے باعث ہی ہوئی ہے اس بناء پر حضرت عمر فرمایا کرتے تھے خالفوا النساء فان فی خلافھن البرکۃ "عورتوں کے خلاف کرو کیونکہ عورتوں کی مخالفت میں برکت ہے۔ دیکھو فیض القدیر للشیخ عبد الرؤف المناوی ص ۲۶۳ ج ۴۔
حکماء اور عقلاء اور ادباء نے عورتوں کے نقصان عقل اور ان کے دیگر نقائص اور خصائص پر مستقل کتابیں لکھی ہیں پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل کے نصاب میں دیوان حماسہ داخل نصاب ہے جو اب سے تقریباً ایک ہزار سال قبل کی تالیف ہے اس کتاب کا آخری باب باب مذمۃ النساء ہے اس کو پڑھ لیا جائے اس باب میں عورتوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

نصیحت

خلیفہ عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں لا تخلون بامرأۃ و ان اقرأتها القرآن عورت سے خلوت اور تنہائی ہر گز نہ کر اگرچہ تنہائی میں تو اس کو قرآن پڑھائے۔ مستطرف ص ۸۹ ج ا
شریعت میں غیر عورت کو قرآن پڑھانا سننا قطعاً حرام ہے البتہ اپنی بیوی کو قرآن پڑھانا اور اس کا قرآن سننا جائز ہے اور شریعت میں با جماع امت عورت کو اذان دینا نا جائز ہے پس جب عورت کی اذان نا جائز ہوئی تو جلسہ میں اس کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی۔
امام رازی نے تصریح کی ہے کہ عورتیں بہت سے احکام شرعیہ میں مردوں کے تابع کی گئی ہیں براہ راست ان سے خطاب نہیں کیا تبعاً وہ احکام میں شامل کی گئی ہیں اس عمل کا راز یہی ہے کہ عورتیں خود مختار نہیں بلکہ ان کے اختیار کی باگ مردوں کے ہاتھ میں ہے البتہ عبادات میں عورتیں خود مختار ہیں اس لئے عبادات کا اختیار ہر شخص کو علیحدہ ہوتا ہے۔
(۹) مشورہ دینے والا ایسا شخص ہونا چاہئیے کہ اس کا دل و دماغ ہجوم افکار کی وجہ سے پریشان اور پراگندہ نہ ہو ایسا شخص باوجود کامل اور تدین اور تقویٰ اور ہمدردی کے صحیح مشورہ دینے سے قاصر اور عاجز رہتا ہے جو خود پریشان اور پراگندہ دل ہے وہ دوسرے کی راہنمائی کیا کرے گا
(۱۰) ارکان شوریٰ میں باہم تنافس اور تحاسد نہ ہو اس لئے کہ حسد اور تنافس کی صورت میں ایک

شیخ عبد الرؤف مناوی کہتے ہیں طاعۃ المراۃ لنقصان عقلها و دينها الناقص لا ينبغي طاعتها الا فيما امنت فاللتہ وہان امرہ فان اکثر مایفسد الملک والدول طاعۃ النسا ولهذا قال عمر فيما رواه العسكری خالفوا النساء فان فی خلافهن البركۃ داما ما اشتهر على الالسنۃ من خبر شاورهن و خالفوهن فلا اصل لہ کذا فی فیض القدیر۔ ص ۲۶۳ ج ۴

دوسرے کی رائے قبول نہ کرے گا اور مشاورت کا نتیجہ سوائے منازعت اور منافرت کے کچھ نہ ہو گا۔
یہ دس اوصاف ہیں جن کے ساتھ موصوف ہونے سے آدمی مشورہ کا اہل ہو جاتا ہے۔

مشیر کے فرائض اور آداب

(۱) مشیر کا پہلے فرض یہ ہے کہ اگر اس کو مشورہ کے لئے بلایا جائے تو سب سے پہلے اپنے اندر غور کرے کہ مجھ میں اہلیت مشورہ کے ہیں یا نہیں یعنی اوصاف مذکورہ اس میں پائے جاتے ہیں یا نہیں اگر وہ اوصاف اپنے میں نہ پائے تو اس امانت کے تحمل سے فوراً انکار کر دے اور خواہ مخواہ دوسروں پر بوجھ نہ بنے راحت اور عزت اسی میں ہے کہ جس چیز کا اہل نہیں اس میں دخل نہ دے۔

(۲) مستشیر کی خیر خواہی اور اخلاص میں دقیقہ نہ اٹھا رکھے جس نے اپنے معاملہ کا دارو مدار آپ کی رائے اور مشورہ پر رکھا ہے صدق نیت کے ساتھ اس کو مشورہ دینا چاہیے یہ بڑی ہی دناءت اور کمینہ پن ہے کہ مشورہ میں اس کی خیر خواہی کو نظر انداز کرے اور یہ صریح ظلم ہے کہ ایک شخص تم پر اعتماد کر کے مشورہ طلب کرتا ہے اور تم اس کو غلط مشورہ دے کر اس کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہو۔ حدیث میں ہے المستشار مؤمن۔ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے اور امین کے لئے امانت میں خیانت جائز نہیں۔

(۳) جس امر میں اس سے مشورہ لیا جائے اس کو کھول کر صاف اور واضح بیان کرے گول مول نہ کہے کما قال تعالیٰ فاصدع بما تؤمر۔

(۴) جس طرح مجلس مشاورت میں اپنی رائے کا اظہار آزادی کے ساتھ ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے ارکان شوریٰ کے رائے اور ان کے دلائل کو بغور سنے اور ان کی طرف پوری توجہ کرے عجب نہیں کہ دوسری رائے اس کی رائے سے بہتر ہو اور دل میں یہ پختہ نیت رکھے کہ جس کی زبان سے حق ظاہر ہو گا اس کو قبول کروں گا اور اسی کا اتباع کروں گا عزت حق کی اتباع میں ہے سخن پروری میں عزت نہیں۔

آداب مجلس کے خلاف ہے کہ دوسرا شخص اپنی رائے پیش کرے اور یہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو خود اپنے اوپر قیاس کرو کہ اگر تم گفتگو کرو اور دوسرا تمہاری طرف متوجہ نہ ہو تو تم پر کیا گزرتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لجلیسی علی ثلاث ان ارمقہ بطرفی اذا اقبل واوسع لہ اذا جلس واصغی الیہ اذا احدث مستطرف ص ۱۰۹ ج ۱۔

ہمنشین کی لئے مجھ پر تین حق ہیں ایک یہ کہ جب وہ میری طرف متوجہ ہو تو میں اپنی نگاہ اس کی طرف کروں دوسرے یہ کہ جب وہ بیٹھے تو اس کے لئے جگہ چھوڑ دوں تیسرے یہ کہ جب وہ گفتگو کرے تو

میں اس کی طرف کان لگاؤں مستطرف ص ۱۰۹ ج ۱
اور حق جل شانہ نے مؤمنین کی مدح میں اس وصف کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے
الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ
جو لوگ بات کو توجہ سے سنتے ہیں پھر اس میں سے جو بات بہتر ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے ہیں۔
۵ ۔ مجلس شوریٰ میں اپنے رائے کے اظہار میں پیشقدمی نہ کرے بلکہ اپنے سے زیادہ عاقلوں اور تجربہ کاروں کو موقع دے تاکہ ان کی رائے سن کر بہتر رائے قائم کرنے کا موقع مل جائے ۔ اظہار رائے میں عجلت کا انجام سوائے ندامت و خجالت یا رائے کی کمزوری ظاہر ہونے کے کچھ نہیں ۔ ابن ھبیرہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی لاتکونن اول مشیر ہیں توسب سے پہلے مشورہ دینے والا نہ بن۔

مجلس شوریٰ کا قیام

یہ تو ثابت ہو گیا کہ امیر مملکت کے لئے ایک مجلس شوریٰ کا ہونا ضروری ہے کہ جن کے مشورہ سے حکومت کا کارخانہ چلے لیکن مجلس شوریٰ کے قیام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ رائے عامہ سے ممبر منتخب کئے جائیں بلکہ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ امیر مملکت ملک کے چیدہ افراد کو اپنی نظر میں رکھے اور جب ضرورت پڑے بلا کر ان سے مشورہ کرلے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں ابو بکر و عمر سے مشورہ فرماتے ۔ اور خلفاء راشدین کا طریقہ یہ رہا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو اکابر مہاجرین اور اکابر انصار کو بلا کر مشورہ فرماتے ۔ خلفاء راشدین کے دور حکومت میں الیکشن کے ذریعہ کوئی مجلس شوریٰ قائم نہیں کی گئی خلفاء راشدین علماء اور صلحاء اور عقلاء کو بلا کر مشورہ کر لیتے اور اسکے مطابق حکم جاری فرما دیتے ۔

اس کا تمامتر دارومدار امیر مملکت کی فہم و فراست اور اس کی امانت و دیانت پر ہے اگر امیر مملکت سمجھدار اور دیانتدار اور امانتدار ہے تو خیر و برکت ہے اور اگر اسکے دل میں کھوٹ ہے تو پھر مجلس شوریٰ سے بھی کوئی فائدہ نہیں اس زمانہ میں جو ہو رہا ہے وہ ہو رہا ہے اور دنیا دیکھ رہی ہے کوئی انگشت بدنداں ہے اور کوئی سر بگریبان حیرت ہے اور کوئی ہنس رہا ہے اور کوئی زبان سے کچھ کہہ رہا ہے ۔ اے اللہ تو مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو ہر ذلت اور ندامت اور نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ سے محفوظ رکھ ۔ آمین یا رب العالمین۔

مشورہ کا طریقہ

اگر کسی معاملہ میں ایک جماعت سے مشورہ کرنا ہے تو اسکے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ ہر ایک سے جداگانہ اور علیحدہ علیحدہ مشورہ کرے تاکہ ہر شخص پوری قوت اور ہمت کے ساتھ دل کھول کر اپنی

رائے دے سکے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مجلس مشاورت منعقد کرے اور سب کو ایک جگہ جمع کر کے معاملہ کو پیش کرے اور رائے لے تاکہ مجلس میں ہر شخص اپنی رائے کو بلا تردد اور بلا تکلف ظاہر کر دے تا کہ مجلس میں معاملہ کے تمام پہلو روشن ہو کر نظروں کے سامنے آجائیں۔

اہل فارس مشاورت کے لئے انعقاد مجلس کو پسند کرتے تھے۔ اور اہل فارس کے علاوہ دوسری قومیں تنہائی اور خلوت میں جدا جدا مشورہ کرنے کو پسند کرتے تھے۔

امام ابوالحسن ماوردی ان دونوں مذہبوں کو نقل کر کے فیصلہ فرماتے ہیں کہ علی الاطلاق حکم لگانا مناسب نہیں بلکہ سب سے اول یہ دیکھنا چاہئے کہ مشورہ کس قسم کی بات میں ہے اگر وہ بات معلوم اور معین ہے لیکن تردد اس میں ہے کہ وہ حق اور صواب ہے یا باطل اور خطا ہے تو اسکے لئے بحالت اجتماعی مشورہ کرنا مفید اور انفع ہے تاکہ مجمع عام میں ردو قدح ہو کر اسکا حسن و قبح واضح ہو جائے اور حق و باطل کا فرق مناظرہ سے خوب واضح ہوتا ہے اور اگر مشورہ ایسے امر میں ہے جو ایسا مبہم او مشکل ہے کہ اسکے حل کے طریقے بھی معلوم نہیں ہوئے اور اس میں جسقدر احتمالات اور امکانات ہیں وہ ابھی تک معین اور مشخص نہیں تو ایسی صورت میں ہر شخص کو جداگانہ غور و فکر کا موقع دیا جائے تاکہ خلوت و تنہائی میں زور فکر لگا کر اس کے احتمالات اور امکانات کو کرید کرید کر نکالا جا سکے اور یہ بات مجمع عام میں حاصل نہیں ہو سکتی خلاصہ یہ کہ بعض حالات میں مشورہ کیلئے انعقاد مجلس بہتر ہے اور بعض حالات میں ہر ایک سے جدا جدا مشورہ کرنا بہتر ہے۔ دیکھو ادب الدنیا والدین صص ۲۶۳ اور اسکی شرح منہاج الیقین ص ۴۹۴

یہ امام ابوالحسن ماوردی کا فیصلہ ہے کہ کس حالت میں کس طرح مشورہ بہتر ہے یہ نہایت عمدہ فیصلہ ہے امیر مملکت جس طریقہ کو مناسب سمجھے اس کو اختیار کرے اور سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اول جداگانہ رائیں حاصل کر لی جائیں اور پھر مجلس شوریٰ میں پیش کر کے ان پر بحث مباحثہ کر کے ایک جانب کو معین کر لیا جائے۔

مشورہ کی ایک دوسری تقسیم

ہر ایک شخص سے تحریری رائے حاصل کیجائے اور پھر انکو مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا جائے یا ہر ایک سے زبانی رائے لیجائے اور پھر مجلس شوریٰ میں تمام رایوں کو زبانی بیان کر کے اس پر بحث کیجائے۔

نصیحت

مشورہ کے بعد فوراً اس رائے کو قابل اعتماد نہ سمجھنا چاہئے تاوقتیکہ اس پر مکرر سہ مکرر غور نہ کر لیا جائے اس پر عمل نہ کیا جائے۔ احتیاط سے کام لیا جائے جلدی نہ کی جائے۔ مشورہ کے بارہ میں حکماء عالم اور علماء اسلام کا یہی مشورہ اور نصیحت ہے۔

طریقہ فیصلہ

مشاورت کیلئے اختلاف رائے ضروری ہے اب قابل غور یہ امر ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں فیصلہ کی کیا صورت ہوگی ایسی صورت میں کسی رائے کو قابل عمل اور قابل قبول قرار دیا جائے اور کس رائے کو رد کیا جائے۔

احتمال عقلی صرف دو ہیں۔ (۱) قوت دلیل اور کثرت آراء کہ کس کو ترجیح دی جائے لیکن جب عقل کے ترازو میں تولتے ہیں تو روز روشن کی طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اصل ترجیح اور فیصلہ کا دار و مدار قوت دلیل پر ہے کثرت رائے کو ذاتہ صحت اور صواب میں امور فیصلہ اور ترجیح میں کوئی دخل نہیں البتہ اشتباہ کی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کثرت رائے قوت دلیل کی ایک علامت اور نشانی ہے۔ کثرت رائے کو حسن ظن کی بناء پر قوت دلیل کی نشانی کہا جا سکتا ہے عین دلیل نہیں کہا جا سکتا۔

جاننا چاہیے کہ کثرت رائے قوت دلیل کی علامت اس جگہ ہے کہ مشورہ دینے والے ایسے ہوشیار اور سمجھدار اور تجربہ کار اور پختہ کار اور دیانتدار اور امانتدار ہوں اور لوگوں کو ان کی عقل اور ان کی فہم و فراست اور امانت و دیانت پر اعتماد ہو ایسے لوگوں کی کثرت رائے تو قوت دلیل کی علامت ہے اور باقی حمقاء اور جہلاء اور نادان اور ناتجربہ کار اور خود غرض افراد کی رائے کا نہ کوئی اعتبار ہے اور نہ کوئی وقعت اور نہ ان کی قلت اور کثرت کی کوئی حقیقت ہے اور نہ کوئی اس کا وزن ہے۔ گفتگو عقلاء کے قلت اور کثرت میں ہے اور بلا دلیل محض کثرت رائے ایک شور و غوغا ہے خاص کر جس کثرت کے نیچے خود غرضی اور چالاکی مضمر ہو تو ایسی کثرت قلت کی ہم پلہ ہی نہیں بلکہ عدم کے ہم وزن ہے۔

موجود زمانہ کی اسمبلیوں میں اگرچہ عقل اور امانت اور دیانت شرط نہیں مگر شریعت مطہرہ کی نظر میں تو فیصلہ کا دار و مدار قوت دلیل پر ہے اور اگر عقلاء میں بھی اختلاف ہو اور دلائل میں بھی اختلاف ہو اور فیصلہ کن دلائل سامنے نہ ہوں تو پھر ایسی صورت میں عقلاء کی کثرت رائے پر فیصلہ کر دیا جائے گا اور عقلاء کی کثرت قوت دلیل کی علامت سمجھی جائے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ اصل فیصلہ قوت دلیل پر ہوا جو عین مقتضائے عقل ہے اور دلیل کی قوت کو عددی کثرت پر ترجیح دی جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ وہ عقلاء ایسے عقلاء ہوں کہ ملک کے عقلاء بھی ان کو عقلاء اور قابل اتباع سمجھتے

ہوں اور ان کی رائے اور طریقہ پر چلنے کو اپنے لئے باعث فخر اور موجب فلاح جانتے ہوں اگرچہ وہ کسی اسمبلی کے ممبر نہ ہوں اس زمانہ میں بہت سے لوگ ایسے دیکھنے میں آئے ہیں کہ وہ اسمبلی کا ممبر بننے سے پہلے خود اپنے کو عاقلوں کے زمرہ میں شمار نہیں کرتے تھے مگر جب وہ ووٹ اور نوٹ کے ذریعہ سے اسمبلی کے ممبر بن گئے تو وہ اپنے آپ کو حقیقتاً عاقل سمجھنے لگے اللہ اس بے خبر بندہ کو اپنی بے خبری کی بھی خبر نہیں۔ خدا اس پر رحم کرے اور اسے عقل دے اور درحقیقت کسی رائے کے صائب اور مفید ہونے کا قلت اور کثرت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کثرت رائے اکثر غیر مفید بلکہ مضر جانب پر ہوا کرتی ہے باتفاق عقلاء دنیا میں اچھی چیزیں کم ہیں اور بری زیادہ ہیں اگر باعتبار عقل کے مردم شماری کی جائے تو دنیا میں جاہلوں اور بے وقوفوں اور خود غرضوں کی ایسی غالب اکثریت نظر آئیگی کہ بمشکل ہزار میں ایک سمجھدار اور امانتدار ملے گا کیونکہ خاص کر اس زمانہ میں عقل اور فراست اور امانت اور دیانت کا قحط ہے اور بیوقوفی اور خود غرضی اور چالاکی کی ارزانی اور فراوانی ہے لہذا کثرت رائے کا فیصلہ اکثر حماقت اور بے وقوفی اور خود غرضی کے فیصلہ کے مرادف اور ہم معنی ہوگا اور بہ قاعدہ اکثریت اس زمانہ کی جمہوریت حماقت اور جہالت کی جمہوریت ہوگی معلوم ہوا کہ محض کثرت رائے حق اور صواب کا معیار نہیں اور قلت و کثرت کو عقلاً حق اور باطل ہونے میں کوئی دخل نہیں بسا اوقات ایک زیرک اور ماہر اور تجربہ کار انسان کی تنہا رائے ایسے سینکڑوں انسانوں کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہوتی ہے جن کو مہارت اور تجربہ نہیں۔ البتہ کثرت رائے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے بظاہر نزاع ختم ہو جاتا ہے اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ امیر مملکت نے فلاں فریق کی جانب داری کی۔ کثرت رائے کی مثال قرعہ جیسی ہے کہ قرعہ سے ایک حد تک نزاع ختم ہو جاتا ہے مگر وضوح حق اور ظہور حقیقت کو اس سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوا کہ اصل دارو مدار قوت دلیل پر ہے۔

مشورہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بہت سے امور میں مشورہ کیا گیا مگر مشورہ کے بعد موجودہ طرز پر ووٹ لینا اور آراء کو شمار کر کے ان کی کثرت پر فیصلہ کر دینا کہیں ثابت نہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا کہ جس میں کوئی حکم خداوندی موجود نہ ہو تو آپ صحابہ سے مشورہ کرتے اور سب کی رائیں سنتے سننے کے بعد جدھر قلب مبارک مائل ہوتا اس کو ترجیح دیتے اسیران بدر کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا اکثر کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کیا

جائے صدیق اکبر کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی کے موافق فیصلہ فرما دیا اور موجودہ ارکان مجلس کو شمار کر کے کثرت رائے سے فیصلہ نہیں فرمایا اس مجلس مشاورت میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کی پروا نہیں کی بلکہ قوت دلیل پر اعتماد کر کے صدیق اکبر کی رائے کو ترجیح دی کہ درپردہ باعتبار دلیل کے ابو بکر کی رائے بہت قوی ہے قوت دلیل کے مقابلہ میں کثرت رائے کو نظر انداز فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قوت دلیل کے بنا پر کثرت رائے کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ بلا دلیل کے کثرت کو نظر انداز کر دیا جائے بلا دلیل کے کثرت رائے کو نظر انداز کرنا بھی جائز نہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے بدر میں اکثریت کو نظر انداز کر کے ابو بکر کی رائے پر عمل کیا۔ پس اگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل جائز اور درست تھا تو پھر اس پر عتاب کیوں نازل ہوا:۔

جواب

یہ ہے کہ فدیہ لینے پر جو عتاب نازل ہوا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اکثریت کے مقابلہ میں ابو بکر کی رائے کو کیوں ترجیح دی بلکہ اس کی وجہ دوسری تھی جس کی طرف تریدون عرض الدنیا میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری نظر سامان دنیا کی طرف ہے اس لئے تم نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا صدیق اکبر نے جو فدیہ لینے کی رائے دی تھی اس کا منشا یہ تھا کہ شاید آئندہ چل کر ہدایت کی دولت حاصل کر لیں اس طرح سے اسلام کے عدد اور مدد میں اضافہ ہو جائے اور یہ اور ان کی اولاد و اتباع ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال بالفعل ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے صدیق اکبر نے جو فدیہ کی رائے دی اس کا منشاء یہ تھا اور عجب نہیں کہ ان کو نور فہم سے یہ محسوس ہوا ہو کہ اسیران جنگ کی ایک بڑی جماعت آیندہ چل کر مسلمان ہو جائیگی اور اسلام کے دست و بازو بنے گی مگر فدیہ کی رائے دینے والوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کا زیادہ مقصود مالی فائدہ تھا جس کا منشاء حب دنیا ہے اگرچہ وہ دنیائے حلال ہی کیوں نہ ہو اس پر بارگاہ خداوندی سے عتاب آیا تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرہ یعنی تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے عتاب اس بات پر آیا کہ تم جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے مناسب نہیں تھا کہ تم کسی درجہ میں مالی فائدہ پر نظر کرو اگرچہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو پس آیت میں اس عتاب کے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے دینوی فائدہ کو ملحوظ رکھ کر مشورہ دیا تھا۔ صدیق اکبر فی الحقیقت

اس عتاب میں داخل نہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے محض رحمدلی اور صلہ رحمی اور دینی مصلحت کی بناء پر ابوبکر کی رائے کو پسند کیا اور تاکہ دوسروں کو مالی فائدہ پہنچ جائے اور دوسروں کو مالی نفع پہنچانے کا تصور جودو کرم ہے اور غایت درجہ محمود ہے اور اپنے لئے مالی فائدہ کو ملحوظ رکھنا یہ ناپسندیدہ ہے پس یہ عتاب اسی اجتہادی لغزش پر تھا عتاب کی وجہ یہ نہ تھی کہ کثرت رائے کا اتباع کیوں نہ کیا اور نہ یہ وجہ تھی کہ یہ رائے فی نفسہ غلط تھی اور یہی وجہ ہے کہ عتاب کے بعد بھی یہی حکم باقی رہا عتاب نازل ہونیکے بعد صحابہ ڈر گئے کہ مال غنیمت جسمیں فدیہ اسیران بدر بھی شامل ہے اب اسکو ہاتھ بھی نہ لگانا چاہیے تو اس پر تسلی کیلئے آیت نازل ہوئی فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا کہ جو مال تمکو غنیمت میں ملا ہے وہ حلال اور طیب ہے اور اللہ کی عطا ہے اس کو خوشی سے کھاؤ

خلاصہ کلام

یہ کہ آیت میں عتاب کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ نے کثرت رائے کو چھوڑ کر اقلیت کو کیوں ترجیح دی الغرض یہ عتاب ایک عارضی امر کی وجہ سے ہوا اور جو فیصلہ صدیق اکبر کی رائے پر کیا گیا تھا اس کو برقرار رکھا گیا۔

اسلئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر مجلس شوریٰ میں اختلاف ہوا ہے تو اس کا فیصلہ امیر کی رائے پر ہے وہ اپنی خداداد فہم و فراست سے اور اپنی ذاتی امانت و دیانت سے جس رائے کو باعتبار دلیل کے قوی سمجھے اس کو نافذ کر دے۔

خلفائے راشدین کا عمل

مشورہ کے بارہ میں خلفائے راشدین کا بھی یہی طریقہ رہا کہ جب کوئی مہم مسئلہ پیش آتا جسمیں حکم شرعی واضح اور منصوص نہ ہوتا تو مہاجرین اور انصار کو بلاتے اور مشورہ کرتے اور طرفین کے دلائل سنتے اگر ایک مرتبہ میں حق واضح نہ ہوتا تو دوبارہ اور سہ بار مشورہ کرتے یہاں تک کہ جب نور بصیرت سے انکو کسی جانب میں حق نظر آجاتا اور شرح صدر ہو جاتا کہ یہی امر باعتبار دلیل کے قوی ہے اور باعتبار ثمرہ کے مفید اور نافع ہے تو اسی کے مطابق حکم صادر فرما دیتے اور قلت اور کثرت کی طرف نظر نہ فرماتے اور نہ رایوں کو شمار کرتے۔

کہ برہان قوی باید و معنوے　　زر گھائے گردن نہ حجت قوے

سعدی

فاروق اعظم کے زمانہ میں جب شام اور عراق فتح ہوئے تو انکی زمینوں کی بابت اختلاف ہوا کہ مجاہدین پر تقسیم کیجائیں یا مصالح مسلمین اور مصالح ملکی کیلئے ان کو وقف کر دیا جائے آپ نے قوت

دلیل کی بناء پر وقف کی صورت کو ترجیح دی جسکی پوری تفصیل ازالہ الخلفاء مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ میں مذکور ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ اسمبلی میں وہ مسئلہ پیش ہو سکتا ہے جسکا حکم کتاب و سنت اور خلافت راشدہ میں صراحتاً موجود نہ ہو اور ایسا مسئلہ کہ جس کا حکم شریعت میں صراحتاً موجود ہو وہ اسمبلی میں مشورہ کیلئے پیش نہیں ہو سکتا وماکان لمؤمن و لا مؤمنہ اذاقضی اللہ ورسولہ ان یکون لھم الخیرہ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلا لا مبینا۔

پس اگر اسمبلی میں ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم کتاب و سنت میں صراحتاً موجود نہ ہو اور ارکان شوریٰ کی رائیں اسمیں مختلف ہوں تو امیر مملکت کو چاہئیے کہ جس جانب میں سمجھداروں اور دیانتداروں کی کثرت ہو اسکے موافق فیصلہ کرے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عاقلوں کی کثرت پر نظر کی جائے اور عقل سے قطع نظر کر کے محض کثرت عددی پر نظر کرنا یہ بے عقلی کی دلیل ہے اور اگر طرفین کے دلائل عقلیہ متعارض ہوں اور مختلف ہوں اور ہر طرف عقلی دلیل بھی ہو مگر وہ فیصلہ کن نہ ہو تو ایسی صورت میں امیر مملکت اپنی صوابدید سے جس جانب کو دیانتاً دلیل کے اعتبار سے قوی سمجھے اللہ پر بھروسہ کر کے اس کے موافق فیصلہ کر دے۔

اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ امیر مملکت اپنے دل کو خود غرضی اور جنبہ داری سے پاک کر لے اور دل سے اس بات کا عزم بالجزم کر لے کہ جس جانب حق ہو گا اس کو قبول کروں گا اور اسی کے موافق فیصلہ کروں گا اور اگر خدانخواستہ امیر مملکت کے دل میں بھی کوئی غرض مضمر ہے تو پھر وہ بھی خود غرضوں کے گروہ کا ایک فرد ہے اور خود غرض کا فیصلہ عقلاً و شرعاً معتبر نہیں اور امید واثق بلکہ یقین کامل ہے کہ اگر امیر مملکت صاحب فہم و فراست ہو اور امانت اور دیانت اس کا نصب العین ہو تو مجلس شوریٰ کے تمام ارکان موافق اور مخالف سب اسکے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرینگے اور دل سے اسکے فیصلہ کو قبول کرینگے اور حق کے اتباع ہی میں دین و دنیا کی عزت ہے اور اسی میں خیر و برکت ہے امیر مملکت کو چاہئے کہ خود غرضوں کا معین اور مددگار نہ بنے رب بما انعمت علے فلن اکونن ظھیر اللمجرمین۔

قانون سازی کا طریقہ

حق جل شانہ نے اس آیت میں قانون سازی کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے۔

یاایھاالذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم

فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیرو احسن تاویلا ۔

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں یعنی مسلمان ہوں اور اگر تم میں اور اولالامر میں باہم اختلاف پیش آجائے تو اس معاملہ میں اللہ اور رسول کی طرف یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کر کے طے کرو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہی بات اچھی ہے اور باعتبار انجام کے بہت بہتر ہے۔

شرعی نقطہ نظر سے اولی الامر کے مفہوم میں ولاۃ اور حکام اسلام اور علماء اسلام اور جملہ ارباب حل و عقد جنکی رائے سے تمام امور انجام پاتے ہوں داخل ہیں اور اولی الامر کا مفہوم باعتبار اپنے عموم کے سب کو شامل ہے اسی لئے امام تفسیر حافظ ابن جریر نے اسی عموم کو اختیار کیا اور اسی بنا پر فرمایا کہ آیت مذکورہ شریعت مقدسہ کے اصول اربعہ یعنی ادلہ اربعہ کتاب و سنت اور اجماع اور قیاس کو حاوی اور شامل ہے۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں اصول کو بیان فرمایا کہ جب کوئی قانون بنانا چاہو تو اول کتاب اللہ کیطرف رجوع کرو اور اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف رجوع کرو اور اگر سنت نبوی میں بھی نہ ملے تو اولی الامر یعنی اجماع صحابہ و تابعین اور اجماع مجتہدین کی طرف رجوع کرو خاصکر خلفائے راشدین کے فیصلہ کی طرف رجوع کرو جنکو حدیث میں نبی کریم کا خلیفہ یعنی جانشین اور قائم مقام اور راشد اور مہدی (ہدایت یافتہ) کہا گیا ہے جس امر میں صحابہ کرام کا اجماع اور خلفاء راشدین کا فیصلہ میسر آجائے اس کا اتباع واجب ہے اور اس کی مخالفت ناجائز ہے اور اجماع کی حجیت عقلاً و نقلاً مسلم ہے اسمبلی میں جو مسئلہ اتفاق رائے سے پاس ہو جائے اس کی مخالفت قانوناً ناجائز ہے اسی طرح اسلامی حکومت کی کسی اسمبلی میں کوئی ایسی تجویز یا قرارداد پیش نہیں ہو سکتی جو خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے فیصلے کے خلاف ہو، اسلامی سلطنت کے بانی مبانی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام ہیں۔ اور اہل سنت والجماعت ان کی سلطنت کے وارث ہیں۔ لہذا اہل سنہ والجماعت کے مسلک کے خلاف اسمبلی میں کوئی مسئلہ پیش نہیں ہو سکتا اور اگر مسئلہ زیر بحث میں اجماع صحابہ وتابعین سے بھی کوئی ہدایت میسر نہ آئے اور ارکان میں نزاع اور اختلاف پیش آئے تو اس مسئلہ کے نظائر اور امثال پر نظر ڈالو جسکو کتاب وسنت کے قریب پاؤ اسکے مطابق حکم جاری کر دو اس آیت میں تنازع سے صرف باہمی مخاصمت اور اختلاف اور جنگ اور جدل مراد نہیں کیونکہ صرف باہمی مخاصمت اور جنگ و جدل کا واحد علاج یہ ہے کہ اس منازعت اور مخاصمت ہی کو ترک کر دیا جائے بلکہ منازعت سے اصول شرعیہ کا تجاذب اور تنازع مراد ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس مسئلہ کا حکم صراحۃ کتاب اور سنت اور اجماع امت سے معلوم نہ ہو اور اصول شرعیہ اسمیں متجاذب ہوں یعنی

اس مسئلہ کو مختلف اصول اپنی طرف کھینچتے ہوں اور تجاذب اصول کیوجہ سے مجتہد اور فقیہ کو حکم کے تعین میں تردد ہو تو اس صورت میں مجتہد اور فقیہ کو یہ حکم ہے کہ اس مسئلہ کے نظائر و شواہد کو کتاب وسنت میں تلاش کرے اور اس فرع کو کتاب وسنت کی طرف علی الترتیب لوٹا دے اور کتاب وسنت کی مدد سے اس فرع کا حکم مستنبط کرے صرف اپنی ذاتی قیاس اور شخصی رائے اور طبعی خیال اور میلان سے ہرگز حکم نہ دے۔

اور اسی ترتیب کے بارہ میں احادیث اور آثار بھی وارد ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اسی ترتیب پر عمل تھا جیسا کہ معاذ بن جبل کی حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجنے لگے تو دریافت فرمایا کہ تم فیصلہ کس طرح کروگے عرض کیا کہ بموجب کتاب اللہ کے فیصلہ کروں گا فرمایا کہ اگر اس کا حکم کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو عرض کیا کہ سنت رسول اللہ کی بموجب عمل کرونگا فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ پاؤ تو میں نے عرض کیا کہ اس وقت اجتہاد سے کام لونگا اور کوتاہی نہ کرونگا یہ سنکر آپ خوش ہوئے اور یہ فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جسکو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے رواہ ابوداؤد والترمذی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اجتہاد کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی کہ جب اس مسئلہ کا حکم کتاب وسنت میں موجود نہ ہو حکم خدا اور رسول کے ہوتے ہوئے اس کے برخلاف قیاس اور اجتہاد سے کام لینا یہ شیطان کی سنت ہے اور کفر اور موجب لعنت ہے قیاس اور اجتہاد کی ضرورت ان مسائل میں پیش آتی ہے جن کا حکم کتاب و سنت میں منصوص نہ ہو۔ جس چیز میں شریعت کی نص موجود ہو وہاں نہ رائے اور اجتہاد جائز ہے اور نہ مشورہ جائز ہے۔ دیکھو احکام القرآن جصاص بحث تفسیر قولہ تعالی وشاورہم فی الامر اور معاذ بن جبل کا یہ لفظ اجتہد برائی ولاآلو کہ میں اس وقت اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لوں گا اور کوئی کوتاہی نہ کرونگا

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جس چیز کا حکم کتاب وسنت میں نہ پاؤنگا اس کا فیصلہ محض اٹکل اور تخمین سے نہ کرونگا بلکہ نہایت غور وفکر کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں اسکے شواہد اور امثال اور اسکے نظائر کو دیکھ کر فیصلہ کرونگا جیسا کہ ایک فاضل جج کرتا ہے کہ جب کسی قضیہ کا حکم صراحتاً قانون میں نہیں ملتا تو نظائر اور امثال کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے سو یہ قیاس اور اجتہاد قانونی اور عدالتی قیاس اور اجتہاد ہے کہ جو قانون حکومت کی روشنی میں کیا گیا ہے کوئی فاضل جج کبھی اسکی جرات نہیں کر سکتا کہ صریح قانون کے خلاف فیصلہ سنا دے نظائر اور امثال کو دیکھ کر اسی جگہ فیصلہ ہوتا ہے کہ جہاں اس مقدمہ کا حکم صراحۃ قانون میں مذکور نہ ہو اور گذشتہ فاضل ججوں کے متفقہ فیصلہ کے خلاف نہ ہو۔

اسی طرح جس قانون کے متعلق کتاب وسنت اور اجماع امت سے رہنمائی نہ ہوتی ہو تو وہاں حکم یہ

ہے کہ ماہرین شریعت کتاب و سنت اور اجماع امت کے روشنی میں جو فیصلہ فرما دیں اس کو اختیار کیا جائے سوائے اہل ظاہر کے امت کے تمام علماء اور فقہاء قیاس کو حجت شرعی سمجھتے ہیں مگر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ قیاس حجت ظنیہ ہے کتاب و سنت کی طرح قطعی نہیں جس طرح عدالتی مقدمہ میں فاضل ججوں کی رائے کا اعتبار ہے جاہلوں کا اعتبار نہیں اسی طرح قانون شریعت میں ماہرین شریعت کی رائے کا اعتبار ہے جاہلوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی قانون سازی کا دائرہ عمل صرف ان مباحات تک محدود ہے جنکے متعلق کتاب و سنت یا اجماع امت میں کوئی قانون نہ بنایا گیا ہو کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف قانون بنانیکا کسی اسمبلی کو اختیار نہیں کما قال تعالیٰ وما کان لمؤمن و لا مؤمنہ اذاقضی اللہ ورسولہ ان یکون لھم الخیرہ من امرھم و من یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلا لا مبینا۔

انتخاب میں عورتوں کا کوئی حق نہیں

شرعی نقطہ نظر سے عورتیں اسلامی حکومت کی مجلس شوریٰ کی نہ ممبر ہو سکتی ہیں اور نہ ان کو ووٹ کا حق حاصل ہے عورت کا الیکشن میں کھڑا ہونا بلاشبہ ناجائز اور حرام ہے۔ اور دین و دنیا دونوں اعتبار سے فتنہ عظیم ہے جس سے مسلمانوں اور اسلامی حکومت کو بچانا ضروری اور فرض ہے عورتیں فطری طور پر ناقص العقل اور ناقص الدین ہیں دن رات عورتوں کے اغواء کی واردات اس کی شاہد عدل ہیں کہ ان میں عقل نہیں ورنہ دوسروں کے بہکانے میں کیوں آئیں اخبار میں روزانہ خبریں۔ بھی شائع ہوتی ہیں کہ فلاں مرد نے فلاں عورت کا اغواء کر لیا یہ خبر آج تک دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی کہ فلاں عورت نے فلاں مرد کا اغوا کر لیا! پس اگر عورت کو اسمبلی کا ممبر بنانا جائز قرار دیا جائے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہاں کوئی اس کا اغوا نہیں کر سکے گا شریعت نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ گھر میں بیٹھیں اور پردہ کریں اور شوہر کی خدمت اور اولاد کی تربیت کریں جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں بے پردگی اور ملاقاتیں عورت کی عزت و ناموس کو خاک میں ملا دیتی ہیں اور اس کی اولاد کو مشکوک بنا دیتی ہیں پس جس اسمبلی کا جزء (ممبر) عورت ہو گی وہ اسمبلی بھی مشکوک ہو جائے گی۔ حکماء اور عقلاء کی ایک نصیحت سراپا حکمت مشہور ہے لاتستشیروا العقو مع النساء یعنی جو شخص عورتوں کے ساتھ زیادہ نشست و برخاست رکھتا ہو اس سے ہرگز مشورہ نہ لو اس کا مشورہ قابل اعتبار نہیں لہٰذا اسمبلی کی جس ممبر کی نشست عورت کے پاس ہو گی تو عقلی حیثیت سے اس کی رائے بھی مخدوش ہو گی اندیشہ ہے کہ اس رائے میں زنانہ پن نہ آ گیا ہو کیونکہ مجالست اور ہم نشینی کے اثر کا انکار عقلاً ناممکن ہے فوجی افسروں کے

پاس بیٹھنے سے دل میں بہادری اور شجاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور دانشمندوں کے پاس بیٹھنے سے عقل اور دانائی میں اضافہ ہوتا ہے اور عورتوں اور ہیجڑوں میں بیٹھنے سے زنانہ پن آجاتا ہے

ہر کسے راہبر کارے ساختند میل اور دلش انداختند

مرد کی رائے بھی مرد ہے اور نابالغ کی رائے بھی نابالغ ہے اور عورتوں کی رائے بھی عورت ہے اور عورت کی طرح ضعیف اور ناتواں ہے نیز یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ جو ممبر اسمبلی میں عورتوں کے پاس بیٹھنے کا اہتمام اور التزام کرتا ہے اس کی زیادہ توجہ عورتوں کی طرف ہوتی ہے اسمبلی کی کاروائی کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی ایسا آدمی مشورہ ہی کیا دے گا جس کی توجہ ہی اس کی طرف نہ ہو صحیح مجلس شوریٰ تو وہ ہے کہ جس میں ہر طرف سے عقل اور تدبر اور حکومت کی خیر خواہی کی خوشبو آتی ہیں۔ خود غرضی اور نفسانیت کی بدبو کا کہیں نام و نشان نہ ہو

ایوان کی غرض اور غایت یہ ہے کہ ملک کے عقلا اور خیر خواہان سلطنت اپنی اپنی عقلوں کے چراغ لے کر ایوان میں حاضر ہوں اور سلطنت کے جو مسائل تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں ان کا اس روشنی میں دیکھ کر فیصلہ کر لیا جائے کہ کیا کرنا ہے اور عقل جب ہی کام دیتی ہے کہ جب نفسانیت اور شہوت کی ظلمت اس کے نور کو مکدر نہ کرے اور جب نفسانیت کی ظلمت یعنی عورت اس کے اسپ ہوگی تو محالہ عقل کی روشنی مدھم پڑ جائے گی

چار چیز آمد نشان ابلہان رغبت دنیا و صحبت باز نان

شیخ فرید الدین عطار

نیز حکماء عرب و عجم کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کو راز دار بنانا اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے دیکھو مستطرف ص ۸۵ ج ا پس اگر عورت کو سلطنت کے راز معلوم ہو جائیں گے تو وہ سلطنعت خطرہ میں پڑ جائے گی۔

این سخن رانیست ہرگز اختتام ختم کن واللہ اعلم بالسلام

اسلامی حکومت کا نظریہ

اسلامی حکومت کا نظریہ اور مطمح نظریہ ہے کہ حکومت اور فرمانروائے سلطنت اپنے کو حقیقی حاکم نہ سمجھے بلکہ یہ سمجھے کہ اصل حاکم وہ احکم الحاکمین ہے جو خالق السموات والارضین ہے کما قال تعالی ان الحکم الا اللہ سوائے اللہ کے حکم کسی کا نہیں فالحکم للہ العلی الکبیر حکم صرف خدا بلند و برتر کا ہے و للہ ملک السموات والارض ومافیھن وھو علیٰ کل شئی قدیر اور میں (فرمانروائے سلطنت) اس احکم الحاکمین کے نازل کردہ احکام اور قوانین کو جاری کرنے والا اور

نافذ کرنے والا ہوں اس طرح کی حکومت میں آمریت اور ملوکیت اور استبداد اور مطلق اور نیت کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے حکم خداوندی کے سامنے امیر و فقیر حاکم اور محکوم سب ہی کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے امیر مملکت پر یہ فرض ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ جو خدائی احکام خاتم الانبیاء والمرسلین کے توسط سے ہم کو پہنچے ہیں اور شریعت اسلامیہ کے نام سے موسوم ہیں ان کے ماتحت رہ کر مجھ کو ملک اور سلطنت کا انتظام کرنا ہے اور آں حضرت کے بعد خلفاء راشدین نے جس طرح حکمرانی کی ان کے نقش قدم پر چلنا میرے لئے فرض اور لازم ہے ملک کی صلاح و فلاح اتباع شریعت اور خلفاء راشدین کی پیروی میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فرمانروا یہ حکم ہے کہ وہ قانون شریعت کے ماتحت ملک کا انتظام کرے اس کو کسی ایسے قانون بنانے کا ہرگز ہرگز اختیار نہیں کہ جو کتاب اللہ سے اشارتاً اور احادیث نبویہ سے صراحتاً ثابت ہے کہ خلافت راشدہ کا اتباع کتاب و سنت ہی کا اتباع ہے اور عقلاً بھی خلفاء راشدین کا اتباع ضروری معلوم ہوتا ہے اس لئے ان کا عاقل اور مدبر ہونا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے باوجود بے سروسامانی کے دنیا کو دو بڑی بڑی سلطنتوں اور طاقتوں کو بیک وقت بلا کسی ملکی اور غیر ملکی امداد کے مقابلہ کیا اور دونوں کو زمین پر پچھاڑا جس کا تماشہ ساری دنیا نے دیکھا اور حیران رہ گئی کیا ایسے عاقلوں کا اتباع عقل اور دانائی نہیں۔

اسلامی حکومت کی غرض و غایت

اسلامی حکومت کی اصل غرض و غایت تمکین دین فی الارض ہے (یعنی ملک میں دین خداوندی کو مضبوط کرنا اور مستحکم کرنا) اور لوگوں کو عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وعداللہ الذین آمنو امنکم و عملوالصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا۔

یعنی اسلامی حکومت کی دو غرضیں ہیں ایک تمکین دین یعنی دین کو قوت اور استحکام حاصل ہو اور علے الاعلان دین اسلام کے احکام جاری اور نافذ ہوں۔ دوسری غرض قیام امن اور امان ہے یعنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو سکون اور اطمینان کی زندگی بسر ہو کہ انکو کسی قسم کا خوف باقی نہ رہے اور اس آیت میں جو استخلاف یعنی حکومت اور اقتدار کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ مؤمنین صالحین سے ضروری ہے ارکان دولت اور حکام۔ ایمان اور عمل صالح کے حکم سے مستثنی نہیں یہ خیال کہ عمل صالح کا حکم فقط عوام کو ہے وزراء اور حکام کو یہ حکم نہیں کہ یہ خیال خام ہے۔

وقال تعالیٰ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین

کلمہ۔
اس آیت سے صاف ظاہر کہ بعثت محمدیہ کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہو۔ ۳۔ وقال تعالیٰ ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معہم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس شدید اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ بعث رسل اور انزال کتب کی غرض اور غایت یہ ہے کہ لوگ عدل اور انصاف کو قائم کریں لہذا اسلامی حکومت کے دستور کی اولین دفعہ یہ ہوگی کہ اس حکومت کے حکمران کا اولین فریضہ تمکین دین ہے (یعنی دین اسلام کو مضبوط اور مستحکم کرنا) اور اظہار دین (یعنی دین اسلامی کی تمام ادیان پر غلبہ اور برتری) اور مخلوط خدا میں عدل وانصاف کو قائم کرنا ہے اور جو سیدھی طرح سے عدل وانصاف کو قبول نہ کرے تو اس کو ڈنڈے مار کر اس کو سیدھا کرنا ہے اور اس آیت میں وانزلنا الحدید کا یہی مطلب ہے۔

مطلق سلطنت۔ دنیا کے انتظام اور راحت کے لئے ہوتی ہے مگر اس میں دین اصل ہوتا ہے اور دنیا دین کی خادم اور تابع ہوتی ہے بخلاف کافر کے کہ اس کا مقصد فقط دنیا ہوتی ہے دین اور آخرت سے اس کو کوئی سروکار نہیں اور اسلامی حکومت کے قیام سے مسلمان کا اصل مقصد رضاء خداوندی ہے کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہوجائے کہ ہم نے اس کے دین کے استحکام اور اس کے احکام کی اجراء اور تنفید کے لئے سلطنت کا مقصد تمکین دین اور رضا خداوندی نہ ہو تو ایسی سلطنت فرعون اور نمرود کی سلطنت کے مشابہ ہے لعنت ہے اس سلطنت پر جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔

اگر تلاش و گر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

خلاصہ کلام

یہ کہ حکومت اسلامیہ کی اصلی غرض اور حقیقی مقصد یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ اور اس کا حکم بلند ہو اور اس کا بول بالا ہو اور کفر اور باطل کا کلمہ ذلیل اور سرنگوں ہو اور اللہ کا دین زمین میں مضبوط اور مستحکم اور حاکم بن کر رہے اور حکومت کا تمام نظم ونسق اس قانون شریعت کے ماتحت چلے جو خدا نے اپنے نبی پر نازل کیا کسی کی مجال نہ ہو کہ اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ اور حدود سلطنت میں ناموس اسلام اس درجہ محفوظ اور محترم ہو کہ کوئی ناموس ناموس اسلامی کی ہمسری نہ کرسکے۔

فانی اور مجازی حکومتوں کا مقصد بھی اپنی سربلندی اور برتری ہوتا ہے اور قانون کی بالادستی کو حکومت کی عزت سمجھتے ہیں اور حکومتوں میں مارشل لاء قانون اس لئے ہے کہ کوئی شخص امیر مملکت کے حکم کے سامنے دم نہ مار سکے اگرچہ وہ شخص امیر مملکت سے عقل اور فراست اور قابلیت میں

بڑھا ہو پس جبکہ ایک فانی اور مجازی حکمران کو اپنی چند روزہ حکومت میں یہ حق حاصل ہو سکتا ہے تو کیا احکم الحاکمین کو اس قسم کا حق حاصل نہیں ہو سکتا اگر متمدن حکومتوں میں ووٹ والی اسمبلیوں کے بنائے ہوئے قانون کی بالادستی مسلم ہے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا تعالیٰ نے جو قانون نازل کیا اس کی بالادستی میں کیوں تردد ہے۔

قانون الٰہیٰ کا اتباع دین اور دنیا دونوں ہی کی اصلاح اور فلاح کا باعث ہوتا ہے اور اسی کے اتباع سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے سب جانتے ہیں کہ حکومت کا کارخانہ بدوں کسی قانون سیاست کے نہیں چل سکتا پس اگر وہ قانون سیاست عقلاء سلطنت نے مل کر اپنایا ہے اور ملک کی فلاح اور بہبود کے لئے اس کو واجب الاطاعت قرار دیا ہے تو اسے سیاست عقلیہ کہتے ہیں اور اگر وہ قانون اللہ تعالیٰ نے بذریعہ کسی نبی اور رسول کے عامہ خلائق تک پہنچایا ہے تو اسے سیاست شرعیہ اور سیاست دینیہ کہتے ہیں اور یہی قانون الٰہیٰ انسان کی دینی اور دنیوی صلاح اور فلاح کا ذریعہ ہو سکتا ہے کیونکہ سیاست عقلیہ سے محض دنیوی فلاح کی چند ظاہری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور سیاست شرعیہ سے دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کی باتیں معلوم ہوتی ہیں کیونکہ سیاست عقلیہ کا دارومدار عقل اور تجربہ پر ہوتا ہے اور سیاست شرعیہ کا دارومدار تعلیم ربانی اور تلقین یزدانی پر ہوتی ہے جو مصالحہ عالم کو محیط ہوتی ہے اور اس کی بارگاہ میں حاضر و غائب یکساں ہوتا ہے اور خداوند عالم الغیوب مصالح خلق کو بخوبی جانتا ہے۔

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست کہ پیداؤ پنہاں نبزدیش یکیست

اس لئے دستور خداوندی سے بڑھ کر کوئی دستور ہو ہی نہیں سکتا۔

اور اس زمانہ کی سیاست کو سیاست عقلیہ کہنا بھی بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس زمانہ کی اسمبلیوں میں عقلاء کی اکثریت نہیں ہوتی بلکہ بے خبروں اور بے عقلوں اور خود غرضوں کی اکثریت ہوتی ہے ایسے لوگوں کے بنائے ہوئے قانون عقلی طور پر دل سے اس کو قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ حکومت کی طاقت اس قانون کی پشت اور پناہ ہے اگر حکومت کی پشت اس کو حاصل نہ ہوتی تو شاید کوئی اس کو قبول نہ کرتا بس جن برگزیدہ بندوں پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی قانون شریعت نازل کیا انہیں انبیاء اور رسل کہتے ہیں اور جو شخص ان کے بعد ان کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے قانون شریعت کے مطابق حکومت اور سلطنت کرے اور اس قانون الٰہیٰ کی پوری پوری حفاظت کرے تو اس کو خلیفہ اسلام کہتے ہیں خلیفہ کے معنی لغت میں نائب اور قائم مقام کے ہیں۔ اور اصطلاح میں خلیفہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو رسول خدا کا متبع اور پیرو کار اور اس کا نائب ہو اور قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اس کی شریعت کے ماتحت حکومت کا انتظام کرے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ خلیفہ اسلام مسلمان ہو اس لئے کہ نبی کا قائم مقام مسلمان ہی ہو سکتا

ہے جو اس نبی پر اور اس کے دین پر ایمان نہ رکھتا ہو اور وہ اس کا جانشین کیسے ہو سکتا ہے ؟۔

اس لئے تمام علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اسلامی مملکت کا حکمران مسلمان ہی ہو سکتا ہے غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلامی نظریہ کی تکمیل مسلمان ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور اسلامی حکومت کے احکام کے لئے بھی مسلمان ہونا شرط ہے۔

دلدادگان غربیت شریعت کے اس حکم پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غیر ممالک کے مسلمانوں پر اس کا رد عمل برا ہو گا وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کریں گے کہ ان کو کلیدی آسامیوں پر مقرر نہ کریں گے۔

جواب یہ ہے کہ آپ ان کی محبت اور خوشامد میں کتنا ہی غرق ہو جائیں وہ کبھی بھی مسلمان کو کلیدی آسامی پر مقرر نہ کریں گے اور نہ آج تک انہوں نے کبھی ایسا کیا ہے۔ آپ اس کو رواداری سمجھتے ہیں اور مغربی ممالک آپ کی اس قسم کی باتوں کو خوشامد سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو بے حسی اور بے غیرتی سمجھتے ہیں اور شریعت آپ کی برتری اور بالاتری کے لئے ایک قانون بناتی ہے کہ اسلامی سلطنت میں حاکم مسلمان ہی ہو گا غیر مسلم حاکم نہیں ہو سکتا اور آپ یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ غیر مسلم کو حاکم بنا دیا جائے اور مسلمان اس کا محکوم بن کر رہے۔

ع بریں عقل و غیرت بباید گریست

طرز حکومت

اسلامی حکومت ملوکیت اور جمہوریت کے درمیان ایک معتدل راہ ہے

اسلامی حکومت کی بنیاد حق تعالیٰ کی فرمانروائی اور اس کے نازل کردہ قانون شریعت پر ہے اور غیر اسلامی حکومت کی بنیاد غیر اللہ کی فرمانروائی اور مخلوق کے بنائے ہوئے قانون پر ہے۔

شریعت نے ایک طرف تو یہ حکم دیا ہے کہ امیر مملکت فلاں فلاں اوصاف کے ساتھ موصوف ہونا چاہیے (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور دوسری طرف امیر مملکت کو یہ حکم دیا کہ امور سلطنت میں مشورہ کے لئے ایک ایسی مجلس شوریٰ قائم کرے جس کے ارکان اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں بعد ازاں امیر مملکت کو یہ حکم دیا کہ قانون شریعت کی پوری پوری پابندی کرو بعد ازاں رعایا کو حکم دیا کہ ایسے امیر کی اطاعت تم پر فرض ہے آج کل کی اصطلاح میں آزادی اور جمہوریت کا توم اور قیام قانون کی بالادستی پر ہے۔ جمہوریت کا نشوونما بغیر اس کے ممکن نہیں اسی طرح اسلامی

حکومت کا قوام اور قیام قانون شریعت کی بالادستی پر ہے شریعت کہتی ہے کہ تم قانون خداوندی کا اتباع کرو جو کمال عدل وانصاف اور کمال شفقت و مرحمت پر مبنی ہے اور تمہارے تمام حقوق کا محافظ اور نگہبان ہے اور تمہاری دینی و دنیوی اور آخروی مصلحتوں پر مشتمل ہے۔

غرض یہ کہ اسلامی حکومت میں نہ تو قیصر و کسریٰ جیسی ملوکیت اور شخصیت جبر واستداد ہے اور نہ موجودہ زمانہ کی جمہوریت ہے جو ایسے الیکشن کے ذریعے سے معرض وجود میں آتی ہے کہ جس سے سارا ملک جنگ وجدال اور بغض وعناد کی آماجگاہ اور جولانگاہ بن جاتا ہے اور حکومت پر ایسی جماعت کا قبضہ ہو جاتا ہے اجس میں اکثریت عیاروں کی اور خود غرضوں کی ہوتی ہے اور پھر جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے عیاں راچہ بیان۔

ملوکیت کے مفاسد

ملوکیت اور شخصیت کے مفاسد سب پر عیاں ہیں محتاج بیان نہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) شخص واحد تمام ملک کی قسمت کا اور اس کے سیاہ سفید کا مالک بن جاتا ہے۔

(۲) تمام ملک میں اسی کا حکم ناطق ہوتا ہے۔ کسی کو اس کے خلاف دم مارنے کی مجال نہیں گویا کہ سارا ملک اس کا غلام ہے وہ ظلم کرے یا انصاف کرے اس کے خلاف کسی کو لب کشائی کی اجازت نہیں۔

(۳) عہدہ سلطنت اس کی اولاد کی میراث ہو جاتا ہے خواہ وہ لائق ہو یا نالائق۔ الغرض شخصیت اور ملوکیت کا قانون محض بادشاہ کی زبان ہوتی ہے اور تمام مخلوق خدا کی موت و حیات اور راحت و کلفت اس کے رحم و کرم پر ہوتی ہے تمام رعایا اس کی ذاتی خواہشات کا تختہ مشق ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں رعایا کے کیا حقوق ادا ہو سکتے ہیں۔ اور سلطنت کا صحیح نظام کیسے چل سکتا ہے۔

موجودہ جمہوریت کے مفاسد

موجودہ زمانہ کے نعروں میں جمہوریت کا نعرہ جس قدر پر فریب ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اس میں بظاہر اگرچہ وہ مفاسد تو نہیں جو ملوکیت سے کہیں بڑھ کر عالم کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

(۱) شخصی حکومت میں شخص واحد کی حکومت ہوتی ہے اور جمہوری سلطنت میں ایک خاص جماعت کی حکومت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی شخصیت ہے مگر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی

کیونکہ فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد کے حکم میں ہوتا ہے مگر وہ واحد حکمی ہے واحد حقیقی نہیں۔ پارلیمنٹ میں گو بظاہر بہت سے آدمی ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہو جاتا ہے کیونکہ جو قانون پاس ہو جاتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے پارلیمنٹ میں ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے اور اجتماعی رائے ایک قسم کی شخصی رائے ہے کیونکہ مجموعہ ملکر واحد حکمی ہو جاتا ہے غرض یہ کہ شخصی حکومت میں شخص واحد کی حکومت ہوتی ہے اور جمہوری حکومت میں شخصی جماعت کی حکومت ہوتی ہے اور تمام رعایا اس خاص جماعت کی غلام اور تابع ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک شخص کی حکومت بیس آدمیوں کی حکومت سے بہتر ہے غلامی تو ہر حال میں ہے آزادی متعلق کہیں بھی نہیں کہ جو چاہیے کرو اور کوئی مؤاخذہ نہ ہو آزادی مطلق سے عالم میں فساد برپا ہوتا ہے ائمہ نحو نے لکھا ہے کہ جماعت واحد مونث کے حکم میں ہے جماعت کی طرف واحد مونث کی ضمیر راجع کی جائے گی اس لئے یہ ناچیز کہتا ہے کہ واحد مذکر کی حکومت واحد مونث کی حکومت سے بہتر ہے حدیث میں ہے کہ عورت فطرتاً کج طبیعت اور ناقص العقل ہو اس کا سمجھانا بہت ہی مشکل ہے۔

(۲) شخصی حکومت میں ولی عہدی اور خاندانی میراث ہے اور جمہوری حکومت میں الیکشن ہے جب کسی صدر کی مدت صدارت ختم ہو جاتی ہے تو انتخابات کی مہم شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے تمام ملک باہمی جنگ وجدال کا آماجگاہ بن جاتا ہے ولی عہدی میں ملک پر یہ مصیبت تو نہیں آتی رہا یہ مسئلہ کہ ولی عہدی میں اہلیت اور صلاحیت کی شرط نہیں سو موجودہ انتخابات میں بھی اہلیت شرط نہیں جس کو ووٹ زیادہ مل گئے وہی منتخب ہو گیا جس طرح انتخابات میں کبھی اچھے آدمی برسر اقتدار آجاتے ہیں اور کبھی برے۔ یہی حال ولی عہدی کا ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر بادشاہ برا ہی ہو اور ہر صدر جمہوریہ اچھا ہی ہو ان دالد گان جمہوریت نے ایک قاعدہ بنالیا ہے کہ جو بادشاہ ہو گا وہ ضرور نااہل اور کم عقل ہو گا اور جو صدر جمہوریہ ہو گا وہ ضرور اس کا اہل ہو گا اور کامل العقل ہو گا یہ قاعدہ محض ان لوگوں کا ایک نظریہ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

(۳) جمہوریت کی عمارت کسی مستقل دستور اور مستقل قانون کی بنیادوں پر قائم نہیں بلکہ جمہور اور عوام کے رجحان اور میلان پر کھڑی ہے کیونکہ موجودہ جمہوریت میں یہ قاعدہ ہے کہ اصل فرماں روائی جمہور اور عوام اور قوم کی ہوتی جس چیز پر جمہور اور عوام کی اکثریت ہو جائے تو جمہوریت اسکی تابع ہے اور اسکے سامنے مجبور ہے موجودہ جمہوریت کو نہ اخلاق سے بحث نہ اعمال سے بحث اسکو تو قوم کی خوشنودی سے بحث ہے اخلاق واعمال اسکے موضوع بحث سے خارج ہیں اور موجودہ جمہوریت کو شریعت سے تو کوئی بحث ہی نہیں۔

(۴) فیصلہ کا دارومدار محض کثرت رائے پر ہوگیا دلیل اور برہان سے بحث نہ رہی اور نہ کسی سمجھدار اور ہوشیار اور دیانتدار اور تجربہ کار کی کوئی ہستی رہی کثرت رائے سے جو طے پاجائے وہی ٹھیک ہے۔

(۵) موجودہ جمہوریتوں میں قانون سازی کے تمام اختیارات برسراقتدار جماعت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اگرچہ مجلس قانون ساز میں اور جماعتیں بھی حصہ لیتی ہیں مگر قانون سازی کا اختیار ان کو نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ برسراقتدار جماعت جو قانون بنائے گی اس میں اس کے طبعی میلانات اور رجحانات اور مصالح اور فوائد اور اغراض کو خاص طور پر دخل ہوگا جو عدل وانصاف سے دور ہوں گے اور دوسری جماعتیں اس کو جرعہ تلخ کی طرح برداشت کریں گی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اندر ہی اندر کشمکش جاری رہتی ہے اور اندر ہی اندر باہمی اختلاف کی آگ سلگتی رہتی ہے اور وقت ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل کی جدوجہد جاری رہتی ہے حتی کہ کچھ عرصہ کے بعد جب حالات پلٹہ کھاتے ہیں اور دوسری جماعت برسراقتدار آجاتی ہے تو اولین فرصت میں یہ قانون منسوخ اور کالعدم کر دیا جاتا ہے جو خاص طبقہ کے میلانات پر مبنی تھا معلوم ہوکہ پہلی جماعت نے جو قانون بنایا تھا وہ حقیقت اور صداقت پر مبنی نہ تھا بلکہ قوت وطاقت اور اکثریت کے بل بوتے پر تھا جب وہ کثرت ختم ہوئی تو اس قانون کی قانونیت بھی ختم ہوئی۔ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت۔

(۶) برسراقتدار جماعت ملک کی قسمت کی مالک بن جاتی ہے اور قسم قسم کے حیلوں اور تدبیروں سے سلطنت کے فوائد ومنافع پر قابض ہوجاتی ہے اور پوری قوم سلطنت کے فوائد اور منافع سے محروم ہوجاتی ہے۔ حتی کہ قوم عدل وانصاف سے بھی محروم ہوجاتی ہے برسراقتدار جماعت نے اکثریت کی بنا پر جو فیصلہ کر دیا وہی عدل وانصاف سمجھا جائے گا۔

(۷) بلکہ مخلوق خدا شفقت اور ترحم اور انسانی ہمدردی سے بھی محروم ہوجاتی ہے۔

(۸) بلکہ مخلوق خدا پر فریاد کا دروازہ بھی بند ہوجاتا ہے برسراقتدار جماعت نے جو فیصلہ کر دیا اب ملک کو اس کے خلاف دم مارنے کی اجازت نہیں اور ایسا ظلم وستم جس میں مظلوم دم بھی نہ مار سکے اور نہ سانس نکال سکے اس کے لئے متمدن حکومتوں نے مارشل لاء کا قانون بنا رکھا ہے۔

(۹) جب سے جمہورتیوں کا دور دورہ شروع ہوا ہے تو بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کا اور باہمی خانہ جنگیوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔

(۱۰) موجودہ جمہوریت سے ایک نئی قسم کی تجارت کا دروازہ کھل گیا ہے ایک ایک ووٹ ایک ایک روپیہ سے لیکر دس دس ہزار کے نوٹ تک فروخت ہوتا ہے تا بیس ہزار روپیہ خرچ کر کے اسمبلی کی ممبری حاصل کریں اور اس سے دس لاکھ کمائیں۔

حدیث میں ایک دعا یہ بھی آئی ہے۔

اللھم لا تسلط علینا من لا یرحمنا۔

اے اللہ تو ہم پر ایسے لوگوں کو مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کریں۔ آمین

خلاصہ کلام

یہ کہ شخصی سلطنت میں جو مفاسد تھے اب جمہوری حکومت میں خرابیاں اس سے زائد ہیں شخصی حکومت میں ایک شخص واحد حاکم تھا اور جمہوری حکومت میں ایک خاص جماعت حکمران ہے جو سخت گیری میں شخصی حکومت سے کہیں بڑھکر ہے جب سے دنیا میں جمہوریت کا دور دورہ شروع ہوا ہے اسلام اور اخلاق اور اعمال دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں اور رعایا کا حال یہ ہے کہ حکومت کے قوانین میں ایسی جکڑ بند ہو گئی کہ جو شخصی حکومتوں میں نہ تھی محاصل بھی زیادہ ہو گئے حمل و نقل اور آمد رونت پر بھی پابندی ہو گئی بغیر اجازت کے حج بھی نہیں کر سکتے شخصی حکومتوں میں اگر مشقتیں تھیں تو سہولتیں اور راحتیں اس سے زیادہ تھیں۔ گذشتہ شخصی حکومتوں میں اتنی آزدای سلب نہیں ہو تھی جتنی موجودہ جمہوریتوں میں رعایا کی آزادی ختم ہو گئی ہے بداخلاقی اور بے حیائی کو آزادی مل گئی اور قانون شریعت نظر بند ہو گیا اور موجودہ زمانہ کے جمہوریتوں کی رفتار اب یہ ہے کہ رعایا کے تمام املاک اور انکے تمام وسائل آمدنی آنہ اور پائی کے حساب سے حکومت کے کنٹرول میں آجائیں اور حکومت اپنے رحم و کرم سے رعایا کو جس قدر خرچ کرنے کی اجازت دے رعایا اتنا خرچ کر سکتی ہے اس سے زیادہ نہیں اب رعایا کی حیثیت ایک مکاتب غلام کی سی ہے کہ ساری عمر قسطیں ادا کرتا رہے اور پھر بھی آزادی حاصل نہ ہو۔ رب انصرنی علے القوم المفسدین۔

اسلامی جمہوریت

اسلامی حکومت کی بنیاد ایسے عادلانہ دستور اور قانون پر ہے کہ جس میں امیر و فقیر سب برابر ہیں اور جو گذشتہ ملوکیت اور موجودہ جمہورتی کے مفاسد سے پاک اور منزہ ہے اسلامی حکومت افراط اور تفریط کے درمیان ایک نہایت معتدل اور متوسط راہ ہے بعض اعتبارات سے ملوکیت اور شخصیت سے ملتی ہے اور بعض اعتبارات سے جمہوریت سے ملتی ہے اور اسلامی حکومت میں جو جمہوریت ہے وہ متمدن قوموں کی جمہوریت سے لاکھ درجہ بڑھ کر ہے اس لئے کہ اسلامی جمہوریت میں ہر شخص کو امیر مملکت سے سوال کرنے کا حق ہے موجودہ جمہوریت میں سوائے باضابطہ رکن کے کسی کو بولنے کا بھی حق نہیں خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جس مسلمان کا جی چاہتا تھا وہ بر سر منبر مسجد میں امیر مملکت سے سوال کر کے جواب پالیتا تھا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال یہ تھا کہ جو شخص بھی مسجد میں فاروق اعظم پر کوئی اعتراض کرتا تو نہایت خندہ پیشانی سے اس کو تسلی بخش جواب دیتے یہاں تک کہ سائل اور معترض کا

دل معترف اور متمئن ہو جاتا اور بر سر منبر فاروق اعظم یہ فرماتے ۔ رحم اللہ من أھدیٰ أے عیو بااللہ کی رحمتیں ہوں اس شخص پر کہ جو میرے سامنے میرے عیبوں اور برائیوں کا ھدیہ لے کر آئے۔ یعنی مجھے میرے عیبوں سے مطلع کرے تاکہ اپنے عیبوں کی اصلاح کر سکوں۔ اسلامی جمہوریت میں یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ ادنی سے ادنی شخص مسلمان امیر امیر مملکت یا وزیر سلطنت کو ناصحانہ اور برادرانہ طور پر اسکو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکے ۔ اور خلاف شرع امر پر اس کی روک ٹوک کر سکے اور بر ملا یہ کہہ سکے کہ آپ نے یہ خلاف شرع کام کیا لیکن موجودہ جمہوریت میں یہ بات محال ہے۔

۳ ۔ اسلامی جمہوریت میں رعیت کو یہ حق بھی دیا دگیا ہے کہ گورنر اور بڑے افسر کی مسجد میں جاکر امیر مملکت کی شکایت کرے اور اپنی مظلومی اور بے کسی کی فریاد کر سکے کیا جمہوریت کی علمبردار قومیں اس کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہیں۔ آج کل موجودہ جمہوریت میں اگر سکی شخص پر ظلم ہو رہا ہو اور کثرت رائے اس کے خلاف فیصلہ کر دے تو بے چارہ دم بھی نہیں مار سکتا۔

۴ ۔ اسلامی حکومت میں۔ ملوکیت کی طرح وراثت نہیں فاروق اعظم کا ارشاد ہے لا خلافتہ الاعن مشورہ (کنزالعمال) ص ۱۳۹ ج ۳ ۔

کوئی خلافت اور بادشاہت بغیر مشورہ کے نہیں ہو سکتی۔

۵ ۔ اسلامی حکومت میں امیر کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ خلاف شرع امر کا حکم نہ دے حدیث میں ہے لاطاعتہ المخلوق فی معصیتہ الخالق۔ خالق کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ۔ غرض یہ کہ اسلامی حکومت ملوکیت اور جمہوریت دونوں کے مفاسد سے بالکلیہ پاک ہے اور جمہوریت اور ملوکیت کے تمام فوائد اور منافع کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے عدل وانصاف اور دادفریاد کی تمام راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ اور ظلم و ستم کی تمام راہیں مسدود ہیں اسلام نہ قیصرو کسری جیسی ملوکیت ہے اور نہ موجودہ زمانہ کی سی جمہوریت ہے جس میں جاہلوں اور خود غرضوں کی اکثریت ہے۔

اسلام نے حکمرانی اور عدل عمرانی کا ایسا معتدل قانون دیا ہے جو نظام عالم کی اصلاح کے لئے کافی ہے خلفاء اور سلاطین اسلام کا یہ دستور رہا کہ وہ اہم امور میں ملک کے اہل الرائی سے ضرور مشورہ کرتے اور جب کبھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو مشورہ کے لئے مجلس منعقد کرتے مگر وہ آج کل کی طرح مجلس کی کاروائی پیچیدہ اور لمبی نہ ہوتی تھی سادہ اور مختصر طریقہ سے مشورہ کر کے بات طے کر لیتے تھے۔

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

کیا قرآن اور حدیث میں جو لفظ ملک اور سلطان آیا ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں بظاہر اس سے ملوکیت اور شخصی حکومت کا جواز نکلتا ہے۔

جواب۔

یہ ہے قرآن و حدیث میں جو لفظ ملک اور سلطان کا آیا ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اس سے بادشاہ عادل مراد ہے جو ملک میں قانون شریعت کے مطابق عدل و انصاف کرے ایسے بادشاہ کی نسبت حدیث میں آیا ہے۔

عن ابن عمر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ان السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم من عبادہ فاذا عدل کان لہ الاجر وعلے رعیتہ الشکرواذاجار کان علیہ الاصر وعلے رعیتہ الصبر رواہ البیھقی فے شعب الایمان۔مشکوہ شریف ص ۳۲۳

عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلطان (یعنی بادشاہ) زمین میں اللہ کا سایہ رحمت ہے جس کی طرف اللہ کا مظلوم بندہ پناہ تلاش کرتا ہے۔ پس وہ اگر عدل و انصاف کرے تو اس کو اجر ملے گا اور رعایا پر اس کا شکر بجالانا ضروری ہوگا اور اگر وہ جور و ستم کرے تو اس کا گناہ اس کی گردن پر ہوگا۔ اور رعیت کے لئے حکم یہ ہے کہ حتے الوسع اس کے ظلم پر صبر کرے۔

احادیث میں بادشاہ کو ظل اللہ فرمایا یعنی بادشاہ اللہ کا سایہ ہے اور ظاہر ہے کہ سایہ کی برکت اصل کے حرکت کے تابع ہوتی ہے پس جو بادشاہ اللہ کے حکم کا تابع ہو وہ اللہ کا سایہ ہے۔ ایسے ہی بادشاہ کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔

من اہان سلطان فے الارض اہانہ اللہ۔ راوہ الترمذی

جو شخص اللہ کے بادشاہ کی اہانت کرے اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

علماء سلف کا یہ طریقہ رہا ہے کہ خطبات جمعہ میں یہ حدیث پڑھا کرتے تھے السطان ظل اللہ فے الارض۔ اور بعد ازاں بادشاہ وقت کے لئے دعا کیا کرتے تھے معاذ اللہ یہ خوشامد نہ تھی بلکہ درحقیقت اسلامی سلطنت کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا تھی کہ اللہ تعالی اس اسلامی سلطنت کو قائم و دائم رکھے۔ کہ جس کے زیر سایہ مسلمان امن و امان کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ جہاں کتب احادیث میں اس قسم کی روائتیں ہیں وہاں وہ حدیثیں بھی درج ہیں جن میں بادشاہ کے دروازے پر جانے کو فتنہ کہا گیا ہے اور ان کے قرب کو اللہ تعالے سے بعد کا سبب بتلایا گیا ہے اور ظالم سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے غرض یہ کہ کسی کا یہ گمان کرنا کہ اسلام میں ملوکیت کی کوئی اصل نہیں یہ جہالت ہے قرآن اور حدیث میں ملوکیت ہے مگر وہ ملوکیت عادلہ ہے جو شریعت کے مطابق لوگوں میں عدل و انصاف کرتی ہو اور ایسی ملوکیت جو قانون شریعت کے مطابق حکومت کرے وہ آج کل کی موجودہ جمہوریت سے لاکھ درجہ بہتر ہے جس میں قانون شریعت کی پابندی کا ذکر تو کیا شریعت اسلامیہ بلکہ خدا

اور رسول کے احترام کی بھی کوئی دفعہ نہیں۔

اذقالوا النبی لھم ابعث لناملکانقاتل فی سبیل اللہ

جبکہ لوگوں نے اپنے نبی سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اس کی ساتھ ہو کر خدا کی راہ میں جالوت سے جہاد وقتال کریں۔

ان کے کچھ سوال وجواب کے بعد ان کے پیغمبر نے ارشاد فرمایا

ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا

کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔

بنی اسرائیل نے یہ حکم سنتے ہی اعتراض کیا کہ طالوت کو ہم پر حکومت اور سلطنت کا کیا حق حاصل ہے۔ اس پر اللہ تعالے نے جواب دیا کہ اللہ تعالے نے طالوت کو دو صفتیں عطا کی ہیں ایک تو یہ کہ وہ تم سے توانے عقلیہ اور اوراکیہ میں بڑھا ہوا ہے اور دوم یہ کہ وہ توانے جسمانیہ صحت اور تندرستی میں تم سے بڑھا ہوا ہے اللہ تعالی نے اس کو علم اور فہم اور عقل اور دانش میں وسعت اور فراخی عطا کی اور قوت جسمانیہ اور بدنیہ میں بھی اس کو زیادتی عطا فرمائی ہے اور بادشاہ ہونے کے لئے انہی دو صفتوں کی ضرورت ہے علم اور فہم سے ملکی انتظام پر قدرت ہو گئی اور بدنی قوت اور جسامت۔ شجاعت اور بہادری کی علامت ہے اور ظاہر ہے کہ جب فہم وفراست کے ساتھ شجاعت بھی مل جائے گی۔ تو کارخانہ سلطنت نہایت خیر وخوبی کے ساتھ چلے گا مفصل قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

واذقال موسیٰ لقوم اذکروا نعمتہ اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکاواتاکم مالم یوت احدامن العالمین

اور وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالی کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ اللہ تعالے نے تم میں سے بہت سے پیغمبر بنانے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔

قرآن اور حدیث میں ملوکیت اور بادشاہت اور اس کے اقسام اور احکام کا ذکر ہے لہذا کسی کا یہ کہنا کہ اسلام میں ملوکیت اور بادشاہت کی کوئی اصل نہیں یہ قول خود بے اصل ہے اور مبنی بر جہل ہے۔

قرآن کریم میں ذوالقرنین اور داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی بادشاہتوں کا ذکر ہے۔ یہ سب اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندے تھے اور بادشاہ اور فرمانروا تھے اللہ کے حکم کے مطابق سلطنت کا انتظام کرتے تھے شاہانہ اور پیغمبرانہ بادشاہت تھی جمہوریت نہ تھی۔

اسلام کس قسم کی حکومت کا حکم دیتا ہے

اسلام نے حکومت قائم کرنے کا حکم دیا مگر اس کی کوئی خاص شکل معین نہیں کی اور اسلام نے اپنے

پیروں کو حکم دیتا ہے کہ تم خداوند احکم الحاکمین کے نام کی حکومت قائم کرو اور خدا تعالیٰ نے جو قانون شریعت ۔ یعنی کتاب و سنت اپنے آخری نبی پر نازل کیا ہے اس کے مطابق ملک کا انتظام کرو خواہ وہ بطریق ملوکیت ہو یا بطریق جمہوریت ہو چاہے بادشاہ بن اور چاہے صدر جمہوریہ بنو جو چاہے بنو بہر حال قانون شریعت کا اتباع تم پر لازم ہے اس کے کسی سے مشورہ کی بھی اجازت نہیں جس مسئلہ کا حکم کتاب و سنت میں صراحتاً موجود ہو وہاں کسی سے مشورہ کی بھی اجازت نہیں شریعت میں جن جرائم کی سزا صراحتاً مذکور ہے بادشاہ سلطنت یا صدر مملکت کو اس کے اجراء و تنقید میں مشورہ کرنا ناجائز اور حرام ہے بادشاہ اور صدر مملکت کو کسی ایسے قانون بنانے کی اجازت نہیں جس کا حکم کتاب و سنت میں صراحتاً موجود ہو اور اگر کسی مسئلہ کا حکم کتاب و سنت میں نہ ملے تو پھر خلفاء راشدین کے طرز عمل کو دیکھ کر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

اور اگر یہ بھی نہ ملے تو امیر مملکت کو چاہیے کہ ملک کے عقلاء اور علماء کو بلا کر مشورہ کرے تاکہ عقلی اور شرعی حیثیت اس مسئلہ کی وضع ہو جائے اور جب کسی رائے کا پختہ عزم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کرے کما قال تعالیٰ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ - امیر مملکت کا یہ فرض ہے کہ عند الضرورہ وہ ملک کے اہل الرائے عقلا اور علماء سے مشورہ کرے۔ ملک کے جاہلوں اور بے دینوں سے مشورہ کرنا ضروری نہیں بلکہ ناجائز ہے۔

حکومت کا مذہب

ہر حکومت کا من حیث الحکومت کوئی نہ کوئی مذہب ہوتا ہے امریکی اور برطانوی حکومت کا مذہب عیسائیت ہے اور روسی حکومت کا مذہب اشتراکیت ہے اسی طرح اسلامی حکومت کا مذہب من حیث الحکومت اسلام ہے مملکت ایران کا مذہب شیعیت ہے اور مملکت افغان کا مذہب اسلام اور حنفیت ہے حکومت کا مذہب وہ ہوتا ہے جو اس ملک کی اکثریت کا ہو اس قاعدہ سے پاکستان حکومت کا مذہب من حیث الحکومت اسلام اور اہل سنت والجماعت ہو گا کیونکہ اس ملک میں اکثریت اہل سنت والجماعت کی ہے اور اہل سنت ہی کے دونوں کی اکثریت سے یہ مملکت معرض وجود میں آئی ہے لہذا مملکت پاکستان کی اصل حکمران جماعت وہ اہل سنت کی جماعت ہے اور اہل سنت کے سوا باقی فرقے اقلیت میں ہیں لہذا ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اس کے دستور کی پہلی دفعہ یہ ہو کہ حکومت کا رسمی اور سرکاری مذہب اسلام اور اہل سنت والجماعت ہے اور اگر کسی کو اس میں کسی کو کسی قسم کا شک ہے تو استصواب رائے کرا لیا جائے جو آج کل جمہوریت کا بنیادی اصول ہے دنیا میں اسلامی حکومت کے قائم کرنے والے صرف صحابہ کرام اور خلفاء راشدین ہیں اور خلفاء راشدین کے بعد دنیا میں جس قدر بھی اسلامی حکومتیں میں قائم ہوئیں وہ سب اہل سنت والجماعت بادشاہوں کے قائم کردہ ہیں ہارون رشید کے دور سے لے کر شاہ عالمگیر کے دور

تک تمام اسلامی حکومتوں کا دستور اور قانون فقہ حنفی رہا ہندوستان اور ترکستان کی حکومتیں جو صدہا سال قائم رہیں۔ وہ اہل سنت والجماعت بادشاہوں کی قائم کردہ ہیں سب کا دستور اور قانون فقہ حنفی رہا اور ایران جس میں آج شعیہ مذہب کی حکمرانی ہے وہ دراصل فاروق اعظم کا فتح کردہ ہے نہ معلوم کس وقت سے ایران میں شیعیت داخل ہوئی اس لئے کسی اسلامی مملکت کو ایسے قانون بنانے کا اختیار نہیں جو اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہو۔

روئے زمین کے مسلمانوں کو وراثت میں جو سلطنت اور حکومت ملی ہے وہ سب خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا صدقہ اور طفیل ہے خدانخواستہ خدانخواستہ خدانخواستہ اگر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام مسلمانوں کو حکومت اور سلطنت کا وارث بنا کر دنیا سے بنہ جاتے تو نصیب دشمنان ہماری ذلت اور مسکنت کا وہی حال ہوتا جو اس وقت یہود کا ہے۔ اللہ تعالے کی لاکھوں رحمتیں اور لاکھوں برکتیں نازل ہوں۔ صحابہ کرام پر جن کے مفتوحہ علاقے سے مسلمان چودہ سو سال سے پرورش پا رہے ہیں۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ خلفاء بنی امیہ اور خلفاء عباسیہ اور شاہان مغلیہ اور شاہاں ترکیہ سب کے سب اہل سنت والجماعت تھے۔ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

محکموں کی تقسیم

امیر مملکت اپنی ذات سے ضعیف اور کمزور ہے یہ ناممکن ہے کہ امیر مملکت تن تنہا تمام رعایا کی دیکھ بھال کر سکے اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر سکے اور ایک کو دوسرے پر ظلم اور تعدی سے روک سکے اور ایک کی جان و مال واسباب کو دوسرے کی دست برد سے بچا سکے اس لئے اس کو اعانت اور امداد کی ضرورت ہے کہ جن کی مدد سے حکومت چلائے بادشاہ بدون معاونین کے تن تنہا حکومت نہیں چلا سکتا اور حکومت کے ضروریات مختلف الانواع ہیں اس لئے اس اعانت اور امداد کی بھی انواع مختلف ہوں گی اس بنا پر ضرورت ہوئی کہ حکومت میں مختلف محکمے قائم کئے جائیں تاکہ سب کی معاونت سے حکومت کی تمام ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ مثلاً محکمہ تعلیم اور محکمہ فوج اور محکمہ پولیس اور محکمہ ڈاک اور محکمہ محاصل اور محکمہ عدالت اور محکمہ قضاء اور محکمہ افتاء وغیرہ وغیرہ اس قسم کے محکموں کا ہونا حکومت کے لئے ضروری ہے تاکہ تمام رعایا کی پوری طرح دیکھ بھال ہو سکے اور تمام ملک میں شریعت کے احکام جاری ہو سکیں قبل از اسلام حکومتوں میں عہدوں اور محکموں کی تقسیم تھی اسلام نے آکر عہدوں اور محکموں کی تقسیم کو برقرار رکھا اور ان کے مفاسد کی اصلاح کی اور زمانہ جاہلیت کی آمریت اور استبداد کو جمہوریت اور شورائیت سے بدل دیا اور قانون خداوندی یعنی آسمانی شریعت کی مشعل ان کے ہاتھ میں دے دی اور بادشاہی اور فقیری کو ایک کمبل میں جمع کر دیا آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دینی اور دنیوی امور میں حسب صلاحیت مختلف صاحبہ سے کام لیتے تھے یہ سب محکموں اور عہدوں کی تقسیم کی طرف اشارہ تھا۔

خلاصہ کلام

یہ کہ کارخانہ حکومت چونکہ مختلف قسم کے دینی اور دنیوی ضرورتوں پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ کارخانہ حکومت کو مختلف محکموں پر تقسیم کیا جائے۔

(۱) محکمہ عدلیہ

محکمہ عدلیہ یعنی عدالت شریعیہ جس میں محکمہ قضاء بھی داخل ہے اور محکمہ قضاء کے ساتھ دارالافتاء کا قیام بھی ضروری ہے۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ جن علماء میں فتویٰ کی اہلیت اور صلاحیت ہو ان کو مفتی مقرر کرے تاکہ لوگوں کو حلال و حرام سے آگاہ کریں اور لوگوں کے باہمی خصومت اور نزاع کے فیصلہ کے لئے قاضی مقرر کرے قضاء کے شرائط اور اس کے آداب اور قاضی کے اختیارات یہ تمام باتیں کتب فقہیہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں گذشتہ زمانہ میں فوجداری اور دیوانی۔ کے مقدمات کے لئے علیحدہ علیحدہ عدالت نہ تھی یہ سب کام قضاۃ انجام دیتے تھے ہر قاضی ہر مقدمہ کی سماعت کرتا اور اسی وقت اس کا فیصلہ کر دیتا تھا کتب فقہ میں جانی اور مالی تعدی اور ظلم کے احکام مفصل مذکور ہیں جو عدل اور انصاف کی ترازو ہیں ایسے ٹھیک تلے ہوئے ہیں کہ دنیا کی کسی متمدن حکومت کے پاس ایسے عادلانہ اور حکیمانہ قوانین کا نام و نشان نہیں اس محکمہ سے ملک میں عدل و انصاف کا قائم کرنا مقصود ہے کیونکہ عدل و انصاف ہی سلطنت کی جان ہے۔

(۲) محکمہ تعلیم

محکمہ تعلیم کے ساتھ محکمہ دعوت و تبلیغ اور محکمہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور محکمہ افتاء بھی ہے اس محکمہ سے مقصود تعلیم دین کا انتظام ہے جو بعثت نبوی کا اصل مقصد ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

(۳) محکمہ فوج

محکمہ فوج۔ جس کے قوانین اور احکام کی تفصیل فقہاء کرام کی کتاب اسیر اور کتاب الجہاد میں ملے گی اس محکمہ سے کفار کی سرکوبی کے احکام بیان کرنا مقصود ہے جس میں چھاونیوں کا قیام اسلحہ سازی کے کارخانوں کا قائم کرنا بھی داخل ہے۔

(۴) محکمہ مال

یعنی بیت المال کا قیام جس میں عشر اور خراج اور جزیہ کی آمدنی اور اس کے مصارف داخل ہیں۔

(۵) محکمہ ترقیات عامہ

جس میں پلوں اور سڑکوں کا بنانا داخل ہے۔

(۶) محکمہ امن عام

جس میں اندرون ملک امن و امان کا انتظام اور چوروں اور قزاقوں سے حفاظت کی خاطر حدود اور تعزیرات کا قیام داخل ہے۔

(۷) محکمہ امور خارجہ

جس میں دوسری قوموں سے صلح اور جنگ اور معاہدات کے مسائل حل ہوتے ہیں۔

(۸) محکمہ پولیس

محکمہ تفتیش یعنی محکمہ خفیہ پولیس
آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کافروں کی جاسوسی کے لئے صحابہ کا بھیجنا ثابت ہے۔

(۱۰) محکمہ احتساب و نگرانی عامہ (۱۱) محکمہ شکایات عامہ

(۱۲) محکمہ مردم شماری

یعنی محکمہ مواصلات و رسل و رسائل۔

(۱۴) محکمہ مساحت (پیمائش زمین)

(۱۵) محکمہ خوراک

(۱۶) محکمہ سکہ

(۱۷) محکمہ بحریہ

(۱۸) وزارت داخلہ

(۱۹) وزارت خارجہ

(۲۰) دیگر محاکم متفرقہ

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے دور میں آج کل کی طرح ان محکموں کے لئے علیحدہ علیحدہ باضابطہ دفتر نہ تھے اور نہ ان دفتروں کے دروازوں پر کوئی بورڈ لگے ہوئے تھے۔ مگر سادہ طریقہ پر یہ تمام محکمے اور ان کا کارپرداز موجود تھے۔ اور حقیقت کامل تھی اب ظاہری صورت تو موجود ہے مگر حقیقت ناتمام ہے پہلے زمانہ میں یہ تمام کام ٹھیک طرح سے انجام پارہے تھے مگر نام نہ تھا اور اب معاملہ برعکس ہے کہ اب نام زیادہ ہے اور کام برائے نام ہے۔

اجمال کے بعد قدرے تفصیل

اس اجمال کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض محکموں کے متعلق قدرے کچھ تفصیل کر دی جائے تاکہ شرعی نقطہ نظر واضح ہوجائے اور موجودہ زمانہ سے اس کا فرق واضح ہوجائے۔

محکمہ تعلیم

اسلامی حکومت کے تمام شعبوں میں سب سے اہم شعبہ محکمہ تعلیم ہے کیونکہ تعلیم دین نبوت و رسالت کے اولین مقاصد سے ہے کما قال تعالیٰ ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمہ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ بعثت نبوی کا اولین مقصد تعلیم الکتاب والحکمہ یعنی علم شریعت کی تعلیم ہے یہ تو مدارس دینیہ ہوئے۔ اور دوسرا مقصود تزکیہ اخلاق اور اصلاح اعمال ہے یہ خانقاہیں ہوئیں اولیاء کرام نے اپنے

فیض صحبت سے مسلمانوں کے اخلاق اور اعمال کی اصلاح فرمائی اور علماء عظام نے درس و تدریس کے ذریعہ تعلیم الکتاب والحکمہ کا فریضہ انجام دیا اور اسکے لئے دینی مدارس قائم کئے اسلامی حکومت کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ دینی تعلیم کا انتظام کرے اور ہر شہر میں ایک یا دو مدرسے تعلیم دین کے لئے تعمیر کرائے اور مدرسین کا انتظام کرے اور علوم دینیہ کی جس قدر کتابیں فراہم ہو سکیں وہ فراہم کرے

اسلام کی حفاظت اسلامی حکومت کا اولین فریضہ ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کی بقاء اس پر موقوف ہے کہ اس کا علم باقی رہے کوئی دین اور مذہب بغیر اپنے علم کے باقی نہیں رہ سکتا مثلاً رعایا کی صحت اور عافیت کی حفاظت تمام حکومتیں اپنا فریضہ سمجھتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جب تک مدارس طبیہ اور میڈیکل کالج قائم نہ ہونگے تو طبیب اور ڈاکٹر کہاں سے میسر آئیں گے اسی طرح جبتک دینی مدارس نہ ہونگے اس وقت تک دین کا باقی رہنا نا ممکن ہے دین کا تحفظ اور بقاء بدون مدارس اسلامیہ ممکن نہیں اس لئے مدارس اسلامیہ کا خرچ بھی سلامی حکومت کے ذمہ ہے تعلیم دین بعثت نبوی کا اولین مقصد ہے اس خدمت کو آپنے بنفس نفیس انجام دیا اور ارشاد فرمایا کہ انما بعثت معلماً جز این نیست کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور بہت سے صحابہ کو آپنے دوسری بستیوں میں معلم بنا کر بھیجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے تو آپ پر قرآن کا جو حصہ نازل ہوتا تھا وہ آپ صحابہ کو یاد کرا دیتے تھے اور انکے معانی اور مفاہیم سے آگاہ فرماتے اور جب مدینہ میں اسلام پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے بعد مدینہ میں تعلیم قرآن کا انتظام کیا مصعب بن عمیر اور عبد اللہ بن ام مکتوم مدینہ منورہ پہنچ کر لوگوں کو تعلیم قرآن دینے لگے ۔ مسند احمد ص ۲۹۱ ج ۴

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسجد نبوی کے متصل ایک صفہ (سائیدار چبوترہ) تعمیر کیا جہاں درس قرآن ہوتا تھا اور آپ خود اصحاب صفہ کو تعلیم دیتے تھے عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو لکھنے اور قرآن مجید کی تعلیم دی ۔ ابوداؤد کتاب البیوع باب کسب العلم کچھ عرصہ کے بعد جب نظام حکومت قائم ہو گیا تو آپ نے اطراف و اکناف میں مبلغ اور عمال مقرر کر کے بھیجے ان کا مقدم فرض کتاب و سنت کی تعلیم دینا تھا

معاذ بن جبل کو جب آپ نے یمن کے ایک حصہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو انکو حکم دیا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید اور احکام اسلام کی تعلیم دیں ۔ (استیعاب) صدیق اکبر کے عہد خلافت میں بھی تعلیم دین کا سلسلہ برقرار رہا ۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام کی بھی تعلیم ہونے لگی

پھر جب حضرت عمر سریر آرائے خلافت ہوئے تو حجاز اور شام اور عراق اور مصر اسلامی ملک میں قرآن

اور احکام دین کے تعلیم کے لئے حلقے اور مکاتب قائم فرمائے معاذ بن جبل اور عبادہ بن صامت اور ابالدرداء کو شام اور فلسطین میں متعین کیا تاکہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں
اور عبداللہ اور عبدالرشید بن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا اور عمران بن حصین اور معقل بن یسار کو بصرہ روانہ کیا گیا اور لوگوں کو تاکید کی کہ ان سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کریں
اور اس باب میں مدینہ طیبہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اسلئے خاص مسجد نبوی میں جابر بن عبداللہ بن عباس کا حلقہ درس قائم ہوا
پھر عہد فاروقی کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی کے عہد میں تعلیم دین کو اور بھی وسعت حاصل ہوئی جس کی آنے والے خلفاء نے تقلید کی اور ہر مسلمان بادشاہ کے دور حکومت میں تعلیم دین کا خاص اہتمام رہا
بارہویں صدی تک اسلامی حکومتیں اور سلاطین اسلام دینی تعلیم کیطرف پورے متوجہ رہے اور دینی درسگاہوں اور خانقاہوں کے لئے بیش از بیش امدادیں بھی دیں اور انکے لئے وقف بھی کیے
عہد رسالت سے لیکر بارھویں صدی تک تمام اسلامی حکومتیں مسلمانوں کی تعلیم کی کفیل اور ذمہ دار رہیں اور کسی عہد میں کسی اسلامی حکومت نے کسی مسلمان سے تعلیم پر کوئی فیس اور معاوضہ نہیں لیا بعد میں دینی تعلیم کیطرف توجہ میں کمی آنی شروع ہوئی اور جب سے انگریزی تمدن کا دور دورہ ہوا اس وقت سے اسلامی حکومتیں دینی تعلیم کی ذمہ داری سے گویا سبکدوش ہوگئیں اور ہمہ تن انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہیں اور کروڑہا کروڑ روپیہ سالانہ انگریزی تعلیم پر خرچ کر رہی ہیں اور انکے موازنہ میں خالص دینی تعلیم کیلئے اس رقم کا چالیسواں حصہ بھی نہیں جو سالانہ کھیل تماشوں پر خرچ ہو رہی ہے افسوس کہ اسلامی حکومتوں نے اپنے دین کے علم کو نظرانداز کر دیا اور غیروں کے بلکہ دشمنوں کے علم دفن کے کفیل اور ذمہ دار بن گئے اور مغربی ممالک کی اسلام اور اسلامی حکومتوں کے ساتھ دشمنی روز روشن کی طرح عیاں ہے بمقتضائے غیرت ایمانی علماء دین نے علوم دینیہ کے تحفظ کے لئے خالص دینی تعلیم کے لئے دینی مدارس قائم کیے اور خوشحال مسلمانوں کی اعانتوں سے انکے مصارف پورے کیے اور کر رہے ہیں۔ علماء دین نے مجبوراً بادل ناخواستہ یہ گدائی اسلئے اختیار کی کہ کسی طرح دین کا علم باقی رہے ورنہ اگر یہ دینی مدارس نہ بنتے تو اسلام جاہلیت کیطرف لوٹ چکا ہوتا جیسا کہ اب انگریزی تعلیم کی کثرت کیوجہ سے اسلام نصرانیت کی طرف جا رہا ہے
اور مسلمانوں کی اولاد جب دس سال کے بعد کالج یا یونیورسٹی سے ڈگری لیکر گھر واپس آتی ہے تو اس کا نام اگرچہ اسلامی ہوتا ہے مگر دل و دماغ اس کا مغربی بن جاتا ہے مغربی معاشرہ کی عظمت اور محبت سے اس کا دل لبریز ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں اس کو اسلام کا سادہ معاشرہ حقیر نظر آتا ہے ایسے لوگوں کا اسلام تو می ہوتا ہے شرعی نہیں ہوتا

انگریزی تعلیم کا حکم شرعی

انگریزی تعلیم کا حکم شرعی یہ ہے کہ انگریزی اپنی ذات سے ایک زبان ہے اور باعتبار عرف کے ایک خاص نصاب کا نام ہے جو مختلف علوم و فنون کا حامل ہے شریعت نے کسی زبان یا علم کا سیکھنا ممنوع قرار نہیں دیا لیکن اگر کسی امر جائز اور مباح کے ساتھ ایسے امور مل جائیں جو شرعاً حرام اور ممنوع ہوں تو تو یہ مباح چیز بھی ان قبائح اور مفاسد کے مل جانیکی وجہ سے حرام لغیرہ ہو جائے گی۔
اور مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انگریزی تعلیم کا لازمی اثر یہ ہے کہ وضع و قطع بھی شرعی نہیں رہتی۔ نماز روزہ بھی غائب تلاوت قرآن بھی غائب مسجد سے نفرت اور سینما اور کلب سے رغبت حتی کہ عقائد بھی متزلزل ہو جاتے ہیں اور مغربی تہذیب و تمدن کی عظمت اور محبت دل میں اس قدر راسخ ہو جاتی ہے کہ اسلامی معاشرہ اس کی نظر میں حقیر اور قابل نفرت ہو جاتا ہے اور قلب میں احکام شرعیہ کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی حتی کہ رفتہ رفتہ مزاج ہی بدل جاتا ہے اور بجائے اسلامی مزاج کے مغربی مزاج بن جاتا ہے تو ایسی تعلیم بلاشبہ ناجائز اور حرام ہوگی اور اگر انگریزی تعلیم ان مفاسد سے خالی ہو تو پھر ناجائز نہ ہوگی انگریزی تعلیم کی حرمت ذاتی نہیں بلکہ عارضی ہے
جیسے ہندی اور سنسکرت کا سیکھنا فی حد ذاتہ جائز ہے لیکن اگر اس تعلیم سے اسلامی عقائد میں تزلزل آنے اور ایک مسلمان بجائے اسلامی وضع قطع کے ہندوانہ وضع و قطع اختیار کر لے اور گلے میں زنار ڈال لے اور دیکھنے میں ہندو اور برہمن معلوم ہونے لگے تو ایسی تعلیم بلاشبہ ناجائز اور حرام ہوگی جس طرح مسلمان اور ہلومان دو متضاد حقیقتیں ہیں اسی طرح اسلام اور نصرانیت دو مختلف اور متضاد حقیقتیں ہیں جن کا اجتماع محال ہے اور جس طرح نہرو کی ٹوپی اور گاندھی کی دھوتی اور برہمن کی زنار اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اسی طرح انگریزی ٹوپا اور کوٹ اور پتلون اور نائی اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی جو شخص بجائے مسجد کے گرجا اور مندر میں جاتا ہو تو وہ ازروئے قواعد شریعت مسلمان نہیں کہلا سکتا دلدادگان مغربیت یہ چاہتے ہیں کہ نام تو اسلام کا رہے اور حقیقت پنہانی سراسر نصرانیت اور مغربیت ہو اس طرح سے یہ گروہ اسلام اور نصرانیت میں تطبیق اور ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں

زاھدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال
یا برہمن کی طرف ہو یا مسلماں کی طرف

شعبہ تبلیغ

تبلیغ دین یہ بھی تعلیم دین کا جز ہے اور اسلامی حکومت کے فرائض میں ہے تبلیغ اسلام اور پیغام توحید

ورسالت کا پہنچانا یہ دین کا اہم فریضہ ہے جس کے بغیر دین کا بقاء اور تحفظ ممکن نہیں آج دین اسلام کی جو تعلیم مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوتی ہے وہ اسی تبلیغ کی برکت ہے علماء نے ہر زمانے میں دین کی تبلیغ میں تقریر اور تحریر سے تبلیغ میں علماء کی مددگار رہیں انگریزی اقتدار کے بعد تمام عیسائی حکومتوں نے عیسائیت کی تحریر سے کوئی وقیقہ اٹھا نہیں رکھا انگریزی اقتدار سے پہلے اسلامی حکومتیں فریضہ تبلیغ کا جال بچھا دیا ہندوستان سے اسلامی حکومت کے زوال کے بعد انگریزی اقتدار آیا۔ انگریزی حکومت چونکہ مذہباً عیسائی تھی اسلئے اس نے طرح طرح سے عیسائیت کی تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مگر علماء دین پر بھی کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی علماء دین تبلیغ اسلام کے لئے کھڑے ہو گئے اور تقریر اور تحریر سے رد عیسائیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی بلکہ باوجود بے سروسامانی کے علماء دین کا پلہ بھاری رہا اور انگریزی حکومت نے تبلیغ اسلام اور عیسائیت میں علماء پر کوئی پابندی نہیں لگائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بحمدہ و تعالی ہندوستان میں دین اسلام محفوظ رہا اور لاکھوں غیر مسلم اسلام کے حلقہ بگوش بنے اگر علماء دین ہندوستان میں دینی مدارس قائم نہ کرتے عیسائیوں سے مناظرے اور عیسائیت کا رد نہ کرتے تو پھر نہ معلوم اسلام کا کیا حال ہوتا اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوتی۔ ہندوستان سے اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب انگریزی دور حکومت شروع ہوا تو سرسید نے علی گڑھ کالج قائم کیا تاکہ مسلمان انگریزی زبان پڑھ کر موجودہ حکومت میں عہدے حاصل کر سکیں۔ گویا کہ انگریزی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے خالص دینی تعلیم کے لئے دیوبند میں دارالعلوم قائم کیا اور اس کے قریب سہارنپور میں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی نے مظاہر علوم کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ ان حضرات نے دنیا سے قطع نظر کی اور حکومت کی عہدوں کے خیال کو دل سے نکال دیا اور دینی تعلیم کو زندگی کا نصب العین بنا لیا اور دین کے تحفظ کے لئے دینی مدارس قائم کئے۔

اسی طرح سے دینی تعلیم اور تبلیغ کا آغاز ہوا اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں دین کا علم پہنچ گیا اور اسلام کا رنگ اور اسلامی معاشرہ نے ایک ممتاز اور نمایاں مقام حاصل کیا اور نوبت بانیجار سید کہ سو سال کے بعد مسلمانوں نے اپنے دین اور اسلامی معاشرہ کے تحفظ کے لئے پاکستان کے نام سے ایک خطہ حاصل کر لیا

خدا نخواستہ اگر ہندوستان میں علماء تبلیغ دین نہ کرتے اور نہ دینی مدارس قائم کرتے اور صرف انگریزی تعلیم کے کالج اور اسکول ہوتے تو اس وقت پورا ہندوستان مغربی رنگ سے رنگا ہوا ہوتا اور اسلامی مملکت کے قیام کا کوئی نام لیوا بھی نہ ہوتا سو سال کے بعد جب پاکستان بنا تو انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے ہاتھ میں منتقل ہوا جو دین سے بے خبر ہے اور تمام اسلامی ممالک میں یہی طبقہ برسراقتدار ہے اس طبقہ کو یورپ کی ہر ادا محبوب ہے اور اس کی نقل مایہ فخر و ناز ہے اور یورپ کا ہر

نظریہ ان کے نزدیک ہم پلہ وحی ہے اور شریعت کا جو مسئلہ یورپ کے تہذیب و تمدن کے خلاف ہو وہ خلاف عقل ہے مغربیت اور فرنگیت اس طبقہ کے نزدیک نشان عزت ہے اور مولویت اور ملائیت ذلت و حقارت کا ایک مہذب عنوان ہے

آج کل اسلامی سلطنتوں کے اکثر حکام اور کارفرما جو ہیں وہ دینی احکام سے بے گانہ ہیں اس طبقہ کو من حیث الحکومت تبلیغ اسلام کی طرف کوئی توجہ نہیں اور علماء دین کو انگریزی دور حکومت تبلیغ دین کی جو آزادی حاصل تھی وہ ان نام کے مسلمانوں کے دور اقتدار میں نہیں رہی

ان متمدنین کے نزدیک ہر باطل اور ہر بےحیائی کو آزادی کے ساتھ تبلیغ کا حق حاصل ہے مگر علماء دین کو اس کے رد کا حق حاصل نہیں

جس ملحد اور زندیق اور جس مرتد اور جس مسیلمہ کذاب اور جس اسود عنسی کا جو جی چاہے وہ کہے اور لکھے لیکن اگر کوئی عالم دین اس الحاد اور زندقہ کا رد کرتا ہے تو اس کا نام فرقہ وارانہ اور منافرت انگیز تقریر ہے جو ان لوگوں کے نزدیک فتنہ اور فساد کے مرادف اور ہم معنی ہے۔

تفرقہ کی حقیقت

سو جاننا چاہیے کہ تفرقہ کے معنی حق سے جدا ہونے کے ہیں اور اتفاق کے معنی حق کے ساتھ متفق ہونے کے ہیں حق جل شانہ کے اس ارشاد واعتصموا بحبل اللہ جمیعاو لا تفرقوا کا مطلب یہ ہے کہ سب مل کر حق کی رسی کو مضبوط پکڑو اور حق سے کسی حال میں جدا نہ ہو ہر حکومت اتفاق کو فرض اور لازم قرار دیتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون حکومت کے ساتھ اتفاق کرو قانون کے خلاف نہ کرو۔ وکلاء کے دو فرض ہیں ایک قانون حکومت کی حمایت اور اس کی تائید اور دوسرا فرض یہ ہے کہ خلاف قانون بات کو باطل کرنا اور اس کو رد کرنا اسی طرح قانون شریعت کے متعلق علماء دین پر دو فرض عائد ہوتے ہیں ایک احقاق حق اور دوسرا ابطال باطل تمام دنیا کے عقلاء اس بات کے معترف ہیں کہ وکیل کا خلاف قانون بات کا رد کرنا یہ فتنہ اور فساد نہیں بلکہ قانون حکومت کی حمایت اور حفاظت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ علماء دین کا کسی باطل اور غلط بات کو رد کرنا یہ فتنہ و فساد اور انتشار نہیں بلکہ حق کے خلاف لب کشائی اور مسلمات شریعت کی مخالفت یہ فتنہ فساد اور انتشار ہے احکام خداوندی کا بیان اور اعلان اور ان کی تبلیغ علماء کا فرض ہے اور احکام خداوندی کے نشر و اشاعت میں مزاحمت خدا اور رسول سے بغاوت ہے اور اگر باوجود دعوائے اسلام کے احکام شریعت نشر و اشاعت میں مزاحمت کی جائے تو پھر یہ منافقت ہے کہ دعویٰ تو اسلام کا ہے اور عملاً اس کی مخالفت اور مزاحمت کے جانے اس کے لئے متمدنین نے زبان بندی کا قانون بنایا ہے کہ فریقین کی زبان بندی کر دی جائے سو جاننا چاہئے کہ فریقین کو کلام سے روک دینا یہ سیاست عادلہ نہیں بلکہ سیاست ظالمہ ہے کہ حق اور باطل کو

معروف اور منکر کو ایک سطح پر لاکھڑا کر دیا اگر باطل کو لب کشائی کا حق ہے تو حق کو بھی بولنے کا حق ہے اور مظلوم کو ظالم سے انتقام کا حق ہے حیرت کا مقام ہے کہ جب باطل حق کے خلاف سر اٹھاتا ہے تو حکومت کے حکام اس سے کوئی تعرض نہیں کرتے اور جب حق باطل کے مقابلہ میں زبان کھولتا ہے تو اس کو انتشار اور فتنہ فساد کہ کر اس کی زبان بندی کر دی جاتی ہے جو شخص قانون حکومت پر نکتہ چینی کرے تو وکلاء کا فرض ہے کہ اس کا جواب دیں اسی طرح جو ملحد قانون شریعت پر نکتہ چینی کرے تو علماء کا فرض ہے کہ وہ اس کا رد کریں اور مباحثہ اور مناظرہ کی دعوت دیں تاکہ علی الاعلان حق واضح ہو جائے

حیرت کا مقام ہے کہ کسی وزیر کو تو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے مخالف کو مناظرہ کا چیلنج کرے مگر کسی عالم دین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی عیسائی یا قادیانی یا ملحد اور زندیق کو مناظرہ کی دعوت دے سکے اگر مناظرہ کی دعوت دے تو اس کا نام تفرقہ ہے اور قانوناً جرم ہے اور اگر کوئی وزیر مناظرہ کی دعوت دے تو حکومت کی تائید اور حمایت ہے۔

اسلامی ممالک میں عیسائیوں کو اپنے تبلیغی مشن قائم کرنے اور کالج اور اسکول اور ہسپتال کھولنے کے لئے نہایت سہولت کے ساتھ زمین کے طویل و عریض رقبے حاصل ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کو مسجد اور دینی مدرسہ بنانے کے لئے دو تین کنال زمین کا ملنا بھی دشوار ہو گیا ہے ساری دنیا کے سامنے مغربی ممالک کی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور عداوت روز روشن سے بڑھ کر عیاں ہے مگر با اینہمہ۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک گروہ عظیم ایسا موجود ہے کہ جس کی نظر میں مغربیت محبوب ہے اور مولویت اور ملائیت معتوب اور مغضوب ہے۔

لہذا

اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کی طرف توجہ دیں ورنہ اگر خدانخواستہ پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں اسی طرح عیسائیوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا تو یہ اسلامی حکومت کی سالمیت کیلئے خطرہ عظیم ہے مسلم لیگ نے اسلام کے نام پر پاکستان حاصل کیا مگر حکومت ملنے کے بعد اپنے وعدوں سے منحرف ہو گئی اور اسلام کا نام لینا بھی اسے ناگوار ہو گیا حتی کہ کوئی عالم اگر نماز و روزہ کا کوئی مسئلہ بیان کرتا ہے تو مسلم لیگ کے ارکان یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر کسی عالم کو ملک میں انتشار پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی سبحان اللہ نماز روزہ۔ حج کا مسئلہ بتلانا اس کا نام انتشار ہو گیا اور خلاف شرع حکم دینے کا نام وحدت اسلامیہ اور اتحاد ملی ہو گیا۔

ذخائر علمیہ کی حفاظت و اشاعت

اسلامی حکومت کا یہ بھی فریضہ ہے کہ علمی ذخائر کی حفاظت اور اشاعت کرے سلف صالحین اور علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کی بے نظیر تصنیفات و ملفوظات جو مختلف بلاد و امصار میں زاویہ خمول میں پڑی ہوئی ہیں ان کو جمع کرے اور شائع کرے اور ملک کے گوشہ گوشہ سے نایاب قلمی ذخائر کو نکال کر ان کی اصل یا نقل ایک عالی شان کتب خانہ میں جمع کرے تاکہ یہ نوادر ذخائر ایک جگہ محفوظ ہو جائیں جیسا کہ مغربی دنیا کے اکثر ممالک جیسے لندن اور جرمن اور فرانس وغیرہ وغیرہ نے کر رکھا ہے اور حکومت برطانیہ نے اپنے دور حکومت میں صدہا پبلک لائبریریاں قائم کیں جس میں دینی مطبوعات اور مخطوطات کے ذخیرے جمع کئے اور انگریزی حکومت نے جا بجا سرکاری دارالطبع قائم کئے جس میں فقہ عربی کی نایاب کتابیں طبع کیں۔ اسلامی حکومت کو اس سے سبق لینا چاہیے

تعمیر مساجد

اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ مسلمانوں کیلئے جا بجا مسجدیں تعمیر کرائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ زمین خرید کر مسجد تعمیر کرائی اور ہر زمانہ میں سلاطین اسلام مسجدیں تعمیر کراتے رہے۔

اب اسلامی حکومتوں میں مسلمان حاکموں کا یہ حال ہو گیا کہ مسلمانوں کو مسجدیں اور مدرسے بنانا دشوار ہو گیا اور عیسائیوں کے لئے گرجا بنانے کی اجازت سہولت سے مل جاتی ہے اور جس قدر طویل و عریض رقبہ وہ گرجا بنانے کے لئے یا مشن کالج کے لئے لینا چاہیں ان کے لئے کوئی دشواری نہیں مسلمانوں کے لئے مسجد بنانے میں جو دشواریاں ہیں وہ سب کے سامنے ہیں اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان۔

محکمہ عدلیہ

شریعت کی نظر میں علم دین کے بعد عدل و انصاف کا درجہ ہے اصطلاح شریعت میں اس محکمہ کا نام محکمہ قضاء ہے شریعت اسلامیہ نے بلا تفریق جنسیت اور بلا تفریق مذہب و ملت عدل و انصاف کو حکومت کا اولین فرض قرار دیا ہے اور عدل اور انصاف ہی کو سلطنت کی بنیاد اور بقاء اور قوام قرار دیا ہے اور عدل کے ساتھ احسان کا بھی حکم دیا ہے ان اللہ یامر باالعدل و الاحسان تحقیق اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے ساتھ احسان اور مہربانی کا بھی حکم دیتا ہے

وقال سلیمان بن داؤد علیھما السلام الرحمہ والعدل یحرزان الملک حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ رحمت اور معدلت یعنی رعایا پر شفقت اور عدل و انصاف سلطنت کی حفاظت کرتے ہیں

عدل رعایا کو حکومت کی اطاعت پر متفق کرتا ہے اور جور و ستم تشتت و تفرق کا سبب ہے عدل ایک ترازو ہے جس سے ضعیف اور کمزور کا حق قوی اور زور آور سے دلایا جاتا ہے رعایا کی حیات اور زندگی عدل و انصاف سے ہے رعیت کے افراد تین قسم کے ہیں ایک قسم وہ ہے کہ جو امیر مملکت سے بڑے ہیں دوم وہ جو امیر مملکت کے ہم عمر ہیں سوئم وہ کہ جو اس سے چھوٹے ہیں امیر مملکت کو چاہیے کہ جو عمر میں اس سے بڑے ہیں ان سے باپ اور چچا کا سا معاملہ کرے اور جو ہم عمر ہیں ان سے بھائیوں کا سا معاملہ کرے اور جو چھوٹے ہیں ان سے اولاد اور بھتیجوں جیسا معاملہ کرے

کارخانہ حکومت کا جب چلتا ہیں کہ رعیت امیر مملکت کی اطاعت کرے اور رعیت الطاعت اس وقت کرتی ہے کہ جب حکومت عدل و انصاف کا بازار گرم کرے

عدل کی دو قسمیں ہیں ایک عدل الہی دوسرا عدل سیاسی و ملکی عدل الہی وہ عدل ہے جس کا اللہ نے حکم دیا اور انبیاء و رسل نے بندوں تک اس کو پہنچایا اور عدل سیاسی و ملکی وہ ہیں جس پر سلطنت کی عمارت قائم ہو یہ دوسری قسم کا عدل بہت کمتر اور فروتر ہے جس قسم کے عدل کی حضرت انبیاء نے تلقین و تعلیم فرمائی دنیا کا کوئی عدل اس کی ہم سری نہیں کر سکتا اس لئے کہ عدل دنیاوی کا قانون عقلاء کا مرتب کردہ ہے اور عدل الہی کا قانون بذریعہ وحی منزل من اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ عقل بشری وحی الہی کی ہم سری نہیں کر سکتی عدل الہی یہ ہے کہ بادشاہ علماء اور صلحاء اور ملک کے عقلاء اور خیر خواہان سلطنت کو اپنے ساتھ ملالیے اور ان کے مشورہ سے حکومت کا انتظام کرے تاکہ ظاہر میں علماء اور صلحاء کے مشورہ اور نصیحت سے حکومت کو تقویت ہو اور خلوت اور تنہائی میں علماء اور صلحاء اور عام مسلمانوں کی دعائیں حکومت کی پشت پناہی کریں

دنیا نے عدل الہی کا نمونہ خلفاء راشدین کے دور میں دیکھا کہ ابوبکر و عمر اور عثمان اور علی کے دروازوں پر کوئی دربان نہ تھا ہرمزان جو کسری کا وزیر تھا جب مدینہ منورہ آیا تو اس نے اول تو امیرالمومنین عمر کا کوئی محل نہ پایا گھر اگر ملا تو اس پر کوئی دربان اور پہرہ دار نظر نہیں آیا پوچھا کہ خلیفہ مسلمین کہاں ہے لوگوں نے کہا کہ مسجد میں ہونگے ہرمزان مسجد پہنچا دیکھا کہ عمر مسجد میں سنگریزوں کے ایک ڈھیر پر سر رکھے سو رہے ہیں اور درہ سامنے رکھا ہے تو ہرمزان نے یہ منظر دیکھ کر کہا عدلت فامنت فنمت رعایا میں تونے عدل و انصاف کیا تو مامون اور بے خوف خطر ہو گئے اور بے فکر ہو کر سو گئے سراج الملوک ص ۴۶

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ بادشاہ دو چیزوں سے ہلاک ہوتا ہے ایک خود رائی اور خود پسندی سے

دوسرے احتجاب سے یعنی رعایا سے ایسا پردہ میں ہو جانے کہ رعایا کی رسائی اس تک نہ ہو سکے گویا کہ وہ مرگیا ہے اور اس کے حکام لوگوں کے جان و مال سے کھیل رہے ہیں سراج الملوک ک۔ ۵

عدل و انصاف پر معاوضہ لینے کا حکم

عدل اور انصاف اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے اس لئے اس کی قیمت اور معاوضہ لینا شرعاً نا جائز ہے لہذا اہل معاملہ سے کورٹ فیس وغیرہ لینا ایسا ہی حرام ہے جیسا رشوت لینا حرام ہے شرعاً اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں

یا ایہاالذین امنوا کونو اقوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا ھوا قرب للتقوی واتقوااللہ ان اللہ خبیر بما تعملون

ایک ایمان والو ہو جاؤ اللہ کے لئے حق کے قائم کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے اور کسی قوم کا بغض اور عداوت تمکو بے انصافی پر آمادہ نہ کرے عدل وانصاف کر دیہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے تحقیق اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو

مطلب یہ ہے کہ دوست اور دشمن سب کے ساتھ یکساں انصاف کرو عدل وانصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر رہے کہ محبت یا عداوت کسی پلہ کو جھکا نہ سکے

پس جس طرح گواہی پر معاوضہ لینا حرام ہے اسی طرح انصاف کرنے کیلئے کوئی فیس عائد کرنا یہ بھی حرام ہے

انصاف پر کورٹ فیس اور اسٹامپ اور طرح طرح کے خرچ ڈالنا یہ در حقیقت انصاف کی تجارت ہے یہ حکومت کی تجارت ہوئی اور رشوت لیکر فیصلے کرنا یہ حکام کی تجارت ہوئی اسی وجہ سے فقہاء کرام نے مسئلہ لکھا ہے کہ جو اس قسم کی عدالت کو جہاں رشوت کا بازار گرم ہو واقعی عدالت سمجھے وہ کافر ہو جاتا ہے ظلم کو عدل سمجھنا کفر ہے اور شریعت کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ رشوت کے مال پر زکوہ نہیں جیسے چوری اور ڈاکہ کے مال پر زکوہ نہیں زکوات حلال مال پر واجب ہوتی ہے حرام مال پر زکواہ نہیں اور حرام مال سے خیرات بھی حرام ہے اور حرام مال خیرات کرکے اس پر ثواب کی امید رکھنا اس میں اندیشہ کفر کا ہے اس لئے کہ حرام مال ناپاک ہے اور ناپاک مال پر ثواب کی امید رکھنا یہ خداتعالی کے ساتھ مذاق ہے

عدلیہ کی آزادی

اسلام میں جس قدر عدلیہ کو آزادی ہے دنیا کے کسی دستور میں اس قدر آزادی نہیں قرآن وحدیث

کی رو سے قانون عدل اور انصاف سے کوئی فرد بھی مستثنی نہیں امیر و فقیر اپنا اور پرایا سب برابر ہیں عدل و انصاف کے لحاظ سے امیر مملکت پر یا کسی وزیر پر عدالت میں کوئی دعویٰ کرے تو ازروئے شرع قاضی یا جج کے سامنے دونوں کو پہلو بہ پہلو کھڑا کیا جائے گا اسلامی عدالت میں جس طرح ایک معمولی آدمی پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے اسی طرح بلا کسی امتیاز کے امیر مملکت پر بھی مقدمہ چلایا جا سکتا ہے اور ہر ایک کو آزادی کے ساتھ سوال و جواب کا موقع دیا جائے گا ہر فریق بغیر کسی دلیل اور بیرسٹر کے خود حاکم کے سامنے اپنا مدعا ظاہر کر سکتا ہے اور جس قدر ممکن ہو فیصلہ میں تاخیر نہ کرے بلا وجہ فیصلہ میں تاخیر ظلم ہے اور بلا وجہ بتائے اور بلا مقدمہ چلائے کسی کو حبس اور حراست میں لینے کا شریعت میں کوئی جواز نہیں ہنگامی حالات کا بہانہ بنا کر کسی کو بلا وجہ گرفتار کرنا شریعت کی نظر میں سراسر ظلم ہے اور اصول عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

قرآن اور حدیث عدل اور انصاف کے حکم سے اور ظلم و ستم کی ممانعت سے بھرا پڑا ہے ان الله یا مربالعدل والاحسان ان الله یحبب المقسطین ولا تحسن الله غافلا عمایعمل الظالمون حکومت کا کارخانہ بدون عدل اور انصاف کے نہیں چل سکتا چنانچہ کہا گیا ہے کہ اگر بادشاہ کافر اور عادل ہو تو مسلمان ظالم سے بہتر ہے کیونکہ یہ اپنے ظلم سے لوگوں کو ہلاک کرے اور لوگ مجبوراً کافروں کے ملک میں چلے جائیں گے۔ اس لئے امیر کا عادل ہونا عقلاً و نقلاً شرط ہوا اسی وجہ سے بادشاہ اسلام پر یہ فرض ہے کہ وہ بذات خود رعایا کے احوال کی تفتیش کرے اور اپنی زبان سے حکام کے ظلم اور عدل کا حال معلوم کرے۔ تاکہ ظالم حاکموں سے باز پرس کر سکے اور عاجز مظلوموں کی مدد کر سکے۔ امیر مملکت کا خود بازاروں اور محلوں اور مسجدوں میں جا کر اپنی زبان سے لوگوں کا حال دریافت کرنے میں یہ حکمت ہے کہ مظلوم بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی اور عرض حال کی قدرت نہیں رکھتے اور ظالم حکام اس بات کا پورا بندوبست رکھتے ہیں کہ یہ غریب و فقیر امیر کے دربار میں نہ پہنچ پائے اور اگر بالفرض کسی صورت میں پہنچ بھی جائے تو یہ ظالم کسی ترکیب سے اس پر بہتان رکھ کر اس کو پھنسا دیں گے۔ اس لئے عقلاً و شرعاً یہ ضروری ہے کہ امیر مملکت خود جا کر اپنی زبان سے لوگوں کا حال معلوم کرے بغیر اس کے رعایا اور حکام کے حالات اور معاملات صحیح علم نہیں ہو سکتا امیر مملکت اگر ہر ہفتہ ایسا نہ کر سکے تو مہینہ میں تو ایک روز ضرور کرے اور یہ دن معین ہونا چاہیے تاکہ رعایا کو معلوم رہے کہ آج امیر مملکت ہماری فریاد رسی کے لئے باہر تشریف لا دیں گے۔ اور ہماری طرف نظر التفات فرمائیں گے۔ خلفاء راشدین کے دروازے تمام اہل حاجت کے لئے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔

حکایت

سلطان نورالدین نے حکم صادر فرمایا کہ جب تک کسی شخص پر حسب قواعد شرعیہ جرم ثابت نہ ہو جائے اس کو سزا نہ دی جائے والی موصل کی خود تو مجال نہ ہوئی کہ سلطان کے خدمت میں اس کی بابت کچھ عرض کر سکے کسی ذریعہ سے بادشاہ کے پاس یہ لکھوایا کہ جنگلوں میں غارتگری اور لوٹ مار ہوتی ہے وہاں کوئی گواہ نہیں ہوتا۔ اگر قواعد شریعت کے مطابق سزا کو شہادت پر موقوف رکھا جائے تو مفسدین کا انتظام بہت مشکل ہے اس لئے ضرورت ہے کہ سیاست سے کام لیا جائے اور امن قائم کرنے کے لئے سزائیں دی جائیں سلطان نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے اگر اللہ کے نزدیک اس میں مصلحت ہوتی تو شریعت میں ضرور اس کی اجازت ہوتی لیکن اس نے اپنی حکمت و رحمت سے شریعت میں سزا کے قواعد مقرر کر دیئے ہیں ان سے تجاوز سے کوئی وجہ نہیں سلطان محترم نے خلاف شریعت کسی سیاست کی اجازت نہیں دی۔ جس کی برکت یہ ہوئی کہ ان کے دور حکومت میں جس قدر ملک میں امن و امان رہا ایسا کسی دوسرے بادشاہ کے دور حکومت میں نہ تھا۔

ابن اثیر جزری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان نورالدین کے زمانہ میں عدل و انصاف کا یہ طریقہ تھا کہ وہ دوسرے بادشاہوں کی طرح محض بدگمانی یا تہمت کی وجہ سے کسی کو سزا نہ دیتا تھا بلکہ گواہ طلب کرتا تھا اگر شرعی قاعدہ سے اس کا ثبوت ہو گیا تو سزا جاری کرتا تھا اس عدل و انصاف کی یہ برکت ہوئی کہ ملک میں کامل طور پر امن و امان قائم ہو گیا اور مفسدین کا وجود باقی نہ رہا۔

رشوت اور سفارش کا انسداد

شریعت نے رشوت کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں تاکہ عدل و انصاف میں ذرہ برابر کمی نہ آنے قرآن اور حدیث میں رشوت کی حرمت اور ممانعت کے متعلق بے شمار آیات اور احادیث موجود ہیں۔

عام شکایت کی اجازت

اسلام میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ جس حاکم کی چاہے امیر مملکت سے شکایت کرے اور خود امیر مملکت کے متعلق اس کو شکایت ہو تو مسجد میں عام مسلمانوں کے سامنے وہ امیر مملکت

سے باز پرس کر سکتا ہے فاروق اعظم کی پوری زندگی اس کی شاہد ہے جس سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

محکمہ فوج

یہ عالم عالم تضاد و اختلاف ہے خیر و شر حق اور باطل پاک و ناپاک سے مرکب ہے اور تضاد اور اختلاف کا لازمی نتیجہ جنگ ہے پس اگر حق۔ باطل سے جنگ کرے تو یہ جہاد ہے اور اگر باطل حق کے مقابلہ پر آئے تو یہ فتنہ اور فساد ہے اس لئے ضروری ہوا کہ حق کے پاس کوئی فوج ہو تاکہ وہ باطل کا سر کچل سکے پس اگر ابتداء باطل حق کے مقابلہ کے لئے پیشقدمی کر کے آئے اور حق اس کا مقابلہ کرے تو یہ جہاد دفاعی ہے۔

اور اگر حق نے یہ دیکھا کہ باطل اپنی طاقت اور قوت جمع کر رہا ہے تاکہ جب اس کی طاقت مکمل ہو جائے تو حق پر حملہ آور ہو تو حق نے یہ سوچا کہ تدبر اور دانائی کا تقاضہ یہ ہے کہ قبل اس کے کہ باطل اور فتنہ سر اٹھائے اور چل کر میری طرف آئے اور پھر میں اس کا دفاع کروں اس سے بہتر اور مناسب ہے کہ میں خود پیشقدمی کروں اور تیزی کے ساتھ چل کر باطل کے سر پر ایسی ضرب کاری لگاؤں کہ آئندہ چل کر یہ باطل سر اٹھانے کے قابل نہ رہے تو یہ جہاد اقدامی ہے شریعت میں دونوں قسم کے جہاد مشروع ہیں جیسی ملکی مصلحت ہو اس کے مطابق صورت اختیار کی جائے مرعوب ذہنیتیں اقدامی جہاد کی منکر ہیں اس قسم کے لوگ کتاب و سنت و احکام شریعت سے بے خبر اور بے گانہ ہیں اور مغربیت سے مرعوب ہیں اس لئے ایسے مصنفین کا جہاد اقدامی کا انکار قابل اعتبار نہیں۔

مقصد جہاد

جہاد کا مقصد یہ ہے کہ دین اسلام کی حکومت قائم ہو اور کفر اس کا تابع دار اور شکر گزار بن کر رہے اور بلا کسی روک ٹوک کے دین کے احکام کو جاری اور نافذ ہو سکیں اور کوئی قوت و طاقت اس کے اجراء و تنفیذ میں حارج اور مزاحم نہ ہو سکے اور لوگوں کو احکام الہٰی کی اطاعت میسر ہو کما قال تعالیٰ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکین اور یہ حق اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ بالا اور برتر ہو کر رہے کیونکہ دین اسلام دین حق ہے اور دیگر ادیان باطل ہیں اور حق کا یہ حق ہے کہ وہ باطل پر حکمران ہو اور باطل حق کے سامنے سرنگوں ہو نجاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ طہارت پر حکومت کرے اور جب

پیشاب عرق گلاب پر حاکم بن جانے تو کچھ لو قیامت قریب آگئی۔

چھاؤنیاں اور فوجی انتظامات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں نہ کوئی چھاؤنی تھی اور نہ لشکر کی تنظیم و ترتیب تھی ہر مسلمان کا گھر اور اس کا محلہ اسلام کی چھاؤنی تھی جب حضور پر نور کا حکم ہوتا کہ فلاں خطہ اور فلاں شہر پر جہاد کے لئے روانہ ہو جاؤ اسی وقت تیر و تلوار لے کر عاشقان اور جانبازانہ اور سرفروشانہ نکل کھڑے ہوتے اور قوت لا یموت کے لئے کچھ کھجوریں اپنے تھیلے میں ڈال لیتے آپ کے بعد صدیق اکبر کے عہد خلافت میں یہی حال رہا پھر جب فاروق اعظم کا دور خلافت آیا اور شام اور عراق اور مصر فتح ہو گئے۔ تو انہوں نے باقاعدہ چھاؤنیاں قائم کیں اور فوج کی تنخواہیں مقرر کیں بصرہ اور فلسطین اور موصل اور حمص اور اردن اور اسکندریہ اس قسم کے بڑے بڑے شہروں میں چھاؤنیاں قائم کیں اور ایک مرکزی چھاؤنی مدینہ منورہ میں قائم کی اور فوجوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور ان کے رجسٹر بنائے فاروق اعظم کے کچھ عرصہ بعد ولید بن عبدالملک نے فوجی انتظامات کو ترقی دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں فوج کا جھنڈا بھی تھا جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

قتل مرتد

جہاد کفار و مشرکین کے علاوہ مرتدین اور ملحدین اور زنادقہ کا قتل اور ان سے قتال یہ بھی جہاد کی ایک قسم ہے جس طرح کفار اور مشرکین سے جہاد اور قتال اسلامی حکومت کا فریضہ ہے اسی طرح مرتدین اور ملحدین کا قلع قمع بھی اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے۔

(مرتد) لغت میں پھر جانے والے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں دین اسلام سے پھر جانے والے کو مرتد کہتے ہیں۔

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے ذمہ اس کا قتل واجب ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ یا ایھا الذین أمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلہ علے المؤمنین اعزہ علے الکافرین یجاھدون فے سبیل اللہ و لا یخافون لومہ لائم۔ اور حدیث میں ہے من بدل دینہ فاقتلوہ یعنی جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو کتب تفسیر اور حدیث میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے

ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبر کے عہد خلافت

میں پھیلا کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے بعضے تو اسلام سے منحرف ہو کر اپنے قدیم مذہب کی طرف لوٹ گئے اور بعضے نبوت اور پیغمبری کے دعویدار بن گئے اور کچھ لوگ ان کے پیرو ہو گئے جیسے اسود عنسی اور مسلیمہ کذاب اور طلیحہ اسدی ان لوگوں نے مرزا غلام احمد کی طرح نبوت کے دعوے کئے صدیق اکبر نے ان تمام مرتدین سے جہاد و قتال کیلئے صحابہ کرام کا لشکر روانہ کیا اور سب کو موت کے گھاٹ اتارا۔ خاص کر جن لوگوں نے نبوت کے دعوے کئے تھے انکو اور انکے متبعین کو خاص طور پر چن چن کر مارا اور مسلیمہ کذاب یمامہ کے مدعی نبوت کے پیرووں کا ایک عظیم گروہ گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا صدیق اکبر نے ان کو باندی اور غلام بنا کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ جن میں سے ایک باندی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا کی حضرت علی کے ایک صاحبزادے محمد بن الحنفیہ اسی باندی کے بطن سے ہیں۔ محمد بن الحنفیہ کے معنی یہ ہیں کہ محمد بیٹے اس باندی کے جو قبیلہ بنی حنیفہ کی تھی اور ایک مدعی نبوت یعنی مسلیمہ کذاب کے قتل کے بعد اسیر ہو کر آئی اور مال غنیمت میں حضرت علی کو ملی یہ محمد بن الحنیفہ حضرت امام حسن اور امام حسین کے علاتی بھائی ہیں

اور ارتداد سے مرتد کا نکاح بھی باطل ہو جاتا ہے خواہ اس کی منکوحہ مسلمہ ہو یا کتابیہ اور اس کا ذبیحہ اور شکار بھی حرام ہے اور اگر مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

اور مرتد کے مال کا حکم یہ ہے کہ اس کا تمام مال سرکاری خزانہ میں داخل کیا جائے اور مال فیئی کی طرح اس کو خرچ کیا جائے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا طریقہ یہی تھا کہ مرتدین اور مدعیان نبوت اور ان کے پیروں کو قتل کرتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مرتدین اور ملاحدہ اور زنادقہ کو جلانیکا حکم دیتے کہ ان کو زندہ آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں حضرت الاستاذ مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہ یہ فرماتے تھے کہ قتل کر کے آگ میں ڈال دیا جائے تو تمام حدیثوں پر عمل ہو جائے گا۔

حکومت کا مرتد

شریعت کی اصطلاح میں مرتد وہ ہے کہ جو دین اسلام سے منحرف ہو جائے اور حکومت کے نزدیک مرتد وہ ہے کہ جو کسی حکومت کی رعایا بننے کے بعد اس حکومت سے منحرف ہو جائے اور اس حکومت کا اور اس حکومت کے دستور اور قانون کا انکار کر دے اور یہ کہے کہ میں اس حکومت کو تسلیم نہیں کرتا تو ایسا شخص حکومت کا مرتد ہے اور اگر اس قسم کے لوگ اپنا جتھہ بنا کر حکومت کا مقابلہ کریں تو ان کے لئے مارشلاء کا قانون ہے کہ جہاں ملیں گولی مار دیئے جائیں اور یہ لوگ ایسی فانی اور مجازی حکومت کے مرتد ہیں جو دوٹوں سے بنی ہے اور اس میں ان لوگوں کے بھی ووٹ شامل ہیں جو اس وقت

حکومت کے مقابلہ میں کھڑے ہیں اور یہ لوگ حکومت کی مخلوق نہیں محض رعایا ہیں ان کا وجود عقل اور فہم سب خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے یہ چیزیں ان لوگوں کو حکومت نے نہیں دی ہیں بلکہ خدا داد ہیں پس جبکہ محدود علاقہ کے مجازی اور فانی حکومت کا مرتد قانوناً واجب القتل ہے۔

تو خداوند احکم الحاکمین کے دین سے مرتد ہونے والا کیوں واجب القتل نہیں کہ جس نے ان کو وجود عطا کیا اور عقل اور فہم دیا اور اس کی حکومت ازلی اور ابدی ہے جس میں زوال اور اختلال کا کوئی احتمال ہی نہیں قوانین سلطنت میں بھی باغی کی سزا ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جو پہلے سے سلطنت کی رعایا نہیں بلکہ کسی مخالف سلطنت کی رعایا ہیں رعایا بننے کے بعد بغاوت کرنا یہ حکومت کا ارتداد ہے اس لئے شریعت میں مرتد کی سزا بہ نسبت کافر اصلی کے سخت ہے۔

ملحد اور زندیق

جو شخص کھلے طور پر اسلام کو نہ مانتا ہو وہ کھلا کافر ہے اور جو شخص ظاہر میں اسلام کا اقرار کرتا ہو مگر نصوص شریعت میں ایسی تاویلیں کرتا ہو جس سے اس کی حقیقت ہی بدل جائے ایسا شخص شریعت کی نظر میں منافق کے حکم میں ہے اس کا حکم بھی وہی ہے جو مرتد کا ہے مرتد کی طرح ملحد اور زندیق بھی واجب القتل ہے اور ایسا شخص قومی مسلمان ہے شرعی مسلمان نہیں

حکومت کا ملحد

جو شخص ظاہر میں قانون حکومت کو تسلیم کرتا ہو مگر ان قوانین میں تاویلیں کر کے ان کے ایسے عجیب و غریب معنی بیان کرتا ہو کہ جو آج تک کسی فاضل جج اور کسی بیرسٹر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے ہوں اور ببانگ دہل یہ کہتا ہو کہ مثلاً سو سال سے فاضل ججوں نے اس قانون کے جو معنی سمجھے اور جو معنی سمجھ کر فیصلے دیئے وہ سب غلط تھے اور عدالت عالیہ کے بیرسٹروں نے جو معنی سمجھ کر اس پر بحثیں کیں وہ سب فضول موشگافیاں تھیں وہ لوگ معصوم نہ تھے اور قانون پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہر شخص کو قانون میں اجتہاد کا حق حاصل ہے ایسا شخص فاضل ججوں کے نظر میں حکومت کا ملحد اور زندیق ہے یعنی چالاک اور عیار ہے اور اس کا یہ تمام بیان ہرزہ سرائی ہے اور اس کی بے حیائی اور ڈھٹائی کی دلیل ہے۔

اسی طرح شریعت کا ملحد اور زندیق وہ شخص ہے جو ظاہر میں توحید و رسالت اور کتاب و سنت کا اقرار کرتا ہو اور زبان سے اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہو مگر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے ایسے عجیب و غریب معانی بیان کرتا ہو کہ جو عہد صحابہ و تابعین سے لیکر اب تک کسی عالم ربانی اور فاضل

یزدانی کے وہم وگمان میں بھی نہ گزرے ہوں اور اپنے گھر میں یا اپنے دفتر میں بیٹھ کر یہ کہتا ہو کہ قانون شریعت پر کسی مولوی اور ملا کی اجارہ داری نہیں وغیرہ وغیرہ اس قسم کا آدمی شریعت کا ملحد اور زندیق ہے۔

درست فرمایا کہ قانون شریعت پر کسی مولوی اور ملا کی اجارہ داری نہیں مگر یہ یاد رہے کہ مولوی اور ملا کسی خاندان اور قبیلہ کا نام نہیں جس نے باضابطہ حکومت کا قانون پڑھا وہ وکیل اور بیرسٹر ہے اور جس نے باضابطہ شریعت کا قانون پڑھا وہ مولوی اور ملا ہے جس طرح بغیر پڑھے کسی کو قانون حکومت کی تفسیر اور تعبیر کا حق حاصل نہیں اسی طرح بغیر پڑھے کسی کو قانون شریعت کی تعبیر اور تفسیر کا بھی حق حاصل نہیں بقدر علم کے ہر شخص کو حق حاصل ہے اور بغیر علم کے کسی کو کوئی حق نہیں۔

اسلامی حکومت کا فریضہ

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ دین اسلام کو اسی حالت میں محفوظ رکھے کہ جس حالت میں اور جس صورت اور ہیئت میں وہ ہم کو صحابہ وتابعین سے پہنچا ہے اس کی صورت اور ہیئت میں تغیر و تبدل کفر ہے وجود انسانی کے لئے روح اور جسم دونوں ہی درکار ہیں کھال کھینچنے کے بعد روح بھی نہیں رہ سکتی لہذا جو لوگ اسلام کی کھال اتار کر یہ کہتے ہیں کہ علماء کو چاہیے کہ اسلام کی روح کو باقی رکھیں اور کھال کی پرواہ نہ کریں سو یہ ملحدوں کی باتیں ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ اسلام کی کھال اتار کر نصرانیت کی کھال اسلام پر چڑھا دیں خوب سمجھ لیں کہ یہ نا ممکن ہے جب اسلام کی کھال کھینچی جائے گی تو اسلام کی روح بھی کھنچ جائے گی۔

ہتھیاروں کا کارخانہ

ہر حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہتھیاروں کا کارخانہ قائم کرے کیونکہ دشمن سے حفاظت کا ذریعہ صرف ہتھیار ہے جب تک فوج کے پاس ہتھیار نہ ہوں وہ جنگ نہیں کر سکتی قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من بأسکم فھل انتم شاکرون۔ سورہ انبیاء

اور سکھایا ہم نے داؤد کو زرہ کا بنانا تاکہ وہ زرہ لڑائی کے موقعہ میں تمہاری حفاظت کر سکے پس کیا اس نعمت کے شکر گزار بنو گے۔

حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو موم بنا دیا تھا کہ وہ اسے موڑ کر زرہیں تیار کرتے جو لڑائی میں کام دیں کیونکہ اس زمانہ میں جنگی دفاع کے لئے فولادی زرہوں کو بحد اہمیت حاصل تھی اس اہم صنعت کی تعلیم من جانب اللہ داؤد علیہ السلام کو دی گئی۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

والناله الحدید ان اعمل سابغات و قدر فی السرد و اعملو صالحاً انی بما تعملون بصیر

اور ہم نے داؤد کے لئے لوہے کو موم کی طرح نرم بنا دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ اس سے کشادہ زرہیں بناؤ اور ان کی کڑیوں کے جوڑ میں اندازے کو ملحوظ رکھو اور اعمال صالحہ میں لگے رہو تحقیق میں تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہوں۔

حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی عطا فرمائی اس لئے ان کو ایسا معجزہ عطا فرمایا جو شان نبوت اور شان بادشاہت دونوں کے مناسب ہو وہ یہ کہ جب لوہا ان کے ہاتھ میں پہنچتا تو موم کی طرح نرم ہو جاتا اور بدون آلات صناعیہ اور بدون آگ کے جس طرح چاہتے ان کو توڑ موڑ لیتے اور ان کو فروخت کر کے گزران معاش کرتے تاکہ بیت المال پر ان کے خرچ کا بار نہ پڑے داؤد علیہ السلام سے پہلے بھی دنیا میں لوہے کی صنعت موجود تھی کاریگر لوہے کو پگھلا کر اس سے زرہیں بناتے تھے جو وزنی اور بھاری ہوتی تھیں اور لوگوں کو ان کا پہننا دشوار ہوتا تھا داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعجازی فضیلت عطا کی کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں پہنچ کر موم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے نہایت ہلکی اور نرم زرہیں بناتے تھے تاکہ میدان جنگ میں سہولت کے ساتھ ان کو پہنا جا سکے اور ان کو پہن کر دشمن سے بخوبی محفوظ رہ سکے۔ حق تعالیٰ نے ان کو یہ معجزہ عطا فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ فراخ اور کشادہ زرہیں تیار کریں اور اس کے حلقوں اور کڑیوں میں تناسب اور اندازہ کو ملحوظ رکھیں چنانچہ وہ زرہیں تیار ہونے کے بعد جسم انسانی پر اونی اور سوتی کپڑے کی طرح چست ہو کر لپٹ جاتی تھیں

حق تعالیٰ نے حضرت داؤد کو جب یہ معجزانہ صنعت عطا فرمائی تو پہلی آیت کے اخیر میں فرمایا فھل انتم شاکرون اشارہ اس طرف ہے کہ ہم نے تمہارے فائدہ کے لئے یہ عجیب صنعت نکال دی ہے تم کو اس نعمت کے شکر سے غافل نہ ہونا چاہیے اور دوسری آیت کے اخیر میں یہ فرمایا واعملو اصالحا انی بما تعملون بصیر اشارہ اس طرف ہے کہ صنعت و حرفت میں پڑ کر صانع حقیقی اور منعم حقیقی کی طرف سے غفلت نہ ہونے پائے ہمیشہ عمل صالح میں لگے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے اس طرح فولادی صنعت کا آغاز ہوا۔

بحری جہاز

دنیا میں سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ایک عظیم کشتی تیار کی جو ان کو پہاڑ جیسی موجوں میں سے لے کر گزر رہی تھی کما قال تعالیٰ فاوحینا الیہ ان اصنع الفلک باعیننا و وحینا و ھی تجری بہم فی موج کالجبال بعد میں ترقی ہوتی رہی بہرحال دنیا

میں جہاز سازی کا افتتاح بحکم خداوندی ایک اولوالعزم پیغمبر نوح علیہ السلام کے ہاتھوں ہوا۔

خدائی ہوائی جہاز

داؤد علیہ السلام کے بعد حق تعالیٰ نے ان کے فرزند ارجمند سلیمان علیہ السلام کو بھی نبوت اور بادشاہت دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور اس کے ساتھ کچھ خصوصی اور امتیازی معجزات بھی دیئے جن میں سے دو معجزے اس وقت قابل ذکر ہیں ایک معجزہ تسخیر ریاح کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اور وہ ان کے زیر فرمان تھی حضرت سلیمان مع ارکان دولت کے ایک تخت پر بیٹھتے اور ہوا کو حکم دیتے کہ وہ اس تخت کو اڑا کر لے جائے چنانچہ وہ ہوا ان کے حکم کے مطابق اس تخت کو اڑا کر لے جاتی یمن سے شام اور شام سے یمن تک ایک مہینہ کی مسافت دوپہر تک طے کر کے پہنچا دیتی گویا کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت بغیر مشین اور بغیر انجن کے بلا اسباب ظاہری کے صرف خدا کے حکم سے ہوائی جہاز سے زیادہ سبک رفتاری کے ساتھ ان کو اڑا کر لے جاتا اور اس کی رفتار ان کے حکم کے تابع تھی اس کے چلانے اور تھمانے کے لئے کسی مشین کو کھولنے اور بند کرنے کی ضرورت نہ تھی جب بشری قوت اور قدرت باوجود کمزوری اور ناتوانی کے ہوائی جواز ایجاد کر سکتی ہے اور اپنی منشاء کے مطابق اس کو چلا سکتی ہے تو کیا خداوند عالم کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے کسی برگزیدہ بندہ کیلئے ہوا کو مسخر کر دے اور اس کے تخت ہی کو ایسا ہوائی جہاز بنا دے جو انجن اور مشین سے بے نیاز ہو اور اس برگزیدہ کی منشاء کے مطابق چلتا ہو

وانہ علیٰ مایشاء قدیر۔

حق تعالیٰ نے اس معجزہ کو قرآن کریم میں اس طرح ذکر فرمایا ہے

و لسلیمان الریح عاصفہ تجری بامرہ الی الارض التی بارکنا فیہا و کنا بکل شئی عالمین۔ سورہ انبیاء

اور سلیمان کے لئے ہم نے تیز ہوا کو مسخر کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے برکت والی زمین کی طرف چلتی یعنی ملک شام کی طرف اور ہم سب چیزوں کے جاننے والے ہیں یعنی جس رفتار سے وہ چاہتے اسی رفتار سے وہ لے جاتی تیز ہونے کو کہتے تو تیز ہو جاتی آہستہ ہونے کو کہتے تو آہستہ ہو جاتی۔

ولسلیمان الریح غدوھا شہر و رواحھا شہر سورہ سباء

اور ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کیا جو صبح کے وقت میں ایک مہینہ کی مسافت طے کرتی تھی اور علیٰ ھذا شام کے وقت میں ایک مہینے کی سافت طے کرتی۔

سلیمان علیہ السلام کا یہ تخت من جانب اللہ ایک ہوائی جہاز تھا کہ جو بلا مشین اور بلا انجن کے محض حکم خداوندی سے چلتا تھا اور دوسرا معجزہ جو سلیمان علیہ السلام کو عطا کیا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے

لئے تانبے کا ایک چشمہ جاری کر دیا کہ جنات اس کو سانچوں میں ڈھال کر بڑے بڑے برتن دیگیں اور لگن وغیرہ تیار کر لیتے جیسا کہ اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔

و اسلنا له عين القطر

اور ہم نے سلیمان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا جس سے بڑی بڑی دیگیں تیار کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ قدرتی طور پر برتنوں کا کارخانہ عطا ہوا اور اس کے علاوہ تسخیر جنات اور تسخیر کائنات کا معجزہ بھی سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا کہ جن اور حیوان ان کے تابع فرمان تھے جس کا مفصل ذکر قران کریم میں موجود ہے تسخیر جنات کا معجزہ سلیمان علیہ السلام کو اس لئے عطا کیا گیا تاکہ عظیم الشان قلعے اور بڑے بڑے سامان آسانی سے تیار کر سکیں چونکہ ایسے بڑے کام مزدوروں اور قلیوں کے لئے مشکل ہیں اس لئے اللہ تعالی نے سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات کو مسخر کر دیا اور علی ھذا قران کریم میں یہ بھی مذکور ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے جہاد کے گھوڑے پیش ہوتے تھے اور آپ ان کا معاینہ فرماتے تھے اور گھوڑوں کو آپ بہت محبوب رکھتے تھے کیونکہ وہ جہاد کا ذریعہ ہیں اور اعداء اللہ سے جہاد و قتال اعلی ترین عبادت ہے اس لئے قرآن کریم میں مسلمان کو سامان جہاد کی تیاری کا حکم نازل ہوا۔

و اعدو الهم ما استطعتم من قوه و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم و اخرين من دونهم لا تعلمو نهم الله يعلمهم و ما تنفقوا من شئى فے سبيل الله يوف اليكم و انتم لا تظلمون

اور اے مسلمانو دشمنوں کے مقابلہ کے لئے جو قوت و طاقت تم جمع اور مہیا کر سکتے ہو وہ تیار کر لو اور پلے ہوئے گھوڑوں کو بھی تیار کرو تاکہ تم اس تیاری اور مستعدی سے خدا کے دشمنوں اور اس کے دین کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو یعنی کفار مکہ کو ڈرا سکو اور قوت طاقت سے عرب کے سوا دوسرے کافروں کو بھی ڈرا سکو جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم راہ خدا یعنی راہ جہاد میں ہتھیاروں کی تیاری پر خرچ کرو گے تم کو اس کا پورا پورا اجر ملے گا اور تمہارے ثواب میں ذرہ برابر کمی نہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ حتی المقدور سامان جہاد تیار کرنا اور ہتھیاروں کا بنانا جس سے مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں ایسی قوت و طاقت حاصل ہو جائے کہ جس سے کفار مرعوب ہو جائیں مسلمانوں پر فرض ہے جہاں تک طاقت اور قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں حتی المقدور اس میں کمی نہ کریں۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑے کی سواری اور شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا یہ سامان جہاد تھا اب اس زمانہ میں توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز اور آبدوز کشتیاں وغیرہ اور آئندہ چل کر جو جو آلات حرب وضرب تیار ہونگے وہ سب اس آیت کے عموم اور منشاء میں بلا شبہ

داخل ہوں گے۔

قال تعالیٰ وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید و منافع للناس

اور ہم نے لوہا اتارا جس میں لڑائی کا سخت سامان ہو اور لوگوں کیلئے اس میں قسم قسم کے فوائد ہیں۔

غرض یہ کہ فولادی صنعت دینی اور دنیوی فوائد پر مشتمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سورت کا نام ہی (الحدید) رکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے آسمان سے کتابیں نازل فرمائیں اسی طرح اس نے لوگوں کے لئے جنگی حفاظت کیلئے لوہا اتارا تاکہ لوگ اس سے جنگی سامان اور قسم قسم کے صنعتی آلات تیار کر سکیں

ہجرت کے بعد جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں تیر و تلوار استعمال فرمائے جو اس زمانہ میں رائج تھے اور جہاد میں برابر وہی طریقہ جنگ جاری رکھا جو بلاد عرب میں جاری تھا۔ ۵ھ میں جب تمام قبائل عرب ایک کمان ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے جس کو غزوہ الاحزاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس وقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کے مشورہ سے جنگ کا ایک جدید طریقہ اختیار کیا جو عرب میں رائج نہ تھا یہ کہ مدینہ کے اطراف میں خندقیں کھودی جائیں اور ان میں بیٹھ کر مشرکین عرب کا مقابلہ کیا جائے اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں چنانچہ ابوسفیان سپہ سالار قریش نے خندقوں کا یہ جال دیکھا تو حیران ہوا اور یہ کہا

واللہ ھذہ مکیدۃ ما کانت العرب تکیدھا

خدا کی قسم یہ جنگ کا عجیب طریقہ ہے عرب کے لوگ اس تدبیر اور اس طریقہ سے واقف نہیں۔

یہ طریقہ کسریٰ اور مجوس کا تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور تمام صحابہ اس میں شریک رہے سب نے مل کر خندقیں کھودیں اور سب کے ساتھ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی خندق سے مٹی کھود کر باہر پھینک رہے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایتوں میں صراحتاً اس کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ دشمنان اسلام سے جنگ اور مدافعت میں اگر عجمیوں اور مجوسیوں کا طریقہ اختیار کیا جائے تو شرعاً جائز ہے۔

پھر ۷ھ میں خیبر کا معرکہ پیش آیا جو یہود کا گڑھ تھا اور خیبر میں یہود کے بہت سے قلعے تھے جو بہت مضبوط اور مستحکم تھے جن کو فتح کرنے میں تقریباً ایک ماہ لگا خیبر کے قلعوں میں ایک صعب نامی قلعہ تھا جب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہو گیا اور اس کے تہ خانوں کی تلاشی لی گئی تو اس میں بہت سا سامان حرب جنگ و ہتھیار مسلمان کے ہاتھ آئے اور اس میں دبابات اور منجنیق بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگی یہ رومی آلات حرب تھے جو قلعہ کشائی کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ یہود کے خود ساختہ

تھے یا رومیوں سے حاصل کئے تھے۔ واللہ اعلم

دبابہ (یعنی لکڑی کا ٹینک)

امام ابن اثیر جزری نہایہ ص ۱۰ ج ۲ میں فرماتے ہیں (دبابہ) ایک آلہ ہے جو لکڑی اور چمڑے سے تیار کیا جاتا ہے اور وہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چند آدمی اسمیں بیٹھ سکیں اور دشمن کے قلعہ کے قریب اسکی دیوار کے دامن میں لیجا کر اس کو کھڑا کر دیں تاکہ اسمیں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگا سکیں اور اس آلہ میں بیٹھنے والے ان تیروں سے محفوظ رہیں جو قلعہ کے اوپر سے پھینکے جارہے ہیں۔ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حدیث عمر میں ہے۔

کیف تصنعون بالحصون قال نتخذ دبابات ید خل فیہا الرجال دیکھو نہایہ ص ۱۰ ج ۲ و مجمع البحار ص ۳۹۴ ج حضرت عمر نے ایک لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں روانہ کرتے وقت دریافت کیا کہ تم دشمن کے قلعوں کے ساتھ کیا کروگے اور انکو کس طرح فتح کروگے تو صحابہ نے عرض کیا کہ دبابے بنا لینگے اور ہمارے مرد انمیں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگا ئینگے یعنی اسطرح دشمن کے قلعوں کو مسخر کریں گے۔
دبابہ کی تعریف آپ نے سن لی آجکل کی اصطلاح میں اسکا نام ٹینک ہے فرق اتنا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ آلہ حرب لکڑی اور چمڑے سے تیار ہوتا تھا اور اس زمانے میں فولاد سے تیار ہوتا ہے۔
حضرت عمر کے اس سوال کے جواب میں کہ کیف تصنعون بالحصون (تم دشمن کے مضبوط قلعوں کو کس طرح مسخر کروگے) صحابہ کا یہ عرض کرنا کہ نتخذ دبابات ید خل فیہا الرجال (ہم دبابے بنا لینگے اور اسمیں بیٹھ کر دشمن کے قلعہ میں نقب لگا لینگے)
یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دبابہ کا بنانا مشکل نہ تھا مسلمان ضرورت کے وقت دبابہ (اس زمانے کے ٹینک) بنانے پر قادر تھے۔

منجنیق (مشین گن) منجنیق پتھر کے آلہ کو کہتے ہیں کہ جسکے ذریعہ سنگباری کی جانے جسکو آج کل کی اصطلاح میں مشین گن کہتے ہیں جتق سے مشتق ہے اور جو شخص اس آلہ کے ذریعہ پتھر پھینکے اس کو جانق کہتے ہیں روایات میں ہے کہ حجاج بن یوسف جب مکہ کا محاصرہ کیا تو اس نے خانہ کعبہ کے سامنے دو منجنیق نصب کئے اور دو جانق اسکے چلانے کے لئے مقرر کئے دیکھو نہایتہ ابن اثیر

اصل عبارت اس طرح ہے الدبابتہ آلتہ تتخذ من جلود و خشب ید خل فیہا الرجل ویقربونہا من الحصن المحاصر لیتقبوہ وتقیہم مایر مون بہ من فوقہم کذا فی النہایہ ص ۱۰\ ج ۲ وکذا فی مجمع البحار ص ۳۹۴\ ج ؛ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے بھی الدر منثیر ص ۱۰\ ج ۲ مطبوعہ بر حاشیہ نہایہ میں بھی شرح کی ہے

ص ۱۸۳ ج ۱ اور الدر النثیر مولفہ شیخ جلال الدین سیوطی مطبوعہ بر حاشیہ نہایہ ص ۱۸۳ ج ۱ اور دیکھو مجمع البحار ص ۲۱۵ ج ۱۔

خلاصہ کلام

یہ کہ غزوہ خیبر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے قلعہ صعب فتح ہو جانیکے بعد اس قلعہ میں سے کچھ منجنیقیں ملیں جو رومیوں کے آلات حرب تھے اس کے بعد جب خیبر کے دو قلعے وطیح اور سلالم کی فتح میں دشواری پیش آئی اور چودہ دن کے محاصرہ کے بعد بھی یہ قلعے فتح نہ ہونے تو کتب سیر میں لکھا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ ارادہ فرمایا کہ ان لوگوں پر منجنیق نصب کیجانے مگر اسکی نوبت نہیں آئی اور یہ قلعے بحمدہ تعالے بغیر منجنیق کے نصب کے ہی فتح ہوگئے۔
بہرحال آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ان آلات کے استعمال کا ارادہ فرمانا ہی اسکے جواز اور مشروعیت کی دلیل ہے ۸ ھجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا فتح مکہ کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم طائف کیطرف روانہ ہوئے اور بارہ ہزار صحابہ آپ کے ہم رکاب تھے جا کر طائف کا محاصرہ کیا تقریباً بیس روز محاصرہ رہا جب فتح میں دشواری ہوئی تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کے مشورہ سے اپر منجنیق نصب کی۔

قال الواقدی قالو اشاور صلی اللہ وسلم اصحابہ فقال لہ سلمان یا رسول اللہ اری ان تنصب المنجنیق علی حصنہم فافا کنا بارضنا نتصب المنجنیقات علی الحصون و تنصب علینا فنصیب من عدونا ویصیب منا وان لم یکن منجنیق طال الثواء بفتح المثلثہ ای الاقامہ فامرہ صلے اللہ علیہ وسلم فعمل منجنیقا بیدہ فنصبہ علے حصنہم۔ اھ زرقانی شرح مواھب ص ۳۱ ج ۳

واقدی کہتے ہیں کہ لوگوں کا بیان ہے کہ غزوہ طائف کے محاصرہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے سلمان فارسی نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان لوگوں پر منجنیق نصب کیجانے کیونکہ جب ہم سرزمین فارس میں تھے اور دشمن سے مقابلہ ہوتا تو ہم انکے مقابلہ کے لئے منجنیق نصب کرتے اور وہ ہمارے مقابلہ کے لئے منجنیق نصب کرتے اور مقابلہ ہوتا اور وہ بھی زخمی ہوتے اور ہم بھی زخمی ہوتے اسلئے میری رائے یہ ہے کہ اہل طائف کے مقابلہ میں منجنیق نصب کیجانے ورنہ قیام طویل ہوجائیگا پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلمان کو منجنیق بنانے کا حکم دیا اور سلمان نے منجنیق بنائی اور بنا کر ان کے قلعہ میں نصب کی۔ دیکھو زرقانی شرح مواہب ص ۳۱ ج ۳

علامہ زرقانی فرماتے ہیں (۱) کہ اسلام میں یہ پہلی منجنیق تھی جو دشمنوں کے مقابلہ میں نصب

گیگی اور دنیا میں سب سے پہلے منجنیق نمرود نے ابراہیم علیہ اسلام پر آگ پھینکنے کے لئے استعمال کی اور یہ منجنیق۔ نمرود نے ابلیس کے مشورہ سے تیار کی تھی۔ دیکھو زرقانی ص ۱۳۱ ج ۳۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور نسائی میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کا رخ کیا تو آپ کے پاس ہتیاروں کی کمی تھی تو آپ نے سو زرہیں مع سازوسامان کے صفوان بن امیہ سے مستعار لیں جو اسوقت مشرک تھے اور فرمایا کے اے ابو امیہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لئے جارہے ہیں ہمکو ہتھیار درکار ہیں تو یہ ہتھیار ہمکو مستعار دیدے جنگی واپسی کا میں ذمہ دار ہوں۔

اور علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن حارث بن عبد المطلب سے تین ہزار نیزے مستعار لیے اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ نیزے مشرکین کی کمر توڑ دینگے دیکھو زرقانی شرح مواہب ص ۷ ج ۳۔

معلوم ہوا کہ عند الفردہ کافروں سے اسلحہ کا مستعار لینا بھی جائز ہے اور جب مستعار لینا جائز ہوا تو خریدنا بدرجہ اول جائز ہے

غرض یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تیر و تلوار کے علاوہ آلات حرب بھی استعمال کیے اور صحابہ کو ان کے بنانے کا حکم بھی دیا۔

اور آپ کے بعد جب فاروق اعظم کو شام اور عراق کی مہم پیش آئی تو آپ نے صحابہ کو قلعہ شکن دبابوں کے بنانے اور استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اور قرآن کریم نے اعداء اللہ کے مقابلہ کے لئے قوت و طاقت کی فراہمی کا قطعی حکم دیدیا اب اگر کوئی اسلامی حکومت اس سے غفلت برتے تو یہ تصور اس کا ہے۔ اسلام کا کوئی قصور نہیں۔

جنگ میں احتیاطی تدابیر کا حکم

حق تعالے نے جب جہاد کا حکم دیا تو اسکے ساتھ احتیاطی تدابیر کا بھی حکم دیا۔

قال تعالے یا ایہاالذین آمنوا خذوا احذرکم فانفروا اثبات اوانفروا جمیعا

قرطبی ص ۲۷۳ ج ۵

اے ایمان والو لڑائی میں احتیاط رکھو یعنی دشمنوں کے داؤ گھات سے ہوشیار رہو ہتیار اور تلوار اور ڈھال سے

اصل عبارت یہ ہے فحاصرہم (اہل الطائف) ثمانیہ عشر یوما وقیل عشرین یوما ونصب علیہم المنجنیق وہو اول منجنیق رمی بہ فی الاسلام واما اول منجنیق رمی بہ فمنجنیق ابراہیم الخلیل عملہ ابلیس لما ارادوا رمیہ صلے اللہ علیہ وسلم دیکھو زرقانی ص ۱۳۱ ج ۳

بھی درست رہو پھر پوری احتیاط اور تیاری کے ساتھ جہاد کیلئے نکلو خواہ متفرق طور پر یا مجتمع طور پر
واذا کنت فیہم فاقمت لہم الصلاۃ فلتقم طائفۃ منہم معک ولیا خذوا اسلحتہم
اور جب آپ انمیں تشریف فرما ہوں اور ان کو نماز پڑھائیں تو ان کو چاہئے کہ ان کا ایک گروہ آپکے ساتھ نماز کیلئے کھڑا ہو اور ان کو چاہئے کہ نماز میں بھی ہتیار لیے رہیں۔
پھر آئندہ آیت میں اور مزید احتیاط کا حکم دیتے ہیں۔
وخذ واحذر کم ان اللہ اعد للکافرین عذابامھینا۔ اور اپنے بچاؤ اور احتیاط کو لیے رہو تحقیق اللہ تعالی نے کافروں کیلئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ جنگی تدابیر اور احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا یہ بھی حکم خداوندی ہے جس سے غفلت جائز نہیں۔

محکمہ صنعت و حرفت

دنیاوی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جس صنعت و حرفت کی ضرورت ہے وہ شرعاً مسلمانوں پر فرض علی الکفایہ ہے تاکہ مسلمانوں کی دینوی ضرورتیں مسلمانوں ہی سے پوری ہو سکیں اور کافروں کی احتیاج نہ رہے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسب حلال روزی کا کمانا۔ فریضہ خداوندی کے بعد فرض ہے اور وہ صنعتیں جن کے بغیر لوگوں کا کام نہیں چل سکتا مثلاً جولاہا و لوہار و سنار اور بڑھئی اور کفش دوز وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی صنعتیں اور ان کی تعلیم و تحصیل مسلمانوں پر فرض علی الکفایہ ہے جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حضرات انبیاء اور صحابہ و تابعین اور اولیاء اور متقین حلال پیشہ ہی سے رزق حاصل کرتے تھے اور اسمیں کچھ عار نہیں جانتے تھے۔ دنیا میں سب سے پہلے کشتی نوح علیہ السلام نے بنائی۔ کماقال تعالے وحیناالیہ ان اصنع الفلک باعیننا۔ نیز قرآن کریم میں ہے کہ داؤد علیہ اسلام زرہیں بناتے تھے اور اپنے ہاتھ کی مزدوری سے کھاتے تھے۔ کما قال تعالے وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من باسکم۔ والنالہ الحدیدان اعمل سابغات و قدر فے السرد۔ ہر ایک صنعت کی اشاعت اور اسکی ترویج اسلامی حکومت کا فریضہ ہے تاکہ لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوں اور کسی ضرورت میں مسلمان کافروں کے دست نگر نہ رہیں۔

رفاہ عامہ

شریعت اسلامیہ میں رفاہ عامہ مثلاً سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور کمزوروں اور معذوروں کی امداد اسلامی

ریاست کے فرائض میں سے شمار کی گئی ہے۔ اسکے احکام بھی کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔

محکمہ آباد کاری

جب کافروں نے مسلمانوں کو یہ دھمکی دی کہ ہم تمکو اپنی زمین سے نکال دینگے تو اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔

وقال الذین کفر والرسلہم لنخرجنکم من ارضنااو لتعودن فی ملتنا فاوحی الیہم ربھم لنھلکن الظالمین ولنسکنکم الارض من بعد ہم ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید

کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمکو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں شامل ہوجاؤ پس اللہ تعالے نے پیغمبروں کی تسلی کے لئے وحی نازل فرمائی کہ تم گھبراؤ نہیں کہ ہم انہی ظالموں کو تباہ و برباد کر دینگے اور پھر انکے ہلاک ہونیکے بعد اسی سرزمین میں تم کو آباد کرینگے اور یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈریں اور میری وعید سے ڈریں۔

اصلاح معاشرہ

اسلامی ریاست میں اصلاح معاشرہ کے لیے نکاح اور طلاق اور نان و نفقہ اور اس قسم کی ضروریات کے مسائل اور احکام تفصیل کے ساتھ موجود ہیں فقہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جن میں ان احکام کی تفصیل نہ ہو۔

اصلاح اخلاق واعمال

اسلامی ریاست کے دستور کا ایک اہم اصول محکمہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے جو لوگوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔ آجکل اسلامی حکومتوں میں اصلاح معاشرہ اور اصلاح اخلاق و اعمال کے لئے نہ کوئی شعبہ ہے اور نہ کوئی مد ہے دن رات آوارگی اور اوباشی میں اضافہ ہورہا ہے اور مسلمانوں میں دولت مند طبقہ۔ فحاشی میں مغربی ممالک کے نقش قدم پر جارہا ہے۔ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما۔ آمین

آرام گاہیں اور مسافر خانے

اسلام نے حکومت کو اور افراد کو اس کا حکم دیا ہے کہ وہ جابجا مسافر خانے اور کنویں بنوائیں تاکہ

مسافروں کو سفر میں سہولت ہو اور ہوٹل کی ضرورت نہ ہو ہر شخص کے پاس اتنا خرچ نہیں ہوتا کہ وہ کرایہ ادا کر سکے۔

سیاست داخلیہ و سیاست خارجیہ

اندرون ملک کے انتظام کے لئے حدود و تعزیرات ہیں جو ملک کے اندرونی امن کے محافظ ہیں اور بیرون ملک اور بین الاقوامی معاملات کے لئے کتاب الجہاد اور کتاب الصلح کے ابواب ہیں جن میں جنگ اور صلح اور عہد ناموں کے احکام کتاب اللہ وسنت نبوی اور سنت خلفاء راشدین کی روشنی میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ کتب فقہ میں جنکی تفصیل موجود ہے مغربی دستور و قانون میں ممکن ہے کے صلح اور جنگ کے کچھ قوانین ہوں مگر جنگ اور صلح کے ایسے مفصل قوانین اور احکام جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہیں وہ دنیا کی کسی حکومت کے پاس نہیں اگر ہیں تو دکھائیں اور بتائیں اور علی ہذا جرائم اور جنایات کے احکام اور انکے متعلق حدود و تعزیرات کی تفصیل جسقدر کتب فقہ میں موجود ہے وہ دنیا کے کسی قانون میں نہیں۔

امام محمد رحمتہ اللہ کی کتاب سیر کبیر کا موضوع ہی سیاست خارجیہ کے احکام کا بیان کرنا ہے کہ غیر قوموں سے کسی طرح جنگ کیجائے اور کس طرح اور کن شرائط پر معاہدہ اور صلح کی جائے۔ امام سرخسی نے چار جلدوں میں اسکی شرح لکھی ہے جو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے چالیس سال پہلے شائع ہو چکی ہے۔

حدیث میں ہے کل صلح جائز الا صلحًا احل حراما او حرم حلا لا ۔ یعنی کافروں سے ہر صلح جائز اور درست ہے مگر جو صلح کسی حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال بنا دے وہ صلح جائز اور درست نہیں۔ لہذا اگر مسلمان اپنے دینی احکام سے ایک انچ ہٹ کر بھی کوئی معاہدہ کریں تو وہ معاہدہ شرعاً معتبر اور قابل قبول نہیں مسلمان کا کوئی کام رضاء خداوندی کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتا اور جس معاہدہ کی بنیاد لوگوں کی رضا جوئی اور خالق کی ناراضی پر ہو وہ کسی طرح پائدار نہیں ہو سکتا حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالے کی ناراضی کے طریقہ کو لوگوں کی رضا مندی کے لئے اختیار کرے تو خدا تعالے انہیں لوگوں کو اسکی تباہی اور بربادی کے لئے مسلط کر دیتا ہے۔

صوبوں کی تقسیم اور ولاۃ یعنی گورنروں کا تقرر

حکومت کے لوازم میں سے ہے کہ حکومت کو مختلف ولایات یعنی صوبوں پر تقسیم کیا جائے اور ہر جگہ ایک والی (گورنر) مقرر کیا جائے جسکے ماتحت اور حکام ہوں تاکہ کارخانہ حکومت ٹھیک طرح سے چل

سکے ۔ حق جل شانہ نے جب آپ کو منصب نبوت و رسالت کے علاوہ آسمانی بادشاہت سے بھی سرفراز فرمایا ۔ اور عرب کا ایک بڑا علاقہ آپ کے زیر نگین آیا حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین سب کا سب دارالاسلام بن گیا اور اس تمام علاقہ پر اسلام کی حکومت قائم ہوگئی تو اسوقت مدینہ منورہ تو اسلامی حکومت کا مرکز تھا اور باقی علاقے اسکے ماتحت صوبے اور ضلع تھے اور آپ نے ہر علاقہ کے انتظام و انصرام کے لئے والی مقرر فرمائے ۔ تاکہ وہ والی اس علاقہ کا احکام شریعت کے مطابق انتظام کرے اور رعایا کی جان و مال کی حفاظت کرے اور ان کے دین کی بھی حفاظت کرے کہ مذہب اسلام میں کوئی تغیر و تبدل نہ کر سکے اور انکی دینی تعلیم کا انتظام کرے اور والی کو چاہئیے کہ وہ مسلمانوں کو خود نماز پڑھائے یا کم از کم کسی کو اپنا نائب مقرر کرے اور اگر وہ صوبہ سرحدی علاقہ ہے تو سرحد کی حفاظت اور نگرانی بھی والی (گورنر) کا فرض ہے اور اپنے صوبہ میں حقوق العباد کو قائم کریں۔ یہ سات امور خاص طور پر صوبہ کے گورنر کے فرائض میں داخل ہیں۔

آں حضرت صلے علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا والی (گورنر) عتاب بن اسید کو مقرر کیا جو وہاں کے مسلمانوں کے دین و دنیا کا انتظام کرتے تھے اور مسجد حرام میں خود نماز پڑھاتے تھے عہد رسالت میں جو گورنر ہوتا تھا وہ مسجد کا امام اور خطیب بھی ہوتا تھا اور یمن کا والی (گورنر) معاذ بن جبل کو بنایا جو ملکی انتظام بھی کرتے تھے اور لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور دین کی تعلیم بھی دیتے تھے اور پنج وقتہ نمازیں بھی پڑھاتے تھے ۔

پھر آپ کی وفات کے بعد صدیق اکبر نے اسلامی مملکت کو تین ولایتوں پر تقسیم کیا ایک حجاز دوسری یمن اور تیسری بحرین اور ہر ایک کے لئے ایک ایک والی اور گورنر مقرر کیا اور پھر ہر ولایت (صوبہ) کے تحت میں اضلاع قائم کئے اور وہاں حکام اور قاضی مقرر کئے پھر صدیق اکبر کے بعد فاروق اعظم خلیفہ ہوئے وہ بھی اسی روش پر چلے جو صوبہ کا والی (گورنر) ہوتا وہ مسلمانوں کے دین و دنیا کا انتظام کرتا اور پنج وقتہ نمازوں میں مسلمانوں کی امامت بھی کرتا اور جمعہ کا خطبہ وہی دیتا۔ گورنر بھی ہے اور مسجد کا امام اور خطیب بھی ہے ۔

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے ۔

لو لا الخليفی لاذنت اگر خلافت کے مشاغل نہ ہوتے تو امامت نماز کے علاوہ مسجد نبوی کا مؤذن بھی میں ہوجاتا مطلب یہ تھا کہ مسجد کا امام تو اب بھی ہوں اگر فرصت ہوتی تو مسجد کا ملا بھی بن جاتا تاکہ امامت اور اذان دونوں کا اجر مجھ کو حاصل ہوتا۔

پولیس

پولیس بھی ایک قسم کی فوج ہے ۔ مگر پولیس اور فوج میں فرق یہ ہے کہ فوج خارجی امن کی حفاظت

کیلئے ہے اور پولیس داخلی امن کی حفاظت کے لئے کہ اندرون شہر رعایا کی جان اور مال اور آبرو کی حفاظت کرے اور چوروں اور رہزنوں اور اوباشوں سے انکی پاسبانی کرے اور پولیس کا فرض یہ ہے کہ دن سے بڑھ کر رات میں اہل شہر کی پاسبانی کرے لیکن اب حال یہ ہے کہ اگر کوئی مصیبت زدہ پولیس کی طرف رجوع کرے تو وہاں کا حال دیکھ کر یہ شعر پڑھتا ہے۔

گراز چنگاں گرگم در ربودی
چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

جیل خانہ

جیلخانہ اس خاص جگہ کا نام ہے جہاں مجرم کو بطور سزا رکھا جائے اور مجرم وہ ہے کہ جس نے دیدہ دانستہ قانون حکومت کی خلاف ورزی کی ہو۔ قرآن کریم میں رہزنوں کے متعلق یہ لفظ آیا ہے۔ اوینفوا من الارض۔ اس سے حبس اور قید مراد ہے تفصیل کے لئے کتب تفسیر کو دیکھیں۔

اسلام کا مالیاتی نظام

جو لوگ مذہبی تعلیم سے معریٰ اور مغربی تعلیم سے سرشار ہیں وہ دین اسلام کے بارہ میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا شکار ہیں منجملہ ان کے ایک شبہ یہ ہے کہ اسلام نے مالیات اور اقتصادیات کا کوئی نظام اور حل پیش نہیں کیا۔

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حجاز اور نجد اور یمن کا کل علاقہ اور بحرین کا علاقہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فتح ہو چکا تھا جس کا مجموعی رقبہ ہندوستان و پاکستان کے رقبہ کے برابر ہے اور ایک طرف صنعاء اور عدن تک کا علاقہ اور دوسری طرف تبوک کا تمام علاقہ جسکی سرحد شام سے ملتی ہے اسلام کے زیر نگین آچکا تھا۔ اور جس خداوند ذوالجلال نے اپنے کمبل والے نبی اور بے سروسامان درویشان اسلام کو بلا کسی مادی طاقت کے چند سال کے عرصہ میں اسقدر طویل وعریض رقبہ پر فرمانروائی اور حکمرانی عطا فرمائی اسی خداوند ذوالجلال نے اس سلطنت کے مالی اور اقتصادی نظام کے لئے آسمان سے بھی احکام نازل فرمائے۔

چنانچہ حضور پر نور نے حسب حکم خداوندی مسلمانوں کے مالوں اور زمینوں سے زکوہ اور عشر لیا اور کافروں سے خراج اور جزیہ لیا اور اسکے لئے محصلین اور عاملین مقرر کئے اور رعایا کے مقدمات کے فیصلوں کے لئے قاضی اور والی مقرر کئے اور مسلمانوں کی تعلیم کیلئے عالم اور قاری اور حافظ مقرر کئے جنکو تنخواہیں بھی دیں اور ہجرت کے بعد دس سال تک غیر قوموں سے جنگ بھی کی اور صلح بھی اور جنگ

کے لئے فوج بھی رکھی اور ہتیار بھی استعمال کئے۔

کیا اس طویل و عریض مفتوحہ علاقہ کا اندرونی اور بیرونی نظام بدون کسی مالی نظام کے چل رہا تھا اس لئے ہم نہایت اختصار کے ساتھ اسلام کے مالیاتی نظام کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں۔تاکہ لوگ اسلامی محاصل کا مغربی محاصل سے موازنہ کرکے یہ معلوم کرلیں کہ اسلام نے رعایا پر جو محاصل قائم کئے ہیں وہ کم سے کم ہیں اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کے کفیل اور ذمہ دار ہیں۔ اسلامی حکومت نے رعایا پر صرف بقدر ضرورت محاصل عائد کئے ہیں جن سے حکومت کی گاڑی چل سکے اور اسکے علاوہ ملک کی کل پیداوار اور آمدنی رعایا کے منافع اور فوائد کے لئے چھوڑدی ہے تاکہ رعایا ایسی مرفہ الحال ہو کہ اسے کسی بینک یا کسی اتحاد باہمی کے انجمن کی ضرورت ہی نہ پڑے اور اسکے برعکس آج کل کی متمدن حکومتوں نے رعایا کو ٹیکسوں میں اسقدر جکڑ بند کردیا ہے کہ خون پسینہ بہانے کے بعد رعایا کے لئے اپنی زراعت اور تجارت اور صنعت سے صرف بقدر کفایت رہجانے باقی پیداوار آمدنی کا بیشتر حکومت کو ملجانے اور اس کروڑہا کروڑ حاصل شدہ محاصل کا زیادہ حصہ ان لوگوں کے حصے میں آجاتا ہے جو حکومت سے وابستہ ہیں اور باقی عام رعایا ان منافع و فوائد سے محروم رہتی ہے۔

اب سنئے کہ اسلامی مملکت کے وسائل آمدنی کیا تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب کتاب الخراج ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد رشید قاضی ابویوسف نے خلیفہ ہارون رشید کی درخواست پر لکھ کر پیش کی جسمیں حکومت کے انتظام اور آب پاشی اور نظام محصولات اور قوانین جرائم پر مفصل کلام کیا اس سلسلہ میں یہ پہلی کتاب تھی۔اسکے بعد جو علماء آئے انہوں نے اسلام کے مالیاتی نظام پر مفصل کتابیں لکھیں انمیں سے ایک مفصل کتاب کتاب الاموال مصنفہ ابوعبید القاسم بن سلام ہے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو اموال فوج اور فقراء اور مساکین اور دیگر مصالح مسلمین اور ملکی نظام پر خرچ کرتے تھے ان کے ذرائع آمدنی حسب ذیل تھے۔

(۱) زکوۃ و صدقات (۲) عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ یا بیسواں حصہ (۳) غنائم کا خمس یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ (۴) مال فیئی (۵) خراج (۶) جزیہ (۷) معادن اور خزائن و دفائن یعنی کانیں اور دفینے جس میں سونے اور چاندی کی اور نمک کی کانیں اور تیل اور پٹرول کے چشمے بھی داخل ہیں۔ (۸) افتادہ زمینیں جن کو اصطلاح شریعت میں ارض موات کہتے ہیں۔(۹) اقطاعات یعنی جاگیریں۔(۱۰) محاصل تجارت یعنی چنگی اور کسٹم جو تجارتی مال کی درآمد و برآمد پر لیا جاتا ہے۔

ان تمام اقسام کے احکام کتب فقہ میں بالتفصیل مذکور ہیں۔اور بقدر ضرورت الاحکام السلطانیہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں۔اسوقت ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان اقسام عشرہ کے متعلق کچھ عرض کرتے ہنیں۔تاکہ اجمالی طور پر مالیات مملکت کے متعلق طریقہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم معلوم

ہو جائے۔

(۱) زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا دوسرا رکن ہے جو نماز کے بعد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کافر پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہوتی ہے جو خود بڑھتا ہو یا کام کر کے اسے بڑھایا جاسکتا ہو تاکہ صاحب مال اور اسکا مال پاک ہو جائے زکوٰۃ کے معنی طہارت کے ہیں۔

قابل زکوٰۃ مال کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہر۔ اور پوشیدہ

ظاہر سے وہ مال مراد ہے جس کا اخفاء یعنی پوشیدہ رکھنا ممکن نہ ہو جیسے کھیتی بیل بکری اور چوپائے اور پوشیدہ سے وہ مال مراد ہے جس کا اخفاء ممکن ہو جیسے سونا چاندی اور سامان تجارت وغیرہ۔

مال باطن یعنی سونے چاندی کے متعلق حکومت اور حاکم کو تعرض کرنیکا کوئی حق نہیں ارباب مال خود ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں ہاں اگر برضاء و رغبت خود حاکم کو دینا چاہیں تو جائز ہے (بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو اور ثقہ اور امین ہو خائن نہ ہو) لیکن تقسیم کرنے میں اسکے شریک اور معاون رہیں حاکم کے اختیارات مال ظاہر کے ساتھ مختص ہیں مال باطن کی زکوہ اور اس کا صدقہ بیت المال کے حقوق میں داخل نہیں ارباب اموال کو مال ظاہر کی زکوہ حاکم کو دینا جب جائز ہے کہ وہ حاکم مسلمان ہونیکے علاوہ عادل اور امین ہو جس پر اطمینان ہو کہ یہ شخص زکوہ کی تقسیم میں خیانت نہیں کرے گا اور جن مصارف اور مواقع میں زکوہ کے خرچ کرنیکا حکم دیا گیا ہے انہیں مواضع میں خرچ کرے گا۔ ان کے علاوہ کسی اور جگہ زکوہ کا مال خرچ نہیں کرے گا جو شریعت کی رو سے زکوہ کا مستحق نہیں اور مستحقین زکوہ کا ذکر حق تعالے نے اس آیت میں کیا ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفہ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل عامل اگر تقسیم زکوہ میں خیانت کرے اور رب المال کو اسکا علم ہو جائے تو قاضی کے یہاں اس کا دعویٰ ہو سکتا ہے زکوہ خاص فقراء کا حق ہے اور ادائیگی زکوہ کے لئے تملیک (یعنی فقیر کو بلا کسی عوض کے پوری طرح مالک بنا دینا شرط ہے۔

اور اموال زکوہ باعتبار مالیت کے چار قسم کے ہیں جنپر زکوہ فرض ہے۔

(اول) دراہم و دنانیر یعنی سونا چاندی۔

(دوم) اموال تجارت با ہمہ اقسام۔

(سوم) مویشی یعنی جانور۔ اونٹ۔ گائے۔ بھینس۔ بکری بھیڑ۔

(چہارم) زرعی پیداوار یعنی غلے اور درختوں کے پھل۔

نصاب زکوۃ

یہ چار چیزیں ہیں جن پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور ہر مال کی زکوۃ میں اس امر کی رعایت رکھی گئی ہے کہ جس مال کی تحصیل میں مشقت کم ہے اسمیں زکوۃ زیادہ ہے اور جسمیں مشقت زیادہ ہے اس میں زکوۃ کی مقدار کم ہے سونا اور چاندی اور مال تجارت کے لئے طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے انکی زکوۃ ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ ہے اور زمین کی پیداوار کی زکوۃ عشر یا نصف العشر پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ ہے۔

مصارف زکوۃ صرف مسلمان

مال زکوۃ کا مصرف وہ لوگ ہیں جنکے بارہ میں آیت قرآنی انما الصدقات نازل ہوئی یعنی مسلمان فقراء و مساکین اور یتیم اور مسافر۔ غیر مسلم کو زکوۃ نہیں دیجا سکتی۔

شریعت کی نظر میں زکوۃ عبادت ہے لہذا صرف مسلمان فقیروں پر خرچ کیجائیگی غیر مسلم کا اس میں کوئی حق نہیں۔

زکوۃ کے چاروں قسموں کے مصرف مسلمان فقیر اور مسکین ہیں غیر مسلم کو زکوۃ نہیں دیجا سکتی۔

۲ ۔ عشر و نصف عشر

یعنی پیداوار کا دسواں حصہ یا بیسواں حصہ۔

عشر کے معنی دسویں حصہ کے ہیں اور نصف العشر کے معنی بیسواں حصہ ہیں۔

زمین کی پیداوار کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ جو پیداوار بارش کے پانی یا چشموں کے پانی سے ہو اسمیں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ ہے اور جس کھیت کو بڑے ڈول یا رہٹ سے پانی دیا جائے اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے کیونکہ جس جگہ محنت اور مشقت کم ہے اور پیداوار زیادہ وہاں لگان زیادہ کیا گیا اور جہاں محنت اور مشقت زیادہ اور پیداوار کم وہاں لگان میں تخفیف کر دیگئی۔

عشر و نصف العشر کے مصارف

عشر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوۃ کے مصارف ہیں اور جس طرح زکوۃ میں یہ شرط ہے کہ بلا کسی معاوضہ خدمت کے مسلمان فقیر و مسکین کو اس کا مالک بنا دیا جائے اسی طرح عشر کی ادائیگی بھی اسی طرح ہوگی۔ کہ کسی فقیر و مسکین کو اس کا مالک بنانا ضروری ہوگا۔

۳۔ غنائم کا خمس

یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو مال جنگ کے بعد کفار سے قہر اور غلبہ سے مسلمانوں کو ملے اسے مال غنیمت کہتے ہیں ازروئے قرآن و حدیث اس کا حکم یہ ہے کہ کل مال غنیمت کا ۱\۵ یعنی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہوتا ہے جسکو بیت المال یتیموں اور مسکینوں اور بے سروسامان مسافروں پر خرچ کرنے کا پابند ہے اور خمس نکالنے کے بعد مال غنیمت کے جو چار حصے باقی بچے وہ فاتحین اور غانمین پر تقسیم کردئے جائینگے۔

پھر اموال غنیمت دو طرح کے ہیں ایک اموال منقولہ یعنی دولت اور سازوسامان اور دوسرے اموال غیر منقولہ۔ یعنی زمین و جائداد۔ اموال منقولہ میں تو خمس نکالنے کے بعد تمام ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ باقی چار خمس مجاہدین اور غانمین پر تقسیم کردئے جائنگے۔

اور اموال غیر منقولہ یعنی زمین و جائداد کے متعلق ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اموال منقولہ کی طرح اموال غیر منقولہ بھی مجاہدین اور غانمین کا حق ہیں انہیں پر تقسیم کئے جائیں امیر مملکت بغیر ان کی اجازت کے انمیں تصرف نہیں کرسکتا۔

اور امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اموال غیر منقولہ یعنی زمین جائداد کے بارہ میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ چاہے اس زمین و جائداد کو مجاہدین اور غانمین پر تقسیم کرے۔ اور چاہے مفتوحہ زمینوں کو بیت المال کیلئے محفوظ رکھے۔ تاکہ ان کی آمدنی سے ملکی ضروریات پوری ہوسکیں اور فوج اور تعلیم اور دیگر ضروریات اس سے انجام پاسکیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو زمینیں فتح ہوئیں کبھی آپ نے ان کو مجاہدین پر تقسیم کیا اور کبھی نہیں

(۱) بنی نضیر کی زمینیں بطورنی کے آپکو ملیں آپ نے ان کو تقسیم نہیں فرمایا انکی آمدنی بقدر اپنی خانگی اور کنبہ کی ضروریات کے نکالنے کے بعد مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ کی۔

(۲) بنی قریظہ کی زمینیں بعد مقابلہ اور مقاتلہ فتح ہوئیں آپ نے ان میں سے خدا کے نام کا خمس (پانچواں حصہ) نکالنے کے بعد تمام زمینیں مہاجرین پر تقسیم کردیں اس لئے کہ مہاجرین حاجتمند تھے انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو اس میں سے حصہ دیا سہل بن حنیف۔ ابودجانہ، حارث بن صمہ کیونکہ یہ حضرات بھی حاجتمند تھے

(۳) خیبر فتح ہوا جس کی غنیمت میں سب سے بڑی چیز زمین تھی اس کی تقسیم آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ اس کو چھتیس سہام پر تقسیم کیا اور ایک ایک سہام میں سو سو حصہ مقرر کیا پھر اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ سہام کو تو مجاہدین پر تقسیم کردیا اور دوسرا نصف یعنی

باقی ماندہ اٹھارہ سہام کو علیحدہ محفوظ کر دیا یعنی انکو مسلمانوں پر تقسیم نہ کیا بلکہ اس کو وفود اور نوائب اور دیگر ملکی ضروریات کیلئے محفوظ کر لیا اور تاکہ اس کی آمدنی سے ملکی ضروریات پوری ہو سکیں

آپ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے حضرت عمر نے یہ سمجھا کہ اراضی مفتوحہ کا غانمین پر تقسیم کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کی تقسیم امیر مملکت کے اختیار اور صوابدید پر ہے اس لئے جب سواد عراق فتح ہوا تو حضرت عمر نے وہاں کی زمینیں ان کے مالکوں کے ہاتھوں میں رہنے دیں اور ان پر خراج مقرر کر دیا تاکہ اس سے ملکی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور ان مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا

حضرت بلال یہ چاہتے تھے کہ خیبر کی طرح عراق کی زمینیں بھی غانمین پر تقسیم کی جائیں حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر اموال منقولہ کی طرح تمام زمینیں بھی غانمین پر تقسیم کر دوں تو فوج کا خرچ کہاں سے لاؤنگا اور مصر اور شام اور عراق کی سرحدوں پر جو چھاونیوں کی ضرورت ہے اس کا خرچ کہاں سے لاؤنگا اور دیگر ملکی ضروریات کہاں سے پوری کروں گا اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی ضرورتیں کہاں سے پوری ہونگی حضرت عمر یہ فرماتے تھے کہ اگر یہ زمینیں فاتحین کے درمیان تقسیم کر دی گئیں تو بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے کوئی سرمایہ نہ رہے گا جس سے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں جہاد کر سکیں اور یہ بھی فرمایا کہ آئندہ اس قسم کی زرخیز زمینوں کی فتح کی مجھے امید نہیں سبحان اللہ کیا نور فراست تھی

حضرت عثمان اور حضرت علی نے اور تمام صحابہ نے حضرت عمر کی موافقت کی اور وہاں کی زمینیں تقسیم نہ ہوئیں اور حضرت عمر نے ان زمینوں کو مسلمانوں کی مشترک ضرورتوں کے لئے محفوظ رکھا دیکھو کتاب الخراج اللامام ابی یوسف ۲۸، ۲۹، ۳۰، وایضا ۴۲

اور حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں جب خراسان اور افریقہ فتح ہوا تو حضرت عثمان نے بھی وہاں کی زمینیں وہیں کے باشندوں کے پاس رہنے دیں اور انپر خراج لگا دیا اور ان زمینوں کو غانمین پر تقسیم نہیں کیا اور وجہ وہی بیان کی جو فاروق اعظم نے شام اور عراق کی زمینوں کے نہ تقسیم کرنے کے بارہ میں بیان کی تھی دیکھو کتاب الخراج اللامام ابی یوسف ۳۳

مال فیئی، ابن اثیر جزری نہایہ میں لکھتے ہیں کہ فئی اس مال کو کہتے ہیں کہ جو مال کافروں سے بغیر جنگ وجدال اور بغیر قتل وقتال کے حاصل ہو اس لئے کہ خداوند پاک نے سورہ حشر میں بنی نضیر کی اموال کو فئی کہا ہے اور وجہ اس کی یہ بیان کی ہے وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء یعنی خدا تعالے نے جو کچھ بنو نضیر سے اپنے رسول کو دلایا اس پر تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے

اور امام ابو بکر رازی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ فیئی اور غنیمت میں عام خاص کا فرق ہے غنیمت خاص اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے قہر اور غلبہ کے ساتھ حاصل ہو اور مال فیئی وہ مال ہے جو کافروں سے حاصل ہو عام اس سے کہ وہ قہر اور غلبہ اور قتل اور قتال سے حاصل ہو یا بدون قتال کے حاصل ہو دیکھو احکام القرآن

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں مولفۃ القلوب کو مال فیئی سے عنایت فرمایا اور ظاہر ہے کہ حنین کے اموال اور غنائم جنگ اور مقاتلہ کے بعد حاصل ہوئے تھے پس اس معنی کے اعتبار سے جو ابن اثیر نے بیان کئے ہیں وہ فیئی نہیں ہو سکتے

خراج اور جزیہ

اصطلاح شریعت میں خراج اس محصول اور مالیہ کو کہتے ہیں جو کافر کی زمین پر مقرر کیا جائے اور جزیہ اس مالیہ اور محصول کو کہتے ہیں جو کافر کی ذات پر فی کس قائم کیا جائے

جزیہ اور خراج یہ دو حق ہیں جو اللہ تعالے نے کافروں پر اور مسلمانوں کیلئے لازم اور واجب قرار دیئے ہیں اور یہ دونوں تین امور میں متحد ہیں اور تین امور میں مختلف اور ممتاز ہیں جس سے ان کا احکام میں فرق ہو جاتا ہے جن تین امور میں متحد ہیں وہ یہ ہیں

(۱) خراج اور جزیہ دونوں سے کفر کی اہانت اور تذلیل مقصود ہے۔ اہانت اور ذلت کے طور پر ان سے وصول کئے جاتے ہیں

(۲) دونوں مال فیئی میں اور فیئی کے مصارف میں خرچ ہونگے

(۳) دونوں سال گذرنے پر وصول کئے جائیں گے اس سے قبل وصول کا حق نہیں اور جن وجوہ سے خراج اور جزیہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں وہ یہ ہیں

(۱) جزیہ منصوص قرآنی ہے اور خراج سنت نبوی اور سنت صحابہ ہے اور قرآن سے اشارتاً ثابت ہے کماقال تعالے ام تسالہم خرجافخراج ربک خیر۔

(۲) جزیہ کفر کی حالت میں لیا جاتا ہے اسلام لانے سے ساقط ہو جاتا ہے اور خراج کفر اور اسلام دونوں حالتوں میں لیا جائے گا

(۳) جزیہ کفر اور قتل کی جزاء ہے جو کافر کے سر یعنی اس کی ذات پر قائم کیا جاتا ہے اور خراج زمین کا محصول ہے جو زمین پر لگایا جاتا ہے

حدیث میں ہے الخراج بالضمان۔ پس جزیہ وہ محصول ہے جو کافر کی ذات پر قائم کیا جائے اور خراج وہ مقررہ محصول ہے جو زمین پر لگایا جائے

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں ایک خراج مقاسمہ اور دوسری خراج موظف ۔ خراج مقاسمہ کے معنی بٹائی کے ہیں کہ زمین کو بٹائی پر دے دیا جائے کہ اس کا حصہ مقرر کر دیا جائے کہ ایک ثلث یا نصف تمہارا ہو گا اور اتنا بیت المال کا ہو گا جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر سے معاملہ فرمایا کہ فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمینیں انہیں کے پاس رہنے دیں اور بٹائی پر انسے معاملہ فرمایا کہ آدھی پیداوار تمہاری اور آدھی بیت المال کی امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ خراج مقاسمہ تھا

اور خراج موظف کے معنی یہ ہیں کہ زمین پر نقد رقم معین کر دی جائے کہ سالانہ اتنی ادا کرنی ہوگی

خراج مؤظف کی مقدار

فاروق اعظم کے عہد خلافت میں جب عراق فتح ہوا اور وہاں کی زمینیں فاتحین پر تقسیم نہیں کی گئیں بلکہ وہیں کے کافروں کے پاس رہنے دیں تو کافروں کے ذوات پر توجزیہ مقرر کیا اور وہاں کی زمینوں پر خراج قائم کیا اور حضرت عثمان بن حنیف اور حضرت حذیفہ بن الیمان کو اراضی عراق کے پیمائش کے کام کے لئے مقرر کیا چنانچہ عراق کی زمینوں کی پیمائش کی گئی تو مجموعی رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوا ۔

دیکھو ہدایہ باب العشر والخراج وکتاب الاموال لابی عبید وکتاب الاموال للقاضی ابی یوسف

جریب ساٹھ گز مربع کا ہوتا ہے جو ہندوستان کے حساب سے قریب قریب ایک بیگہ کے ہوتا ہے یعنی پون بیگہ پختہ فاروق اعظم نے زمینوں پر جو خراج لگایا اس میں زمین کی حیثیت اور پیداوار کی نوعیت اور لوگوں کی سہولت کو ملحوظ رکھا اور یہ حکم دیا کہ زمین کی انتہائی وسعت اور طاقت کے مطابق خراج نہ لگایا جائے بلکہ اس میں نرمی اور سہولت کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ اس کی وجہ سے کاشت کار مختلف حوادث اور آفات کی کمی پوری کر سکیں پیمائش ہو جانے کے بعد فاروق اعظم نے ان دونوں صاحبوں کے مشورہ سے عراق کی قابل کاشت زمینوں پر جو خراج موظف قائم کیا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے

جنس	فی جریب	جو بیگہ کا ۴/۳ حصہ بنتا ہے سالانہ
گندم	فی جریب	چار درہم یا ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم
جو	فی جریب	دو درہم یعنی تقریباً ۹ آنہ
سبز ترکاری	فی جریب	تین درہم یعنی قریباً ۱۴ آنہ
شفتل کپاس	فی جریب	پانچ درہم یعنی تقریباً ایک روپیہ سات آنے

گنا	فی جریب	۶ درہم یعنی تقریباً ایک روپیہ بارہ آنے
کھجور	فی جریب	۸ درہم یعنی تقریباً دو روپے چار آنے
انگور	فی جریب	۱۰ درہم یعنی تقریباً تین روپے

دیکھو کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ۴۳ تا ۴۶

اور ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے آج کل کے حساب سے ایک شرعی درہم چونی کے برابر ہوتا ہے یا کچھ زیادہ سمجھ لیا جائے بہرحال چاندی کے دس درہم کسی حال میں بھی پانچ روپیہ سے نہیں بڑھتے جو سال بھر میں ایک مرتبہ ادا کرنے پڑتے تھے ایک جریب کا یہ سالانہ خراج تھا جو نہ ہونے کے برابر تھا لہذا متمدن حکومتیں غور کریں کہ کیا انہوں نے جو اپنی رعایا پر محصول اور ٹیکس لگا رکھے ہیں کیا وہ بھی اسی معیار پر ہیں حاشا و کلا ان کے محاصل ٹیکس سہولت و آسانی میں اسلامی خراج کے گرد کو نہیں پہنچتے آج اگر تمدن و تہذیب کے دعوے دار حکومتیں اسلامی معیار اور مقدار سے دوگونہ محصول پر بھی اکتفا کر لیں تو دنیا مرفہ الحال ہو جائے اور کسی کو کسی بنک اور انجمن اتحاد باہمی کی طرف جانے کی ضرورت نہ پڑے

فاروق اعظم کی وفات سے پیشتر اسلامی مملکت کے ایک صوبہ کی خراج کا میزانیہ دس کروڑ درہم سے تجاوز کر چکا تھا جو بعد میں ایک ارب تک پہنچا

حکایت

اور حضرت عمر کی وفات سے ایک سال قبل فقط ایک کوفہ کی زمینوں کا خراج دس لاکھ درہم تک پہنچا دیکھو کتاب الخراج اللامام ابی یوسف ص ۳۱

کوفہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری جب کوفہ کا خراج لے کر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پوچھا کہ کتنا ہے ابو موسیٰ بولے الف الف اس عدد کو سن کر حضرت عمر حیران ہوئے اور فرمایا ہل تدری ماتقول تم سمجھ بھی رہے ہو کہ کیا کہہ رہے ابو موسیٰ نے عرض کیا نعم قدمت بمائہ الف ومائہ الف حتی عد عشر مرات جی ہاں میں خوب سمجھ کر بول رہا ہوں ایک لاکھ ایک لاکھ پھر اسی طرح دس لاکھ تک شمار کرتے چلے گئے اور کہا کہ یہ رقم اپنے ساتھ لایا ہوں دیکھو کتاب الخراج للامام ابی یوسف ۵۴

ترکاریوں کے عشر میں فقہاء کا اختلاف ہے فقہاء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سبزیوں، کھیروں، ککڑیوں، خربوزوں، تربوزوں اور بیگنوں میں عشر نہیں عشر صرف اس پیداوار میں ہے جو غلہ کی طرح باقی اور محفوظ رہے دیکھو کتاب الاخراج ص ۶۱ و ص ۶۵

امام ابو یوسف کتاب الخراج ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیب راوی ہیں کہ جب ملک فارس فتح ہوا اور وہاں کے اموال غنیمت کے چار خمس غانمین پر تقسیم کرنے کے بعد جو اخماس باقی رہے تو وہ مدینہ منورہ لائے گئے اور حضرت عمر کے سامنے پیش ہوئے تو وہ اس قدر کثیر تھے کہ اندازہ سے باہر تھے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ تو اس قدر کثیر ہیں کہ سوائے آسمان کے کسی مکان کی چھت ان کو نہیں چھپا سکتی حکم دیا کہ ان تمام اموال کو مسجد کے صحن میں اور اس کے سامنے جو میدان ہے وہاں ڈال دیئے جائیں اور چادروں سے ان کو ڈھک دیا جائے اور عبدالرحمان بن عوف اور عبداللہ بن ارقم کو ان کی نگرانی کے لئے مقرر کیا رات بھر ان دونوں صاحبوں نے اس مال کی نگرانی کی صبح کی نماز کے بعد حضرت عمر صحابہ کو ساتھ لے کر اس مال کے پاس بیٹھے اور حکم دیا کہ ان اموال سے چادریں ہٹا دی جائیں تاکہ سب دیکھ سکیں حضرت عمر نے جب اس پر نظر ڈالی تو ایک عجیب منظر دیکھا اور مال دولت کے اس ڈھیر میں وہ سونے اور چاندی کے ٹکڑے اور موتی اور جواہرات دیکھے کہ جو اس سے پہلے حضرت عمر کی آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے جب یہ منظر سامنے آیا تو فاروق اعظم زارو قطار رونے اس پر عبدالرحمان بن عوف بولے کہ اے امیر المؤمنین یہ تو مقام شکر ہے آپ کو کس چیز نے رلایا فرمایا ہاں بے شک مقام شکر ہے لیکن یہ مال و دولت فتنہ ہے جس قوم کو مال و دولت ملتا ہے وہ باہمی بغض اور عداوت میں مبتلا ہوتی ہے پھر فرمایا کہ کیا اس مال کو دھوتڑوں سے تقسیم کریں یا صاع سے کیل کر کے لوگوں کو دیں پھر خود ان کی ہی یہ رائے ہوئی کہ یہ مال دھوتڑوں سے تقسیم کیا جائے اس طرح وہ تمام مال مسلمانوں پر تقسیم کر دیا کتاب الخراج للامام ابی یوسف ۵۵ و ۵۶

خراج کے مصارف

خراج اور جزیہ کا عام مصرف مصالح اسلامیہ ہیں جیسے سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور بقدر کفایت حکام اور عمال اور قاضیوں اور اماموں کی تنخواہیں اور علم دین کے معلمین اور مدرسین اور حفاظ قرآن اور طلبہ کی بقدر کفایت مشاہرے اور وظائف دیئے جائیں مال خراج کا حکم مال صدقات جیسا نہیں مال زکوٰۃ صرف فقراء کا حق ہے اور مال خراج کے متعلق امیر مملکت کو اختیار ہے کہ حسب مصلحت امیروں اور فقیروں سب کو دے سکتا ہے تفصیل اگر درکار ہے تو ہدایہ اور در مختار کو دیکھیں باب العشر والخراج میں تفصیل کے ساتھ یہ احکام مذکور ہیں

عہد نبوی میں خراج کی سب سے بڑی آمدنی بحرین سے آئی جو ایک لاکھ درہم تھی اب تک خزانہ کے لئے کوئی باضابطہ مکان بھی نہ تھا اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس مال کو مسجد کے صحن میں ڈال دیا جائے صبح کی نماز سے فارغ ہو کر آپ صحن میں بیٹھ گئے اور اس مال کو تقسیم کرنا شروع کیا

فماقام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وبہ منہا درھم - بخاری شریف - پس آپ اس جگہ سے اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک اس میں کا ایک درہم باقی نہ رہا

عشر اور خراج میں فرق

عشر ایک فریضہ خداوندی ہوتا ہے جو مسلمان کی زمین پر عائد ہوتا ہے اور وہ ایک نوع کی عبادت ہے اسی وجہ سے اس کو زکواہ الارض کہا جاتا ہے اور عشر ایک حیثیت سے ٹیکس بھی ہے اور سونے چاندی پر زکوہ خالص عبادت ہے اور خراج ایک قسم کا ٹیکس ہے جو ابتداء کافر کی زمین پر لگایا جاتا ہے جو معنی عبادت سے خالی ہے اس لئے کہ کافر اہل عبادت نہیں ہاں اگر کوئی مسلمان غیر مسلم سے خراجی زمین خرید لے تو اس پر بھی خراج واجب ہو جائے گا اور عشر عبادت ہے اسی وجہ سے مسلمان پر عائد ہوتا ہے کافر کی زمین میں عشر نہیں

نیز خراج زمین سے لیا جاتا ہے اور عشر زراعت اور پیداوار سے لیا جاتا ہے

جزیہ

جب مسلمان کسی خطہ زمین پر فاتحانہ حیثیت سے قابض ہو جائیں تو اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے والے کافروں کے نفوس پر جزیہ (ٹیکس) ہے اور جزیہ صرف ان کافروں پر لگایا جاتا ہے جو آزاد ہوں اور عاقل ہوں اور مرد ہوں یعنی مسلمانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کی صلاحیت رکھتے ہوں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھا سکتے ہوں اور جو ایسے نہ ہوں جیسے عورت اور بچے اور مجنون اور محتاج اور مفلس اور بے روزگار اور اندھے اور نادار اور معذور اور اپاہج اور بوڑھے جو کمانے پر قادر نہ ہوں اور راہب (اپنے مذہب کے مطابق عبادت اور بندگی میں لگے ہوئے ہوں اور لوگوں سے الگ تھلگ ہوں اس قسم کے تمام کافر جزیہ سے مستثنی ہیں البتہ اگر کوئی کافر بوڑھا ہو یا معذور ہو یا راہب ہو مگر اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف مشورے دیتا ہو تو ایسا بوڑھا اور معذور کافر جزیہ سے مستثنی نہ ہو گا اس قسم کے لوگ اہل ذمہ کہلاتے ہیں ان پر جزیہ تو ہے مگر ان کے مال اور مویشی پر زکواہ نہیں فوجی خدمت غیر مسلم رعایا سے بالکل معاف ہے ایسے کافر مستحق قتل کے تھے اسلام نے بجائے قتل کے جزیہ لینا منظور کر لیا اور ان کو مہلت دے دی تاکہ اسلام کے محاسن کو دیکھکر اسلام قبول کر سکیں

حکایت

فاروق اعظم کا ایک دروازہ پر گزر ہوا دیکھا کہ ایک سائل اس دروازہ پر کھڑا سوال کر رہا ہے جو بوڑھا

بھی ہے اور نابینا بھی فاروق اعظم نے پیچھے سے اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور پوچھا تو کون ہے اس نے کہا کہ میں ایک یہودی ہوں جزیہ دینے کے لئے اور اپنی ضروریات اور حاجت کے لئے سوال کر رہا ہوں فاروق اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لے کر آئے اور اسے کچھ عطا فرمایا بعد ازاں بیت المال کے خازن کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ دیکھو لوکہ یہ یہودی مسکین ہے اس قسم کے یہودیوں سے جزیہ مت لو خدا کی قسم یہ بے انصافی ہے جوانی میں اس سے جزیہ لیا اور بڑھاپے میں اس کی کوئی مدد نہ کی کتاب الخراج لابی یوسف ۱۵۱

مقدار جزیہ

جزیہ کے اعتبار سے اہل ذمہ تین طبقوں پر منقسم ہیں

(۱) مالداروں پر سالانہ ۴۸ درہم شرعی یعنی بارہ روپیہ سالانہ

(۲) متوسط الحال پر ۲۴ درہم سالانہ یعنی آٹھ روپیہ سالانہ

(۳) غریب الحال پر ۱۲ درہم سالانہ یعنی تین روپیہ سالانہ

ناظرین غور کریں کہ جزیہ کی مقدار کس درجہ قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے جرجی زیدان جیسے عیسائی حق پوش نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ جزیہ کی جو رقم رومی رعایا سے لی جاتی تھی وہ اس رقم سے بہت ہی کم تھی جو یہ لوگ اسلام سے قبل روم اور ایران کی حکومت کو ادا کیا کرتے تھے

شرائط اہل جزیہ

شریعت میں جزیہ اہل ذمہ پر لگایا جاتا ہے یہ ایک امتیازی ٹیکس ہے جو اسلام نے مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کے لئے عائد کیا ہے تاکہ اسلام کی سر بلندی اور بالادستی عیاں اور نمایاں ہو

اور یہ جزیہ (ٹیکس) چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن میں سے بعض شرائط واجب اور لازم کے درجہ میں ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ جو واجب اور ضروری کے درجہ میں نہیں وجوب اور لزوم سے ذرا کم ہیں

ضروری شرائط

اہل ذمہ کے لئے جو شرائط واجب اور ضروری کے درجہ میں ہیں وہ حسب ذیل امور ہیں

(۱) کتاب اللہ پر طعن یا اس کی تحریف کے مرتکب نہ ہوں

(۲) رسول اللہ صلے علیہ وسلم کی توہین نہ کریں

(۳) اسلام کی مذمت نہ کریں اور نہ اس پر اعتراضات کریں قرآن اور دین اسلام پر اعتراض اور طعن سے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں سب وشتم کرنے سے عہد ذمہ باقی نہیں رہتا

(۴) کسی مسلمان عورت سے نکاح کا تصور بھی نہ کرے

(۵) کسی مسلمان کو مذہب اسلام سے نہ ورغلائیں

(۶) اہل حرب سے ساز باز نہ رکھیں اور نہ ان کی اعانت اور امداد کریں اور نہ ان سے مسلمانوں کی جاسوسی کریں دیکھو کتاب الخراج ۱۲۷

(۷) اہل ذمہ دار الاسلام میں کوئی جدید گرجا اور کلیسا اور صنمخانہ اور آتشخانہ نہیں تعمیر کر سکیں گے البتہ اگر ذمیوں کا کوئی عبادت خانہ منہدم ہو جائے تو اس کو بنانے اول کے مطابق دوبارہ بنانے کی اجازت ہو گی زیادتی اور اضافہ کی اجازت نہ ہو گی نہ رقبہ میں اضافہ ہو سکے گا اور نہ اس کی کیفیت میں اضافہ ہو سکے گا مثلاً کچی اینٹ والے گرجا کو پکی اینٹ سے دوبارہ بنانیکی اجازت نہ ہو گی اور پکی اینٹ والے کو پتھر سے بنانے کی اجازت نہ ہو گی اور مسلمانوں نمازوں کی اوقات میں اندرون گرجا کوئی ناقوس نہیں بجا سکیں گے جاننا چاہیے کہ یہ سات امور بلا شرط کے واجب العمل ہیں شرط محض اطلاع اور تاکید عہد کے لئے کی جاتی ہے شرط کے بعد اگر ان میں سے کسی امر کی پابندی نہ کی تو عہد ٹوٹ جائے گا کیونکہ ان امور کا ارتکاب قانون اسلام کے احترام اور اس کی بالادستی کے منافی ہے۔

غیر ضروری شرائط

اسی طرح غیر ضروری شرائط میں بھی سات امور داخل ہیں

(۱) اہل ذمہ اپنے لباس اور ہیئت کو مسلمانوں کے لباس اور ان کی ہیئت سے ممتاز رکھیں اور ذمی عورتیں مسلمان عورتوں جیسا لباس نہ پہنیں تاکہ فاتح اور مفتوح قوم کا امتیاز رہے

(۲) اپنی عمارتیں مسلمانوں کی عمارتوں سے بلند نہ کریں زیادہ سے زیادہ مساوی رکھیں

(۳) اپنے ناقوس اور اپنی مذہبی کتابوں کی آواز مسلمانوں کو نہ سنائیں

(۴) علے الاعلان شراب نوشی نہ کریں اور نہ صلیبی نشان کا اظہار کریں

(۵) اپنے مردوں کو خاموشی کے ساتھ لے جائیں شور نہ کریں اور نوحہ نہ کریں

(۶) عمدہ اور اصیل گھوڑوں پر سوار نہ ہوں خچروں اور گدھوں پر سوار ہو سکتے ہیں

(۷) کسی قسم کے ہتھیار کے استعمال کی اجازت نہ ہو گی

یہ سات امور فی حد ذاتہ شرط لازم کے درجہ میں نہیں مگر شرط کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں شرط کے بعد اگر کوئی شخص ان امور میں سے کسی امر کا ارتکاب کرے گا تو اس ارتکاب سے نقض عہد تو لازم نہ آئے گا مگر تادیباً مواخذہ اور گرفت ضرور کی جائے گی اور اگر معاہدہ کے وقت ان امور کی شرط نہیں کی گئی

تھی تو پھر مواخذہ بھی نہ کیا جائے گا

امیر مملکت کے لئے لازم ہے کہ طے شدہ شرائط کی نقول تمام دفاتر میں بھیجدے تاکہ خلاف ورزی پر گرفت اور مؤاخذہ کیا جاسکے اس کے علاوہ اور بھی امور ہیں جن کو فقہاء کرام نے باب الجزیہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نکتہ

اسلامی حکومت کا اصل مطمع نظر اسلام کا وقار اور احترام اور اس کی بالادستی کا قائم کرنا ہے اس لئے شریعت نے اہل ذمہ کو ان خلاف شرع امور کے اعلان اور اظہار سے منع کر دیا ہے کوئی متمدن حکومت کبھی اس کی اجازت نہیں دے سکتی کہ قانون حکومت کی علی الاعلان مخالفت کی جائے یا اس کے خلاف تبلیغ کی جائے اسی طرح اسلامی حکومت میں اسکی اجازت نہیں کہ قانون شریعت کے خلاف کسی امر کی علی الاعلان تبلیغ کی جائے

جزیہ کے مصارف

مال جزیہ کا مصرف بھی وہی ہے جو مال خراج کا مصرف ہے مال خراج کی طرح مال جزیہ بھی مصالح مسلمین پر خرچ کیا جائے گا چنانچہ دارالاسلام کی سرحدوں کی حفاظت اور نہروں کا پل بنانا اور مجاہدین اور مقاتلین اور محافظین حدود اور عمال حکومت اور علماء اور مفتین اور قضاہ اور حفاظ قرآن اور متعلمین کو بقدر کفایت ماہواری دینا جس سے مقاتلین اور محافظین حدود اور علماء اور قضاہ وغیرہم کی اور ان کی ذریت کی ضرورتیں پوری ہو سکیں

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں کہ جو شخص بیت المال سے کسی وظیفہ کا مستحق ہے مرنے کے بعد اس کا استحقاق ساقط نہ ہو گا علماء اور فقہا اور مقاتلین کے انتقال کے بعد ان کی ذریت کا حصہ بھی بیت المال سے مقرر کیا جائے گا (در مختار)

اہل ذمہ یعنی اقلیتوں کے حقوق

اسلامی حکومت میں غیر مسلم باشندوں کی جان و مال اور عزت اور آبرو کی حفاظت ویسی ہی فرض ہے جیسا کہ ایک مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت فرض ہے قوانین عدل و انصاف میں ملک کے ذمی (غیر مسلم) اور مسلمان سب برابر ہیں حتی کہ اگر کوئی معزز سے معزز مسلمان کسی ادنے سے ادنی ذمی کو قتل کر دے تو شریعت اسلامیہ میں اس مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے جیسا کہ احادیث میں ہے اور

خلفاء راشدین کا عمل بھی ایسا ہی رہا ہے اور اس بارہ میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں حقوق عدل اور انصاف میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر ہیں البتہ غیر مسلموں کے لئے یہ سہولت ہے کہ ان پر دفاع مملکت کا فریضہ عائد نہیں ہوتا جس طرح جہاد ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے اس طرح کا فریضہ کسی غیر مسلم پر عائد نہیں ہوتا زکواۃ کی طرح جہاد کا فریضہ بھی غیر مسلموں پر عائد نہیں ہوتا

مگر

اہل ذمہ کا ذمہ اس وقت تک باقی رہے گا کہ جب تک وہ اسلامی حکومت کے خلاف کوئی سازش یا جاسوسی نہ کریں اور نہ اسلام پر کسی قسم کی طعن و تشنیع اور نکتہ چینی کریں اور نہ خدا اور رسول کی کوئی توہین کریں کماقال تعالے وان نکثواایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم فقاتلواایمہ الکفرانہم لاایمان لھم اس قسم کے امور کے ارتکاب سے عہد ذمہ ختم ہو جاتا ہے

معادن اور دفائن و خزائن

اگر کسی شخص کو غیر مملوک زمین میں کوئی کان مل جائے سونے کی یا چاندی کی یا لوہے کی یا تانبے کی یا سیسے کی تو اس کا خمس (پانچواں حصہ) بیت المال کے لئے ہے اور علی ہذا اگر کوئی مدفون خزانہ مل جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس میں سے بیت المال کے لئے پانچواں حصہ لیا جائے گا معادن اور دفائن کے مسائل اور احکام ہر فقہ کی کتاب میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں

افتادہ زمینیں۔ یعنی غیر آباد زمینیں

جن کو اصطلاح شریعت میں ارض موات کہتے ہیں اور ان کو آباد کرنے کو احیاء کہتے ہیں

امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسی بیکار اور افتادہ زمین کو آباد کرے جس کا کوئی مالک نہ ہو اور نہ اس پر کوئی قابض ہو تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے خواہ باذن امام ہو یا بلااذن امام یعنی امیر مملکت

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بلااذن امام (امیر مملکت) افتادہ زمین کو آباد کرنا جائز نہیں

امام ابو حنیفہ کے نزدیک افتادہ زمین کو آباد کرنے کے لئے حکومت کی اجازت ضروری ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ خود غرضوں کے کوئی حد اور شمار نہیں ممکن ہے کہ ایک غیر آباد زمین کی آباد کاری کے لئے دو شخص خواہشمند ہوں تو اس کا فیصلہ امیر مملکت ہی کرے گا کہ یہ زمین کس کو دی جائے

امام شافعی فرماتے ہیں کہ بیکار زمین کو آباد کرنے کے بعد عشر (دسواں حصہ) لیا جائے گا خراج لینا

جائز نہیں خواہ وہ زمین عشری پانی سے سیراب کی گئی ہو یا خراجی پانی سے اور امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ زمین عشری پانی سے سیراب کی جائے تو عشر لیا جائے گا اور اگر خراجی پانی سے سیراب کی جائے تو اس سے خراج لیا جائے گا تفصیل کے لئے کتب فقہ کو دیکھیں ہمارا مقصد تو صرف اتنا بتلا دینا ہے کہ اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک مد یہ بھی ہے

(۹) اقطاعات یعنی جاگیریں

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امیر مملکت کو اختیار ہے کہ کسی شخص کو کسی خدمت کے صلہ میں کوئی قطعہ زمین جاگیر کے طور پر دے دے اور پھر خلیفہ وقت کو اختیار ہے کہ ان جاگیروں پر عشر یا خراج مقرر کر دے اگر ان کی سیرابی عشری پانی سے ہوتی ہو تو ان پر عشر لگائے اور اگر خراجی نہروں سے اس کی سیرابی ہو تو ان پر خراج لگائے دیکھو کتاب الخراج للامام ابی یوسف ۶۹

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کو جاگیریں دیں اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی لوگوں کو جاگیریں دیں اور ان جاگیروں سے جو عشر یا خراج وصول ہوتا تھا وہ مصالح مسلمین میں خرچ ہوتا تھا

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم کے زمانے میں جب عراق فتح ہوا تو اس میں مختلف قسم کی زمینیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں کچھ زمینیں تو وہ تھیں جو شہنشاہ کسریٰ اور اس کے ارکان دولت اور شاہی خاندان کی تھیں کہ بادشاہ اور اس کے خاندان کے ختم ہو جانے کے بعد ان کا کوئی وارث نہ رہا تھا اور کچھ زمینیں ان لوگوں کی تھیں جو لڑائی میں مارے گئے اور کچھ زمینیں ان لوگوں کی تھیں جو عراق سے بھاگ کر کہیں اور چلے گئے تھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کی زمینوں سے فاروق اعظم نے لوگوں کو جاگیریں عطا کیں اور فاروق اعظم کے بعد حضرت عثمان نے عبد اللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر اور خباب وغیرہ ہم کو کچھ زمینیں بطور جاگیر عطا فرمائیں دیکھو کتاب الخراج للامام ابی یوسف ۶۸، ۶۹، ۷۳

اور اس قسم کی غیر مملوک زمینیں جو اپنے مالکوں اور بسنے والوں سے خالی رہ گئی ہوں اس میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ ملکی مصلحت کے مطابق جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے خواہ کسی کو اسلامی خدمات کے صلے میں بطور جاگیر دے دے اور ان پر عشر یا خراج مقرر کر دے یا ان کو بٹائی پر دے دے مگر یہ جاگیریں بے محل اور کسی نااہل شخص کو نہ دی جائیں اور نہ کسی کی جاگیر بے وجہ چھین کر کسی کو دی جائے یہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ غصب ہے اور فاروق اعظم کے بعد عمر بن عبد العزیز نے جاگیروں کے بارہ میں سنت فاروقی کا اتباع کیا دیکھو کتاب الخراج للامام ابی یوسف فصل فی ذکر القطائع ۶۸ و

محاصل تجارت

یعنی

تجارتی مال کی درآمد و برآمد پر محصول

اسلامی ذرائع آمدنی میں سے ایک مد اموال تجارت پر محصول کا ہے جسکو اصطلاح میں عشر کہتے ہیں اور آج کل اس کا نام کسٹم اور چنگی ہے مسلمان تاجر سے یہ محصول مال کا چالیسواں حصہ ہے اور کافر ذمی سے (یعنی جو کافر جزیہ دیکر دارالاسلام میں رہتا ہو) اس سے مال کا بیسواں حصہ محصول لیا جائے اور کافر حربی کے مال تجارت سے دسواں حصہ لیا جائے سب سے پہلے یہ محصول فاروق اعظم نے جاری کیا اور تمام صحابہ نے اس کی موافقت کی دیکھو بنایہ شرح ہدایہ کتاب الزکواۃ ۱۲۲۰ اور دیکھو کتاب الخراج از ۱۵۸ تا ۱۶۴ و کتاب الاموال ۵۳۳ لابی عبید

اور درآمد و برآمد پر محصول کے مفصل احکام ہر فقہ کی کتاب میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں

آمدنی کی یہ مد عہد رسالت میں نہ تھی یہ مد فاروق اعظم کے عہد خلافت میں پیدا ہوئی ابو موسیٰ اشعری جو عراق کے عامل اور گورنر تھے انہوں نے فاروق اعظم کی خدمت میں تحریر بھیجی کہ جب مسلمان تاجر دارالحرب میں بغرض تجارت جاتے ہیں تو دارالحرب کی حکومت ان سے ۱\۱۰ بطور ٹیکس لیتی ہے ہم اس بارہ میں آپ کے ارشاد کے منتظر ہیں کہ دارالحرب کے کفار تاجروں سے کیا معاملہ کریں فاروق اعظم نے جواب دیا کہ تم دارالحرب کے تجار سے ان کی حکومت کے دستور کے موافق ۱\۱۰ وصول کیا کرو اور اہل ذمہ کے مال تجارت سے ۱\۲۰ وصول کیا کرو اور مسلمانوں کے مال تجارت سے ۱\۴۰ وصول کیا کرو روایت ہے کہ ملک شام کے ایک شہر سے فاروق اعظم کے پاس وہاں کے کافر باشندوں کی ایک درخواست پہنچی کہ ہمیں اجازت دیجئے کہ دارالاسلام میں آکر تجارت کر سکیں چنانچہ فاروق اعظم نے صحابہ سے مشورہ کر کے ان کو تجارت کی اجازت دی اور ۱\۱۰ ان پر محصول مقرر کیا اور صحابہ میں سے کسی نے بھی اس کا خلاف نہیں کیا پس مال تجارت پر محصول کا مسئلہ اجماعی ہے بغیر کسی اختلاف کے طے ہوا اور ملک میں جاری ہوا۔ دیکھو بنایہ شرح ہدایہ ۱۲۲۰ و کتاب الخراج لابی یوسف ۱۶۱

فقہاء کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اگر دارالحرب کی غیر مسلم حکومت دارالاسلام کے مسلمان تاجروں کا تمام مال لوٹ لیتی ہو یا ان پر ظلم اور تعدی کرتی ہو تو اسلامی حکومت کو یہ زیبا نہیں

کہ ہم دارالحرب کے غیر مسلم تاجروں سے انتقامی طور پر ان کا تمام مال چھین لیں یا ان پر ایسی سختی کریں کہ جو ظلم اور تعدی کی حد تک پہنچ جائے شریعت نے ہم کو عدل اور احسان اور رحم و کرم کا حکم دیا ہے اور ظلم و ستم سے منع کیا ہے دشمن پر سختی کی تو اجازت ہے مگر ظلم کی اجازت نہیں

نیا محصول

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ کیا حکومت کو ان محاصل مذکورہ بالا کے علاوہ کسی جدید محصول کے عائد کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟۔

جواب

یہ ہے کہ نہیں شریعت نے جس قدر محاصل تجویز کر دیئے ہیں کارخانہ حکومت چلانے کے لئے کافی ہیں

اور اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ زمانہ میں حکومت کو جو دفاعی اور جنگی ضروریات پیش آتی ہیں وہ کہاں سے پوری کی جائیں؟۔

اس کا جواب یہ ہے

کہ حکومت فضولیات سے پرہیز کرے اور عیش و عشرت کے سامان کو ترک کرے اور حکام اور عمال کی تنخواہیں اس قدر بیش از بیش نہ کرے جس سے عام مسلمانوں پر بوجھ پڑے مثلاً اگر وزراء کو پانچ پانچ ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہیں بھی دےجائیں لیکن تنخواہ کے علاوہ ان کی عیش و عشرت کے لئے جو دوسرے مصارف دیئے جاتے ہیں ان کو بند کر دیا جائے یا مثلاً سرکاری دفاتر کی تعمیر پر لاکھوں روپیہ خرچ نہ کیا جائے بلکہ فقط قدر ضرورت پر اکتفاء کیا جائے تب بھی بیت المال کی آمدنی بھی دفاعی ضرورت کے لئے کافی ہو سکتی ہے اس زمانے میں ریل اور ڈاک اور تار کی آمدنی بھی کافی ہے اس سے حکومت کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں رعایا پر ٹیکس لگانے کی ضرورت نہیں حکومت کی ترقی اور اس کا استحکام اس میں ہے کہ رعایا مرفہ الحال ہو رعایا اگر مرفہ الحال ہو تو حکومت کو دوسری حکومت سے قرض لینے کی ضرورت نہیں اور ایسی صورت میں اگر حکومت کو جہاد فی سبیل اللہ کی ضرورت ہو گی تو مسلمان رعایا خود ہی کروڑھا کروڑ روپیہ حکومت کو پیش کر دے گی اس طرح حکومت کو غیر ملکی قرضہ کی ضرورت نہ رہے گی وہ حکومت و سلطنت ہی کیا ہوئی جس کی رعایا تنگدست اور پریشان ہو اور صنعتی و تجارتی جد وجہد میں اپنا جان و مال کھپانے کے بعد اس کو بقدر ضرورت ملجانے اور باقی حکومت کے ٹیکسوں میں چلا جائے بہتر یہ ہے کہ حکومت تو بقدر ضرورت لیلے اور رعایا کو خوشحال اور فارغ البال چھوڑے رعایا کی مرفہ الحالی حکومت کے لئے سہارا ہے نیز جب حکومت کی طرف سے رعایا پر ٹیکسوں کا

بوجہ زیادہ ہوگا تو رعایا کو حکومت سے دلی ہمدردی نہ ہوگی اور حکومت کا استحکام اسی میں ہے کہ رعایا دل وجان سے حکومت کی ہمدرد ہو

اسلامی موازنہ (بجٹ) پر ایک اجمالی نظر اور متمدن حکومتوں کے موازنہ سے اسکا موازنہ

ناظرین کرام نے اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی اور اس کے مصارف کو پڑھ لیا اور اس کے اغراض و مقاصد کو سمجھ لیا اور اندازہ لگالیا

(۱) کہ اسلامی حکومت کے محاصل کس قدر کم سے کم ہیں جن کی ادائیگی رعایا پر ذرہ برابر گراں نہیں اور ان محاصل میں آج کل جیسی متمدن حکومتوں کے گراں بار ٹیکسوں کا نام و نشان نہیں متمدن حکومتوں نے نئے نئے ناموں سے رعایا پر قسم قسم کے محصول عائد کیئے ہیں جن کو رعایا جبراً و قہراً حکومت کے خوف سے ادا کرتی ہے ورنہ ان کے دل اس کی ادائیگی پر آمادہ نہیں

(۲) پھر اسلامی حکومت کی جس قدر آمدنی ہے اس کا تمام تر مصرف رعایا کی مصلحتیں اور ان کی ضرورت اور سہولتیں ہیں اور ارکان دولت اور عمال سلطنت کی تنخواہوں کا مد اس آمدنی میں بقدر ضروریات اور بقدر کفایت ہے شاہانہ اور حاکمانہ عیش و عشرت اور آرائش و نمائش اور گملوں اور بنگلوں اور امیرانہ رنگ رلیوں کا اس میں کوئی مد نہیں۔ اور نہ کھیل اور تماشوں اور تفریحوں کے لئے کوئی مد ہے

اسلامی حکومت کے سب سے پہلے امام اور امیر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے آپ بحیثیت امام یا امیر صرف مال غنیمت کے خمس میں سے بقدر ضرورت کچھ لے لیتے تھے اور باقی مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ کر دیتے تھے آپ کے بعد خلفاء راشدین آپ کے جانشین ہوئے ان کی زاہدانہ اور درویشانہ زندگی تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے آج کل کی متمدن حکومتوں کا یہ حال ہے کہ حکومت کو جو گراں بار ٹیکسوں سے آمدنی ہوتی ہے اس کا عظیم اور کثیر حصہ عمال حکومت کے عظیم مشاہروں اور راحتوں اور سہولتوں اور عشرتوں کی نذر ہو جاتا ہے گویا کہ رعایا پر یہ تمام ٹیکس حکام بالا کی عیش و عشرت کے مہیا کرنے کے لئے لگائے گئے حکومت حکام بالا کے لئے بنگلے اور گملے مہیا کرتی ہے اور عام رعایا کے رہائشی مکان پر ٹیکس عائد کرتی ہے جس کا اثر یہ ہو رہا ہے کہ ٹیکس کی گرانی کی وجہ سے گویا کہ مالکان مکان اپنے اپنے مکانوں کے مالک نہیں رہے بلکہ حکومت کے کرایہ دار بن گئے

بحمدہ تعالے اسلامی حکومت کا موازنہ اس قسم کی سخت گیری سے پاک اور منزہ ہے

(۳) ہر زمانہ میں حکومتوں کے نصب العین مختلف رہے ہیں سب سے ادنی اور کم ترین نصب العین یہ ہے کہ حکومت اور سلطنت کی آمدنی کو راجہ یا بادشاہ یا صدر مملکت یا برسراقتدار پارٹی کی سامان عیش و عشرت کے مہیا کرنے اور اعزہ واقارب پروری کا ذریعہ بنایا جائے

اور اعلی ترین مہذب اور متمدن حکومتوں کا حکومت کی آمدنی کے متعلق بلند ترین نصب العین یہ ہے کہ اس آمدنی سے ملک کی بیرونی دشمنوں سے حفاظت کی جائے اور اس آمدنی سے اس قدر قوت اور طاقت فراہم کرلی جائے کہ ملک بیرونی دشمنوں کے خطرات سے محفوظ ہوجائے یہ محکمہ فوج اور محکمہ دفاع ہوا اور اندرون ملک رعایا سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنا معاشی کاروبار کرسکے یہ محکمہ عدالت و پولیس ہوا

اور دوسرا نصب العین یہ ہے کہ اس آمدنی سے ملک کی مصالح عامہ اور مشترک ضروریات کو پورا کیا جائے مثلاً تعلیم اور صحت اور طرق مواصلات اور سڑکیں اور ریلیں اور ڈاک وغیرہ کا انتظام کیا جائے اور اس قسم کی مشترک اغراض اور مشترک ضرورتیں اور اس قسم کی دیگر مختلف ضرورتیں خزانہ کی رقم سے پوری کی جائیں یہ محکمہ رفاہ عامہ ہوا

عام حکومتوں کا نصب العین اس سے آگے نہیں بڑھا اسلام یہ کہتا ہے کہ ملک کے عام باشندوں کی مشترک ضروریات کے علاوہ کچھ انفرادی ضروریات بھی ہیں جو خاص طور پر قابل توجہ ہیں وہ یہ کہ ملک میں آئے دن بچے یتیم ہوتے رہتے ہیں جو اپنی جسمانی اور عقلی قوتوں کی کمزوری کے باعث کسب معاش پر قادر نہیں ہوتے اور بہت سے جوان بوڑھے اور عورتیں بیوہ ہوتی رہتی ہیں اور بہت سے تاجر اور کاشتکار بلاء ناگہانی کا شکار ہوکر نادار ہوتے رہتے ہیں اور بہت سے قلیل المعاش قرض ودام کے بوجھ کے نیچے دبے رہتے ہیں

آج کل کی اصطلاح میں اس مسئلہ کا نام روٹی کا مسئلہ ہے آخر متمدن حکومتوں کے میزانیہ میں ان غریبوں اور لاچاروں کی ضرورت کا کیا حل تجویز کیا گیا ہے اور کیا متمدن حکومتوں کے میزانیہ میں ان قابل رحم بیکسوں کی انفرادی اور شخصی ضرورتوں کے لئے کوئی حصہ رکھا گیا ہے آج کل کے تمام دساتیر اور آئین ان بیکسوں کی مشکلات کے ذکر سے یکسر خالی بلکہ قصداً خالی ہیں مغربی دساتیر اور قوانین میں اس مد کا کہیں نام ونشان نہیں کیا حکومت کے نزدیک یہ لوگ قابل رحم نہیں کہ ان بیچاروں اور بے کسوں کی امداد کے لئے حکومت کے میزانیہ میں کوئی حصہ رکھا جائے

الحمد للہ کہ اسلام نے جس وقت سے حکومت کی بنیاد ڈالی اسی وقت سے حکومت کے خزانہ میں اس قسم کی انفرادی اور شخصی ضرورتوں کے لئے ایک مد قائم کردی اسلام نے مصیبت زدہ طبقات کی اعانت اور امداد کے لئے اور ان کی انفرادی ضرورتوں کے لئے علیحدہ مد مقرر کیا جو صدقات اور خمس غنیمت کے نام سے موسوم ہوا اور اس کے علاوہ مصیبت زدہ افراد کی اعانت کے لئے اور بھی مد قائم کئے جن کا ذکر آگے آئے گا

اسلامی حکومت کے قیام کی ابتداء جنگ بدر سے ہوئی اور جانبازی مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر جماعت کو کفار کے لشکر جرار پر فتح نصیب ہوئی اور بہت کچھ مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا اس پر حکم نازل ہوا کہ مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے جس میں سے ایک حصہ اللہ کے نام کا نکال کر یتیموں اور مسکینوں میں اور مسافروں کی اعانت اور امداد میں خرچ کیا جائے اور باقی چار حصہ مجاہدین پر تقسیم کر دیئے جائیں

اور یہ آیت نازل ہوئی واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل

چند روز کے بعد زکواۃ کا حکم نازل ہوا اور اس کے مصارف کی مفصل فہرست بھی نازل ہو گئی کہ زکوۃ کو فلاں فلاں جگہ خرچ کیا جائے وہ آیت یہ ہے

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ وابن سبیل

اس فہرست کو پڑھ لیجئے کہ یہ فہرست ہمہ قسم کے محتاجوں اور بے کسوں پر مشتمل ہے

شریعت اسلامیہ نے مسلمان غریبوں اور محتاجوں اور قرضداروں کی انفرادی ضرورتوں کے لئے اولا مال غنیمت کے خمس کا مد قائم کیا اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے، اس کو مختص کر دیا اور بعدہ زکواۃ کا مد قائم کیا اور زکواۃ کے حکم کے ساتھ اس کے مصارف کی ایک فہرست بھی نازل فرمادی اور یہ بتلا دیا کہ مد زکواۃ کی رقم صرف مسلمان محتاجوں اور بے کسوں پر خرچ کی جا سکتی ہے غیر مسلم کو زکواۃ میں سے ایک حبہ نہیں دیا جا سکتا تاکہ حاجتمند مسلمانوں کی انفرادی اور شخصی ضرورتوں کا مداوا ہو سکے

اور عام محتاجوں اور ضرورتمندوں کی ضرورتوں کے لئے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں ان کے لئے شریعت اسلامیہ نے دوسرے مد قائم کئے جس سے ان کی ضرورتیں پوری ہو سکیں وہ جزیہ اور خراج کا مد ہے حکومت کے مدات میں خراج اور جزیہ کی آمدنی بھی ہے جس میں غیر مسلم رعایا کی پرورش کے لئے مد قائم کئے گئے ہیں اور اسلامی حکومت میں جو غیر مسلم رعایا ہے اس کا کوئی فرد اگر کسب معاش سے عاجز ہو تو اس کو حق ہے کہ وہ اسلامی حکومت سے اپنے خرچ کیلئے وظیفہ کی درخواست کرے اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کے لئے بقدر ضرورت وظیفہ مقرر کرے

شریعت اسلامیہ نے صدقات واجبہ اور مال غنیمت کے خمس کی آمدنی کو مسلمان حاجتمندوں کے لئے مخصوص کیا ہے اور خراج اور جزیہ کی آمدنی میں مسلم اور غیر مسلم سب کے حق رکھے ہیں

پھر اسلام نے اگرچہ صدقات واجبہ میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ صرف مسلمان فقیروں پر خرچ کیئے جائیں مگر عام خیرات اور صدقات نافلہ میں یہ حکم دیا گیا ہے تصدقوا علے اہل الادیان کلہا تمام مذہب والوں پر صدقہ اور خیرات کرو

۴۔ اسلام نے جو مصارف صدقات کی مفصل فہرست ذکر کی ہے اس میں ایک بیچارہ مقروضوں یعنی قرضداروں کا بھی طبقہ ہے جو خاص طور پر قابل رحم ہے جس کے لئے حق تعالی نے صدقات میں حصہ رکھا ہے (والغارمین) دنیا کی کسی حکومت نے فقراء اور مساکین اور یتامیٰ اور ابن السبیل کے لئے کسی خیر اور نیکی کا ارادہ نہیں کیا البتہ مقروضوں کے لئے سودی بنک اور انجمن امداد باہمی کا دروازہ کھولا ہے کہ قرضدار وہاں جاکر اپنی مشکل حل کرے سو اس میں اشکال یہ ہے کہ اول بینک اور انجمن امداد باہمی سے ہر قرضدار کو قرضہ ملنا ممکن نہیں اور جن کو مل سکتا ہے تو وہ قرضہ ان کو سود در سود کی زنجیروں میں ایسا جکڑتا ہے کہ قرض لینے والا تلملا اٹھتا ہے اور بعض اوقات جب وہ قرضدار بینک کا قرضہ ادا کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ تو بینک اس کے نام نوٹس جاری کرتا ہے اور حکومت اور عدالت اس بے دست و پا کے مقابلے میں بینک کی پوری مدد کرتی ہے اور گرفتاری کے احکام جاری کرتی ہے اور پولیس کے بے رحم چپڑاسی اس کو پکڑنے کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب صدقات اور مال غنیمت کے خمس سے آمدنی شروع ہوئی تو آپ نے یہ اعلان فرمایا۔

من ترک مالا فلورثتہ ومن ترک کلا فالینا

بخاری شریف

جو شخص مرنے کے بعد مال چھوڑے تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے اور جو شخص کوئی بوجھ یعنی قرض وغیرہ چھوڑ کر مرے تو اس کے ہم ذمہ دار ہیں یعنی بیت المال سے اس کا قرض ادا کر دیں گے

اور عائشہ صدیقہ کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا

من حمل من امتی دینار اجھلا فی قضائہ فمات قبل ان یقضیہ فانا ولیہ سنن کبری بیہقی ص ۲۲ ج ۷

میری امت میں جس شخص نے ایک دینار قرض کا بوجھ اٹھایا اور پھر اس نے اس کی ادائیگی کی کوشش کی لیکن ادا کرنے سے پہلے وہ مر گیا تو میں اس کا ولی ہوں یعنی میں اس کے قرضہ کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہوں

کیا دنیا کی کوئی متمدن اور مہذب حکومت قرضداروں پر اس شفقت و مرحمت کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے۔

قرآن و حدیث بلا سود قرض دینے کی فضیلت سے بھرے پڑے ہیں اور قرض پر سود لینے کی لعنت اور ممانعت اور حرمت سے بھرے پڑے ہیں شیخ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ اگر کوئی مسلم یا غیر مسلم کاشتکار زراعت کے لئے قرض کا محتاج ہو تو بیت المال سے اس کو قرض دیا جائے گا۔

ان یدفع للعاجز کفایتہ من بیت المال قرضا لیعمل فیہا۔ فتح القدیر ص ۳٦۴ ج ۳

جو کسان سامان زراعت مہیا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو بیت المال سے بطور قرض حسنہ اتنا قرض دیا جانے جس سے وہ اپنا کام چلا سکے۔

جس حکومت کے میزانیہ میں اس قسم کی مد موجود ہو وہاں کسی کو بینک اور انجمن اتحاد باہمی کے چکر اور بھنور میں پھنسنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۵) اسلام نے ملک کے باشندوں پر جو محاصل عائد کئے ہیں وہ اس کی شفقت و رحمت کی آئینہ دار ہیں۔

اسلام نے ہر چیز پر زکواہ واجب نہیں کی بلکہ ان چیزوں پر زکواہ واجب کی ہے جن میں بڑھنے اور بڑھانے کی صلاحیت ہو جیسے تجارت اور زراعت اور وہ حیوانات جو بغرض افزائش نسل رکھے گئے ہوں اور سونا اور چاندی کہ جو ہر قسم کی آمدنی اور افزائش دولت کا اصل ذریعہ ہیں رہائشی مکان پر زکواہ نہیں سواری کے جانور (اور آج کل موٹر ہے) اس پر زکواہ نہیں مگر آج کل کی متمدن حکومتوں میں دونوں پر محصول ہے رہائشی مکان پر بھی ٹیکس ہے اور اس موٹر پر بھی ٹیکس ہے جو اس کی ذاتی سواری کے لئے ہے۔ پھر زکواہ کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سامان اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد ہو اصطلاح میں جس کو نصاب کہتے ہیں ہر چیز کا نصاب جدا ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس پر کامل ایک سال بھی گزر چکا ہو جس کو اصطلاح میں حولان حول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(٦) اسلام نے ملک کے باشندوں پر جو مختلف قسم کے محاصل عائد کئے ہیں وہ خاص حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں اور ہر جگہ خاص احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ جس چیز کے حصول میں زیادہ محنت اور مشقت اٹھانی پڑے اسی نسبت سے اس کے محصول میں تخفیف اور کمی ہونی چاہیے اور جس چیز کے حصول میں قدرتی وسائل کو زیادہ دخل ہو اور اس کی جد وجہد کو کم دخل ہو اسکے محصول میں اضافہ ہونا چاہیے۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جس زمین کی آب پاشی بارش اور چشموں کے پانی سے کی گئی ہو اس میں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے اور جس زمین کی سیرابی کنویں کے پانی سے کی گئی ہو اس میں نصف العشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے تجارتی اموال یا سونا چاندی پر ایک سال گزرنے پر چالیس میں سے ایک حصہ لیا جانے گا کیونکہ اس میں محنت زیادہ ہے۔

جو مویشی (اونٹ گانے بکری) افزائش نسل کے لئے پالے جائیں جن کو اصطلاح میں السوائم کہتے ہیں ان میں جو زکواہ واجب کی گئی ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی چالیسواں

حصہ ہی واجب کیا گیا کیونکہ جانوروں کو سال بھر تک چرانا اور کھلانا اور پلانا بڑی محنت چاہتا ہے اس لئے اس میں چالیسواں حصہ واجب کیا گیا اور پھر اس میں رعایت برتی گئی مثلاً چالیس بکریوں سے لے کر ایک سو بیس تک صرف ایک ہی بکری واجب کی گئی نصاب کی دوگنی مقدار معاً (لہ۹) گئی غالباً اس کی علت بھی وہی زیادہ محنت معلوم ہوتی ہے متمدن حکومتوں کے قوانین میں اس قسم کی حکمتوں اور مصلحتوں کا نام ونشان نہیں۔ وزیر خزانہ کے خیال میں جو آجائے اور اسمبلی پاس کر دے وہی حق اور واجب ہے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑوں پر زکواۃ نہیں لے لی گئی کیونکہ آپ کی زندگی میں جو علاقہ فتح ہوا تھا اس میں اونٹ اور بکریاں ہی تھیں حضرت عمر کے زمانے میں جب بلاد شام اور عراق فتح ہوئے جہاں گھوڑے بکثرت تھے تو حضرت عمر کے سامنے گھوڑوں کی زکواہ کا مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یا تو ہر گھوڑے پر ایک دینار لے لیا جائے یا ان کی قیمت لگا لی جائے اور ہر دو سو درہم پر پانچ درہم لے لئے جائیں (تفصیل کے لئے فتح القدیر شرح ہدایہ دیکھیں)

فاروق اعظم نے گھوڑوں کی زکواہ کا جو فیصلہ فرمایا اس کے لحاظ سے بھی چالیسواں حصہ ہی بنتا ہے۔

(۷) اسلام نے زکواہ اور صدقات کے بارہ میں ایک خاص اصول ملحوظ رکھا ہے وہ یہ کہ جس علاقہ سے صدقات وصول کئے جائیں سب سے پہلے اسی علاقہ کے فقراء اور مساکین اور مقروضین ان صدقات کے مستحق ہیں ایک شہر کی زکواہ وصدقات کو بلا ضرورت دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے جیسا کہ ہدایہ اور اس کی شروح میں اس کی تصریح موجود ہے اور معاذ بن جبل کی حدیث میں ہے کہ جب آپ نے ان کو یمن کے علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجا اور لوگوں سے زکواہ وصول کرنے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا

توخذ من اغنیاءھم و ترد علے فقراءھم — جس علاقہ کے تونگروں سے زکواہ لی جائے اسی علاقہ کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔

(۱۶) پھر شریعت اسلامیہ نے زکواہ وصدقات کے متعلق ایک اور پاکیزہ اصول کی طرف رہنمائی کی وہ یہ کہ مستحقین صدقات میں خویش واقارب کو حسب قرابت مقدم رکھو تاکہ صدقہ کے ساتھ صلہ رحمی بھی جمع ہو جائے اصول وفروع کو چھوڑ کر سب سے پہلے اپنے حاجتمند بھائیوں۔ پھر بھائی کی اولاد کو پھر حاجتمند چچاؤں کو اور پھر ماموؤں کو اور پھر عام رشتہ داروں کو اور پھر پڑوسیوں کو اور پھر اس سڑک پر رہنے والوں کو اور پھر اس شہر کے رہنے والوں کو۔ دیکھو فتح القدیر ص ۲۹ ج ۲۔

شریعت کے اس قانون نے صدقہ اور صلہ رحمی کو یکجا جمع کر دیا اور تمام انبیاء کی شریعتوں میں

اور پھر تمام حکماء کی حکمتوں میں صلہ رحمی اور خویش اقارب کے ساتھ سلوک و احسان بلند ترین مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں سے ہے آج کل کی متمدن حکومتوں میں ان مکارم اخلاق اور محاسن کا کیا ذکر۔

(۹) پھر اہل صدقات کے ساتھ اسلام نے یہ سہولت اور نرمی کی کہ حکومت کی طرف سے غیر مسلموں پر جو ٹیکس عائد ہیں مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک روز نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

یامعشر العرب احمدوا اللہ اذرفع عنکم العشور

اے گروہ عرب اللہ کا شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں جیسا حکومتی ٹیکس تم سے اٹھا لیا یعنی معاف کیا اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور پر نور نے یہ ارشاد فرمایا۔

لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی اھل الذمہ

اہل اسلام پر حکومتی ٹیکس نہیں جزاین نیست حکومتی ٹیکس تو اہل ذمہ پر ہے

یہ دونوں حدیثیں امام طحاوی کی شرح معانی الاثار ص ۳۱۲ ج ا کتاب الزکوۃ میں مذکور ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر زکواۃ اور صدقات کو واجب کیا ہے مگر کافروں جیسا کوئی محصول مسلمانوں پر عائد نہیں کیا جیسے کافروں کے مال پر زکواۃ واجب نہیں اسی طرح مسلمانوں پر خراج اور جزیہ مقرر نہیں کیا گیا۔

شریعت اسلامیہ کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق ملحوظ ہے اسی لئے مسلمانوں پر زکوۃ اور صدقات اور مال غنیمت کے خمس کو واجب قرار دیا جو کہ سراسر عبادت ہیں

اور غیر مسلم رعایا پر دوسری قسم کا محصول عائد کیا یعنی جزیہ اور خراج جو محصول ہے اور عبادت نہیں اور انسانی شفقت و ہمدردی ہر جگہ ملحوظ رہی کہ مسلم اور غیر مسلم پر ایک ایک ہی محصول عائد کیا دو محصول عائد نہیں کئے تاکہ بار نہ ہو

(۱۰) پھر شریعت اسلامیہ نے سرکاری محاصل کی وصولی کے بارہ میں تحصیلداروں کو یہ حکم دیا ہے کہ حتی الوسع اور حتی المقدور نرمی اختیار کریں اور تشدد اور سختی سے پرہیز کریں جس کا اندازہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس فرمان عطوفت نشان سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے اپنے عہد خلافت میں مال گذاری وصولی کرنے والے تحصیلداروں کے نام جاری فرمایا تھا۔

استعملنی علی بن ابی طالب علی بزرج سابور فقال لا تضربن رجلا سو فی جبایہ درھم ولا تبیعن لھم رزقا ولا کسوہ شتاء ولا صیف ولا دابہ یعتملون علیہا ولا تقم رجلا قائما فی طلب درھم قال قلت یا امیر المؤمنین اذا ارجع الیک کما ذھبت من عندک قال وان رجعت ویحک انما امرنا ان

ناخذ منہم العفو یعنی الفضل سنن کبری بیہقی ص ۲۲۵ ج،
باب الہنی عن التشدید فے جبایہ الجزیہ

قبیلہ ثقیف کا ایک شخص راوی ہے کہ مجھے حضرت علی نے سابور کے علاقہ کا تحصیلدار مقرر کیا اور روانگی کے وقت مجھ کو یہ حکم دیا کہ دیکھو روپیہ پیسہ کی وصولی میں کسی کو کوڑے نہ مارنا اور نہ ان کے سامان خوراک کو فروخت کرنا اور نہ اس کے موسم سرما اور گرما کے کپڑے نیلام اور فروخت کرنا اور نہ ان کے جانوروں کو نیلام کرنا اس سے وہ اپنا کام کرتے ہیں اور نہ کسی کو ایک ٹانگ پر کھڑا کرنا تحصیلدار نے عرض کیا کہ ایسی صورت میں تو میں اسی طرح خالی ہاتھ واپس آجاؤں گا جیسے خالی ہاتھ گیا تھا اس پر حضرت علی نے فرمایا افسوس۔ ہم کو حکم یہی ہے کہ جو چیز ضرورت سے فاضل اور بچی ہوئی ہو اس سے محصول وصول کریں۔

اور اسی واقعہ کو امام ابویوسف نے اپنی کتاب الخراج ص ۱۸ میں ذکر کیا ہے اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ جب حضرت علی نے اس تحصیلدار کو یہ تاکید کی کہ خراج کی وصولی میں اہل ذمہ پر سختی نہ کرنا تو۔

اخیر میں یہ ارشاد فرمایا۔

فان انت خالفت ما امرتک بہ یاخذک اللہ بہ دونی و ان بلغنی عنک خلاف ذلک عزلتک قال قلت اذا ارجع الیک کما خرجت من عندک قال و ان رجعت کما خرجت قال فانطلقت فعملت بالذی امرنی بہ فرجعت و لم انتقص من الخراج شیئا کتاب الخراج للامام ابی یوسف ص ۱۸

پس اگر تو نے میرے اس حکم کے خلاف کیا تو اللہ تجھ کو میرے بغیر ہی پکڑ لے گا اور اگر مجھ کو تیری مخالفت کی خبر پہنچی تو میں تجھ کو معزول کر دونگا تحصیلدار نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اس صورت میں تو میں آپ کے پاس خالی ہاتھ واپس آؤں گا جیسا کہ خالی ہاتھ گیا فرمایا اگرچہ تو ایسے خالی ہاتھ واپس آنے جیسے تو اب میرے پاس سے جا رہا ہے تحصیلدار کا بیان ہے کہ میں امیرالمومنین کے ارشاد کے مطابق روانہ ہوا اور مجھے جو حکم دیا تھا اس پر عمل کیا۔ پس میں پورا خراج لے کر واپس آیا جس میں ذرہ برابر کوئی کمی نہیں آئی

یہ اسلام کی انتہائی شفقت و مرحمت ہے کہ سرکاری ٹیکس کی وصولی کسی کو بھوکا اور ننگا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

فاروق اعظم کا معمول یہ تھا کہ جب ان کی خدمت میں جزیہ یا خراج کا بہت سا مال پیش کیا جاتا تو دریافت فرماتے کہ تم نے کسی پر کوئی ظلم تو نہیں کیا اور کسی کو مارا پیٹا تو نہیں اور کسی کو زمین پر لٹایا تو نہیں سوالات کرتے رہتے حتی کے لوگ اس بات کی شہادت دیتے کہ یہ جزیہ اور خراج کا مال

لوگوں کے فاضل مال سے ان کی رضا و رغبت سے بلا کسی ظلم اور زیادتی کے لاتے ہیں تو پھر اس کو قبول فرماتے اور یہ کہتے

الحمد للہ الذی لم یجعل ذلک علیٰ یدی و لا فی سلطانی دیکھو کتاب الاموال ص ۴۴

حمد اور شکر ہے اس خدا کا جس نے میرے ہاتھ سے ایسے کام نہیں کرائے اور نہ میری زمانہ سلطنت میں اس قسم کی ظلم و زیادتی ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عراق کا عامل جب عراق کا خراج لے کر فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو دس مقتدر آدمی کوفہ کے اور دس مقتدر آدمی بصرہ کے ساتھ آتے

یشہدون اربع شہادات باللہ انہ من طیب مافیہ ظلم مسلم و لا معاھد کتاب الاخراج للامام یوسف ص ۱۳۷

اور فاروق اعظم کے سامنے چار مرتبہ قسم کھا کر کہتے کہ اللہ گواہ ہے کہ یہ مال رعایا کی طیب خاطر سے وصول کیا گیا ہے اس میں کسی مسلمان اور کسی کافر پر کسی قسم کا کوئی ظلم نہیں کیا گیا۔

اور اس قسم کی اور بھی بے شمار روایتیں ہیں اور انہی روایات کے پیش نظر قاضی ابو یوسف نے ہارون رشید کو بایں الفاظ نصیحت فرمائی اے امیر المومنین مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض محصلین خراج۔ خراج کی وصولی میں رعایا کو مارتے ہیں اور ایک پیر پر ان کو قید کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ یہ باتیں اللہ کے نزدیک سخت جرم ہیں عدل اور انصاف ملک کی آبادی اور خراج اور آمدنی کی زیادتی کا ذریعہ ہے اور ظلم و ستم سے ملک ویران اور تباہ ہو جاتا ہے اور اسی قسم کی عجیب عجیب نصیحتیں فرمائیں دیکھو کتاب الخراج کیا دنیا کی متمدن حکومتیں اس شفقت و مرحمت کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہیں نظیر تو کیا عشر عشیر بھی نہیں

تلک عشرہ کاملہ

یہ اسلامی موازنہ (بجٹ) کی دس خصوصیتوں کا بیان ختم ہوا الحمد للہ میزانیہ ہو تو ایسا ہو کہ جس میں رعایا کی سہولت و راحت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہو اور ملک کی فوجی اور دفاعی اور تعلیمی اور عام اور مشترک ضرورتوں اور مصلحتوں کا بھی کفیل اور ذمہ دار ہو اور عمال حکومت اور حکام سلطنت کی تنخواہوں کا معیار قدر ضرورت اور کفایت ہو اور فضولیات اور سامان عیش و عشرت کا اس میں کوئی مد نہ ہو اور شخصی اور انفرادی ضرورتوں کے لئے اور قرض داروں کی اعانت اور امداد کے لئے ایسے مد قائم کر دیئے گئے ہوں کہ کسی حاجتمند اور کسی مقروض دردمند کو سودی قرض کے لئے کسی بینک کا دروازہ نہ کھٹ کھٹانا پڑے اللہ پناہ میں رکھے آمین۔

بہترین میزانیہ (بجٹ) وہ ہے کہ جس سے ملک کی تمام ضروریات پوری ہو جائیں اور سرکاری

حاصل (ٹیکس) اس قدر قلیل ہوں کہ جس سے رعایا کی مرفہ الحالی پر کوئی اثر نہ پڑے
ایسے عجیب و غریب میزانیہ کیبعد دنیا کو نہ کسی بنک کی ضرورت ہے اور نہ بیمہ انشورنس کی اور نہ انجمن ہائے اتحاد باہمی کی کوئی ضرورت ہے اللہ پناہ دے آمین

سکہ اور دار الضرب (ٹکسال)

میزانیہ کی بحث کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سکہ کے متعلق بھی کچھ لکھ دیا جائے چونکہ دنیا کا کاروبار اور لین دین سب سکہ ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اس لئے سکہ کا مسئلہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے سو جاننا چاہیے کہ سکہ کا رواج قدیم سے ہے اسلام سے پہلے جو سلطنتیں تھیں ان میں سکہ رائج تھا جس کے ذریعہ لین دین اور کاروبار ہوتا تھا اختلاف اس میں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے سکہ کس نے جاری کیا سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے عبد الملک بن مروان نے دراہم کا سکہ جاری کیا اور اس وقت رومی دینار اور کسروی اور حمیری دراہم بھی چلتے تھے ابو الزناد کہتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان نے حجاج کو عراق میں دار الضرب قائم کرنے کا حکم دیا چنانچہ حجاج نے ۷۴ھ میں دراھم ضرب کرائے اور پھر ۷۵ھ میں اور پھر ۷۷ھ میں عبد الملک نے ضرب دراہم کا حکم دیا وار ان دراہم پر (اللہ احد اللہ الصمد) لکھا گیا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مصعب بن زبیر نے اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر کے حکم سے ۷۰ھ میں اکاسرہ کی ضرب پر دراہم ضرب کرائے جن پر ایک جانب میں برکہ اور دوسری جانب میں لفظ اللہ لکھا گیا ایک سال کے بعد حجاج نے اس کو بدل کر ایک جانب بسم اللہ اور دوسری جانب حجاج لکھا تفصیل کے لئے الاحکام السلطانیہ للماوردی دیکھیے ۱۵۴۔

سکہ پر کسی شخص کا نام لکھنا تو شرعاً جائز ہے مگر کسی شخص کی تصویر بنانا قطعاً حرام ہے تصویر کی حرمت اور احادیث صریحہ اور متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے تصویر بنانے کی حرمت تو قطعی ہے اس میں تو ذرہ برابر جواز کی گنجائش نہیں البتہ تصویر کے استعمال کا مسئلہ علیحدہ ہے

اس کے مفصل احکام کتب فقہیہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں اے مسلمانو شریعت کے احکام کا اتباع کرو زمانہ کا نام نہ لو زمانہ اس زمانہ میں اوباش ہوگیا ہے اس سے دور ہی رہنے میں سلامتی ہے سکہ پر تصویر ترقی کا ذریعہ نہیں۔ البتہ محض نمود اور شہرت کا ذریعہ ہے

سکہ کی تقسیم

جاننا چاہیے کہ سکہ کی دو قسمیں ہیں ایک اصلی اور فطری اور دوسری جعلی اور مصنوعی سکہ تو طلائی اور نقرئی

ہے یعنی سونے اور چاندی کا سکہ یہ اصلی اور فطری سکہ ہے جو تمام ممالک میں یکساں ہے اور ہر جگہ معتبر اور مستند ہے اور بین الاقوامی کاروبار کا معیار ہے اور سکہ کی دوسری قسم جعلی اور مصنوعی ہے جو اپنے اندر کسی مالیت کا حامل نہیں محض حکومت کے اقتدار سے اس کو سکہ کہا جاتا ہے جیسے۔ نوٹ

نوٹ، یہ مغربی حکومتوں کی ایجاد ہے حکومت و سلطنت کی طاقت و قوت کی بنا پر نوٹ کو سکہ کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں سو روپیہ کا نوٹ باعتبار مالیت کے سو چھدام کا بھی نہیں حکومت کی طاقت سے ملک میں رائج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی اور نوٹ رائج ہوا تو علماء میں اختلاف ہوا کہ یہ کاغذی نوٹ سکہ ہے یا اصل سکہ کی سند ہے شرعی نقطہ نظر سے رج۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ سکہ نہیں بلکہ سکہ کی سند ہے اور علماء کو اس میں تردد ہوا کہ نوٹ کے ذریعہ زکوۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں کیونکہ نوٹ فی حد ذاتہ مال نہیں

مغربی اقتدار سے پہلے دنیا میں نقرئی اور طلائی سکہ رائج تھا یا ایسی دھات کا سکہ رائج تھا جو کسی درجہ میں باہمی مبادلہ اور لین دین کے معیار قائم رکھ سکے

جب سے مغربی قوموں نے نوٹ جاری کیا ہے اس وقت سے دنیا کو زر مبادلہ کے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ سب کے سامنے ہے

مغربی ممالک نے محکوم اقوام کی اقتصادی حالت تباہ اور برباد کرنے کے لئے نوٹ جاری کیا تاکہ اس مصنوعی اور جعلی سکہ کے ذریعہ سے زندگی کی ضروری اشیاء جو واقعی اپنے اندر مالیت اور قیمت رکھتی ہیں سہولت سے حاصل کی جا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن کمزور حکومتیں اپنے سکہ (نوٹ) کی قیمت گرانے پر مجبور ہوتی ہیں مالیت کا اصل معیار سونا اور چاندی ہے پونڈ اور ڈالر فی الواقع کسی مالیت کے حامل نہیں اگر خدا تعالےٰ کی رحمت سے امریکہ اور برطانیہ بھی انہی بلاہائے آسمانی میں گرفتار ہو جائے جن میں بھارت گرفتار ہے تو پھر ڈالر اور پونڈ کا بھی وہی حال ہوگا جو بھارت کے نوٹ کا ہے

مٹی کا ایک بورا جس کو گدھے والے لیجا کر فروخت کرتے ہیں وہ اپنے اندر فی الواقع مالیت رکھتا ہے اور واقعی ضرورت میں کام آتا ہے مگر نوٹ اپنی ذات کے لحاظ سے فی الواقع نہ کوئی مالیت رکھتا ہے اور نہ کوئی قیمت رکھتا ہے اور نہ کسی واقعی ضرورت کھانے اور پینے اور پہننے میں کام آتا ہے

اس لئے شرعی نقطہ نظر سے نوٹ حقیقتہ کوئی سکہ نہیں بلکہ حقیقت کے لحاظ سے یہ کاغذ کا ایک پرزہ ہے جو رقم مندرجہ بالا کی سند ہے اگرچہ عموم بلوی اور ابتلاء عام کی بنا پر جمہور علماء نے نوٹ سے زکوات ادا ہو جانے کا فتویٰ دے دیا ہے مگر حقیقت حال جو ہے وہ ظاہر ہے مٹی کے سو گدھے اگر زکواۃ میں دے دیئے جائیں تو بلاشبہ زکواۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ مٹی حقیقتاً مال ہے اور اگر زکوات میں سو نوٹ دیئے جائیں تو قطعی اور یقینی طور پر یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ فی الواقع زکوات ادا ہو گئی اس لئے کہ نوٹ فی الحقیقتہ کوئی مال نہیں فرض کرو کہ کسی شخص کے پاس حکومت کے جاری کردہ نوٹ سو کروڑ کے ہیں اور

ایک شخص کے پاس باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا موجود ہے اور حکومت بدل گئی اور جدید حکومت نے سابق حکومت کے جاری کردہ نوٹوں کو کالعدم قرار دے دیا یا تو یہ ایک کروڑ نوٹ والا تو درویش اور فقیر ہو گیا اور باون تولہ چاندی والا ساڑھے سات تولہ سونے والا دولتمند ہو گیا اس لئے کہ سونا اور چاندی تمام عالم میں مالیت اور قیمت کا معیار ہے حکومت کے بدلنے سے اس کی مالیت اور معیاریت میں کوئی فرق نہیں آتا اور نوٹ کے سکہ کا دارومدار حکومت کے اقتدار و اعتبار پر ہے ورنہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بیکار ہے

کاش اگر حسب دستور سابق سونے اور چاندی کا سکہ تمام ممالک میں رائج رہتا تو زرمبادلہ کی یہ مشکلات جو آج پیش آرہی ہیں پیش نہ آتیں

اسلام کا معاشی نظام

آج کل دساتیر عالم کا سب سے اہم باب معاشی نظام کا باب سمجھا جاتا ہے اس بارہ میں ہر سلطنت کا نظام الگ الگ ہے مگر زمانہ حاضرہ میں زیادہ تر مشہور دو نظام ہیں ایک سرمایہ داری اور ایک اشتراکیت اور یہ دونوں نظام باہم متضاد اور متحارب ہیں اور اسلامی نظام اس بارہ میں غایت درجہ معتدل ہے افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہے جو عقلی اور فطری اصول پر مبنی ہے

سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد آزاد اور خود مختار ملکیت پر ہے کہ بلا امتیاز حلال و حرام اور بلا فرق جائز و ناجائز جس طرح ممکن ہو مال و دولت کو جمع کر لیا جائے اور مال و زر کی طاقت سے جس قدر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جا سکے وہ حاصل کر لیا جائے اور اس نفع میں سے مزدور کو جتنا کم سے کم دیا جا سکے اتنا ہی کم دیا جائے تاکہ سرمایہ دار کی حکومت اور برتری مزدور پر قائم رہے اور مزدور کسی وقت سرمایہ دار کے شکنجہ سے نہ نکل سکے اور اس نظام کی بنیاد تمام تر سود پر قائم ہے تمام بنک اسی سودی کاروبار کے لئے ہیں اور غیر محدود سرمایہ کی فراہمی اس نظام کا مقصود حیات ہے جو جس قدر سرمایہ کا مالک ہے وہ اسی درجہ کا سردار ہے اور مزدور اس کے سامنے مجبور اور لاچار ہے اس لئے کہ یہ طبقہ تمام وسائل آمدنی اور ذرائع معاش پر قابض ہے اس لئے غریب اس کے سامنے لاچار ہو گئے اس نظام میں تحصیل دولت کے لئے کسی قسم کی مذہبی اور اخلاقی پابندی نہیں سود ہو یا قمار ہو جس طرح دولت حاصل کر سکو کر لو اور جس طرح یہ گروہ تحصیل دولت میں مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے اسی طرح وہ خرچ کرنے میں بھی مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے جس طرح چاہو کماؤ اور اپنی عیش و عشرت کے لئے جس طرح چاہو

ازاذ اور سرمایہ دار ممالک عموماً عیسائی مذہب رکھتے ہیں اور مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے عالمی سیاست پر قبضہ کئے ہوئے ہیں

اشتراکیت

اشتراکی نظام۔ سرمایہ داری نظام کی بالکل ضد ہے اشتراکیت کے دو اصول سب سے اہم ہیں ایک یہ کہ ذاتی ملکیت کوئی چیز نہیں اشتراکیت کا مقصد یہ ہے کہ ملک سے انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا جائے اور اجتماعی ملکیت قائم کر دی جائے اور آج کل کی اصطلاح میں اسکا نام قومی ملکیت ہے اور قومی خزانہ ہی ملک کا رزاق ہے وزیر خزانہ جس قدر منظوری دے دے وہ اس کا احسان ہے اس اشتراکی نظام نے ملک کے تمام افرادی املاک پر قبضہ کر کے ریاست اور حکومت کو سب سے بڑا سرمایہ دار بنا دیا ایک اژدھا ہے جو چھوٹے سانپوں کو نگل کر بڑا سانپ بن گیا ہے اور دوسرا اصول یہ ہے کہ ملک کی دولت تمام اہل ملک پر برابر تقسیم ہونی چاہیے کسی کو کسی پر کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں معاشی لحاظ سے تمام افراد ملک میں مساوات ہونی چاہیے جب غرباء سرمایہ داری کے ظلم اور تشدد سے تنگ آئے اور دیکھا کہ سرمایہ دار تو مختار ہے اور بے چارہ مزدور بے بس اور بالکل مجبور اور لاچار ہے تو سرمایہ داری سے اس قدر متنفر اور بیزار ہوئے کہ سرمایہ داری سے انتقام کے لئے ایک نیا نظام قائم کیا جس کا نام اشتراکیت رکھا اور جوش عداوت و نفرت میں انفرادی اور شخصی ملکیت کو ممنوع قرار دیا اور اس کے ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا یہ اشتراکیت کا پہلا اصول ہوا اور پھر دوسرا اصول یہ قائم کیا کہ ملک کی دولت مساوی طور پر تقسیم ہونی چاہیے اور کسی فرد کو بھی دولت پر خود مختارانہ تصرف کا کوئی حق باقی نہ رہے اور ملکی آمدنی کے تمام وسائل خواہ وہ صنعت و حرفت سے متعلق ہوں یا زراعت سے متعلق ہوں وہ جب حکومت کی ملک تصور کئے جائیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہر جھوٹ اور ہر مکر و فریب سب کو جائز قرار دیا اور اشتراکیت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ مزدور راج قائم ہو جائے یہ تیسرا اصول پہلے ہی دو اصولوں کا نتیجہ ہے اب تک تو یہ سنتے آئے تھے کہ بہترین سلطنت وہ ہے جہاں ملک کے عقلاء کا راج ہو اور اب یہ سننے میں آیا کہ بہترین حکومت وہ ہے جہاں کھیتوں کے کاشتکاروں اور کارخانہ کے مزدوروں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ہو اشتراکیت کے پہلے دونوں اصول عقل اور فطرت کے خلاف ہیں۔ جس کو عنقریب ہم بیان کریں گے اور تیسرا اصول بھی غلط ہے جو پہلے دو اصولوں کا نتیجہ ہے یہ فرقہ مذہب اور اخلاق سے غایت درجہ بعید ہے اور مذہب کے نام سے متنفر اور بیزار ہے حتے کہ خدا تعالے کا بھی قائل نہیں چہ جائیکہ خدا تعالے کو اپنا مالک اور رزاق سمجھے

پہلا فرقہ (سرمایہ دار) اگرچہ حصول زر میں حلال و حرام کا قائل نہیں مگر خدا تعالے اور آسمانی مذہب کا تو قائل ہے اور دوسرا گروہ اشتراکی سرے سے خدا تعالے کا منکر ہے اور کسی آسمانی مذہب کا

قائل نہیں البتہ اپنے نفسانی مذہب کا قائل ہے جو اس کے نفس نے بنایا ہے غریبوں اور مزدوروں نے جب سرمایہ داروں کی عیش و عشرت اور پر شوکت زندگی کو دیکھا تو حرص اور طمع نے ان کی نظروں کو چکا چوند بن دیا اس لئے ان بھوکے اور بے صبرے اور لالچی فقیروں نے جب اشتراکی نعرہ سنا تو اس کی دلفریب آواز پر ایسے مفتون ہوئے کہ دولتمندوں کے دشمن ہو گئے

اسلام میں نظریہ اشتراکیت کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں یہ نظریہ سراسر خلاف عقل ہے اس گروہ کا قبلہ و کعبہ پیٹ ہے اور ہر وقت پیٹ ہی کا نعرہ ہے اور ہر طرف سے شکم شکم کی آواز ہے تمام مسائل زندگی کا مبدا اور انتہا یہی پیٹ ہے اور سرمایہ داری نظام کا محور نفسانی خواہشات اور لذات اور عیش و عشرت کی زندگی ہے ہر دو گروہ حرص و طمع کا شکار ہیں وار اپنے اپنے طریقہ سے لوٹ کھسوٹ میں حیران اور سرگردان ہیں اختلاف نقط صورت کا ہے سرمایہ داری نظام میں حرص کی صورت ذرا خوبصورت ہے اور اشتراکیت میں بد نما ہے کیونکہ اشتراکیت میں لوٹ مار اور مار دھاڑ ہے جو بظاہر سرمایہ داری میں نہیں

اسلامی نظام

اسلامی نظام اس افراط اور تفریط کے درمیان ایک معتدل راہ ہے اسلام شخصی اور انفرادی ملکیتوں کو جائز اور معتبر بتاتا ہے اور واجب الاحترام قرار دیتا ہے اور دوسرے کی ملکیت میں تعدی اور دست درازی کو حرام قرار دیتا ہے جیسا کہ قرآن و حدیث ذاتی ملکیت کے احکام سے بھرا پڑا ہے

کماقال تعالے

یاایھاالذین آمنو الا تاکلو اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارہ عن تراض منکم اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاو مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کے ساتھ خرید و فروخت کرو

تمام دنیا کے بازار جو خرید و فروخت کے لے قائم ہیں وہ صرف شخصی ملکیت حاصل کرنے کے لئے قائم ہیں

وقال تعالے لاتاکلو اموالھم الے اموالکم انہ کان حوبا کبیرا و لا تؤ توا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما الذین یاکلون اموال الیتامی انما یاکلون فے بطونہم نارا و لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوابہا الے الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم۔

اور اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جو ذاتی اور شخصی ملکیت کو واجب الاحترام قرار دیتی ہیں اور اسی طرح بے شمار حدیثیں ہیں جن میں کسی کے مال میں دست اندازی کو حرام قرار دیا گیا ہے

اور تمام متمدن حکومتوں نے جو چوری اور ڈاکہ کو جرائم میں شمار کیا ہے اس کی وجہ تو یہی ہے کہ وہ ذاتی اور شخصی ملکیت پر تعدی اور ظلم ہے ورنہ قومی خزانہ میں تو سب کا حق ہے

اسلام نے شخصی اور ذاتی ملکیت کو جائز اور معتبر قرار دیا مگر مال و دولت پر حقوق و فرائض بھی عائد کئے کما قال تعالےٰ و فی اموالھم حق معلوم للسائل و المحروم اور ظاہر ہے کہ جب اموال مملوکہ میں سائل اور محروم سب کے حقوق شامل ہوں گے تو وہ ملکیت ذاتیہ آزاد اور مطلق العنان نہ رہے گی ملکیت ذاتیہ سے دولت کے فوائد باقی رہ گئے اور حقوق و فرائض کے عائد کرنے سے اس کے مفاسد دور گئے سو غرض یہ کہ اسلام نے مطلق اور آزاد ملکیت کی نفی کر دی اور اصل ملکیت کو برقرار رکھا

شریعت کی نظر میں قومی ملکیت ایک بے معنی لفظ ہے مجموعہ افراد اور اجزاء کے تابع ہوتا ہے جب تمام افراد حق ملکیت سے محروم کر دیئے گئے تو وہ مجموعہ کیا چیز ہے جو تمام املاک کا مالک ہے اسلام نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح ملکیت مطلقہ کی اجازت دیتا ہے کہ مالک پر کوئی زکوٰہ اور عشر اور کسی قسم کا کوئی فریضہ اس پر عائد نہ ہو اور مالک کو بالکل اختیار ہو کہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اور نہ بے رحمی اور سود خواری کی اجازت دیتا ہے بلکہ سود کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے اور نہ مزدور پر کسی قسم کے ظلم و تشدد کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس پر شفقت و مرحمت کا حکم دیتا ہے اور حق سے زیادہ اجرت دینے کی ترغیب دیتا ہے

اور نہ اشتراکی نظام کی طرح شخصی اور انفرادی ملکیت کو ممنوع اور باطل قرار دیتا ہے اور نہ شخصی ملکیت کی کوئی حد مقرر کرتا ہے اس لئے کہ ذاتی ملکیت کا بالکلیہ انکار یا اس کی تحدید خلاف عقل اور خلاف فطرت ہے کیا یہ ظلم نہیں کہ انسان اپنے زر خرید مکان اور سامان کا بھی مالک نہ ہو اور حسب منشاء اس میں تصرف نہ کر سکے۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ملک کا ہر فرد حکومت کا غلام ہے بغیر آقا اور مالک کی اجازت کے اپنی ذاتی چیز میں بھی تصرف نہیں کر سکتا یہ ذلت آمیز نظریہ اشتراکیت کو مبارک ہو۔

اسلام کی نظر میں جو شخص جائز طریقہ سے جس قدر بھی مال و دولت حاصل کرے وہ اس کا مالک ہے شریعت کی طرف سے ملکیت پر کوئی پابندی اور حد بندی نہیں البتہ حسب قاعدہ شریعت ملکیت پر زکوات اور عشر واجب ہے جو فقراء اور مساکین کا حق ہے اور مرنے کے بعد اس کے مال میں اس کے وارثوں کا حق ہے جس درجہ کی قرابت ہوگی اسی درجہ کا استحقاق ہوگا انسان جس مال کا مالک نہ ہو شریعت میں اس پر نہ زکوات ہے اور نہ مرنے کے بعد اس میں وراثت جاری ہوتی ہے پھر یہ کہ مال میراث خاندان کے متعدد افراد میں تقسیم ہو جاتا ہے جس سے خاندان کے بہت سے حاجتمندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اس طرح سے ایک کی دولت دس افراد پر تقسیم ہو جاتی ہے پھر شریعت میں قانون وراثت کے ساتھ قانون وصیت بھی ہے کہ متوفی اپنے مال میں سے ایک تہائی مال کی غرباء فقراء

وظیفہ وغیرہ کے لئے وصیت کر سکتا ہے یا کسی مسجد یا دینی مدرسہ یا خانقاہ کے لئے وقف کر سکتا ہے جس سے بہت سے لاوارثوں کا بھلا ہو جاتا ہے

زمین کی وہ پیداوار جو انسان کی سعی اور عمل سے ظہور میں آئے وہ انسان کی ملک ہے اور اس کو اس کی بیع وشراء کا کلی اختیار ہے اور جو گھاس خودرو ہو وہ کسی کی ملک نہیں جو اس کو کاٹ لے گا وہ اس کی ملک ہو جائے گا

اسلام نے شخصی ملکیت کو جائز قرار دیا ہے مگر ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے اور جو مال و دولت جائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اس کی بابت یہ حکم دیا ہے کہ اس مال و دولت کو عیش و عشرت اور خدا تعالے کی معصیت اور خدا تعالے سے غفلت کا ذریعہ نہ بناؤ بلکہ جس قدر ممکن ہو اس کو آخرت کا ذریعہ بناؤ نیک کاموں میں اس کو خرچ کرو صلہ رحمی کرو یتیموں اور مسکینوں کی مدد کرو والدین پر خرچ کرو اہل وعیال پر خرچ کرو ذوی القربیٰ کے حقوق کو ادا کرو پڑوسیوں کا خیال رکھو دوست و احباب کو ہدیہ و تحفہ بھی دیا کرو

شریعت نے شخصی ملکیت اور سرمایہ داری کو ممنوع قرار نہیں دیا بلکہ اس کا رخ موڑ دیا کہ بجائے برائی کے بھلائی میں خرچ کی جائے

پس جبکہ شریعت نے حصول دولت کے وسائل پر بھی پابندی عائد کر دی کہ اس کو شریعت کے مطابق جائز طریقوں کے مطابق حاصل کیا جائے اور پھر اس دولت کے خرچ پر بھی ایجابی اور سلبی پابندیاں عائد کر دیں کہ فلاں جگہ خرچ کرو اور فلاں جگہ خرچ نہ کرو تو پھر مال و دولت کے فوائد اور منافع تو باقی رہ گئے اور اس کے مفاسد اور مضرتیں دور ہو گئیں

شریعت نے اصل مال و دولت اور اس کی ملکیت کو برقرار رکھا اور اس کے مفاسد کی اصلاح کر دی حق جل شانہ نے ایک طرف دولتمند کو بیش از بیش صدقات و خیرات کا حکم دیا اور دوسری طرف یہ حکم دیا ولا تتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ بعضکم علے بعض اس چیز کی تمنا اور آرزو نہ کرو جس کی وجہ سے اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت اور برتری بخشی ہے

اس لئے کہ یہ فضائل و کمالات عطیہ خداوندی ہیں اس میں بندہ کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہیں قدرت خداوندی نے جو فرق مدارج اور تفاوت مراتب پیدا کیا ہے اسے کوئی ختم نہیں کر سکتا کمالات اور فضائل اور معاشی وسائل میں تفاوت قانون خداوندی ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا

سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار کو اپنی مال و دولت پر ملکیت مطلقہ حاصل ہے جو اخلاق اور مذہبی پابندیوں سے آزاد ہے اس کو اختیار ہے کہ جس طرح سے چاہے وہ مال و دولت حاصل کرے اور جسطرح چاہے اس کو خرچ کرے کمانے میں اور خرچ کرنے میں وہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تقسیم کا قائل نہیں وہ اپنی دولت کا مختار مطلق ہے اس پر کسی قسم کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ اور حق عائد

نہیں نہ زکوات اور نہ خیرات و صدقات اور نہ قرض حسنہ اور نہ کوئی اخلاقی ہمدردی کہ مثلاً اپنے بھائی کو بلا سود کے قرضہ دے دے اس کو اختیار ہے کہ جو چاہے شرح سود مقرر کرے جس طرح وہ مال و دولت کی تحصیل میں حلال و حرام سے آزاد ہے اسی طرح وہ خرچ کرنے میں بھی حلال و حرام سے آزاد ہے جیسا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے یہ کہا تھا

قالوا یاشعیب اصلوتک تامرک ان نترک مایعبدآباء ناأوان نفعل فے اموالنا مانشاء اے شعیب کیا آپ کی نماز آپ کو یہ تعلیم و تلقین کرتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں کہ جن کی ہمارے آباء واجداد پرستش کرتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں اپنی حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں

ہم کو اختیار ہے کہ اپنے مالوں میں جو چاہیں تصرف کریں آپ ہمارے معاشی اور تجارتی کاروبار میں کیوں دخل دیتے ہیں اور ہم پر حلال و حرام کی پابندیاں کیوں عائد کرتے ہیں ہم اپنے سرمایہ میں آزاد اور خود مختار ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی مملکت مطلقہ جو کسی حلال و حرام کی پابند نہ ہو انانیت مطلقہ اور مطلق العنانی کے مرادف ہے

اس انانیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناداروں کا گروہ سرمایہ داروں کی دشمنی اور عداوت پر کمربستہ ہو گیا اور ذاتی ملکیت کی عداوت میں اس قدر غلو کیا کہ سرے ہی سے ذاتی ملکیت کا منکر ہو گیا اور اشتراک اور مساوات کا داعی بن کر میدان میں آگیا اور یہ خیال کیا کہ مساوات جب ہی متحقق ہوگی کہ جب ملک کے تمام افراد شخصی ملکیت سے بالکلیہ محروم ہو جائیں گے اس گروہ نے حرمان جزئی کا علاج مداویٔ حرمان کلی سے کیا کہ اپنی جزئی نزدی کیوجہ سے ملک کے تمام افراد کو ملکیت سے بالکلیہ محروم کر دیا حتے کہ خود اپنے کو بھی ملکیت سے محروم کر دیا اور سمجھا کہ جب تک ملکیت سے حرمان عام نہ ہوگا اس وقت تک مساوات قائم نہ ہوگی اور اس نادان نے اس ظلم عام کو عدل تام سمجھا اشتراکی نظریہ رکھنے والوں نے دنیا کو جانوروں کی ایک چراگاہ سمجھا کہ ہر گھوڑے اور گدھے کو اس میں بقدر ضرورت چرنے کا حق حاصل ہے جس طرح کسی گدھے کو یہ حق حاصل نہیں کہ گھانس کے کسی گٹھ کو اپنی ذاتی ملکیت بنا کر اپنے طویلہ میں محفوظ کر لے یا اپنے بیٹوں یا پوتوں کو دے دے اسی طرح انسان کو بھی ذاتی ملکیت اور وراثت کا کوئی حق نہیں

سرمایہ داری نظام کا مزاج اگر بھیڑیئے اور درندے سے ملتا جلتا ہے تو اشتراکی نظام کا مزاج بیل بکری اور گدھے کے مزاج سے ملتا جلتا ہے اشتراکی نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ ملک کے کل باشندے مختلف قسم کے جانور ہیں جس طرح جانوروں کو حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا اسی طرح رعایا کو بھی انفرادی طور پر حق ملکیت نہیں حکومت اور قومی خزانہ ملک کے جانوروں یعنی رعایا کو بقدر ان کی محنت کے جتنا چارہ ڈال دے وہ ٹھیک ہے

اے میرے عزیزو کیا انسانیت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ذلت آمیز نظریہ ہو سکتا ہے جس میں ایک انسان کی قدر و قیمت بیل اور گدھے سے زیادہ نہیں بقدر ان کی محنت کے انکو گھانس ڈال دیا گیا

پھر حیرت یہ ہے کہ اس قومی ملکیت کے سربراہ اور منتظمین وہ بڑے بڑے حیوان ہیں کہ جن کا شکم کم از کم ایک ہزار حیوانوں کے برابر ہے اور انہیں بڑے بڑے حیوانوں کے حکم سے چھوٹے چھوٹے حیوانوں کو بقدر محنت کچھ دے دیا جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ چھوٹا بیل بڑے بیل کے دفتر میں درخواست دے اور بڑا بیل اس پر دستخط کرے تب اس چھوٹے بیل کو کوئی پر منٹ یا توی منافع کے نام کا چک مل جائے گا

غریبوں نے جب یہ دیکھا کہ سرمایہ دار کا ظلم عظیم اور جرم عظیم یہ ہے کہ وہ امیر کیوں ہے اور ہم فقیر کیوں ہیں تو انہوں نے یہ مہم چلائی کہ سب امیر تو بن نہیں سکتے لہذا ملک کے تمام تمام افراد کو ذاتی طور پر فقیر بنا دیا جائے

اسلام کا معاشی نظام ان دونوں نظاموں سے بالکل مختلف اور جدا ہے اور ایک مستقل نظام ہے جو ٹھیک افراط اور تفریط کے درمیان واقع ہے اور سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مفاسد اور خرابیوں سے پاک اور منزہ ہے اور چودہ سو سال سے ٹھیک چل رہا ہے دنیا میں جو خرابی آئی وہ تو سرمایہ دارانہ نظام سے آئی یا اشتراکی نظام سے آئی

اسلام یہ کہتا ہے کہ جس چیز کو تم نے جائز طریقہ سے حاصل کیا وہ تمہاری ملک ہے مگر وہ ملکیت مطلق اور آزاد نہیں بلکہ مالک حقیقی کے حکم کے تابع ہے جیسے عبد ماذون بغیر آقا کی اجازت کے مالی تجارت میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا اسی طرح بندہ خدا تعالے کی عطا کردہ مال و دولت میں بغیر حکم خداوندی کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور اس مالک حقیقی کی طرف سے اس مال و دولت کے کچھ حقوق اور فرائض ہیں جن میں سے بعضے حقوق ایجابی ہیں اور بعضے سلبی ہیں

ایجابی حقوق

(۱) اول یہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ نکالے اور فقراء و مساکین اور قرضداروں پر اس کو خرچ کیا جائے

(۲) دوم خیرات و مبرات یعنی زکوٰۃ کے علاوہ دیگر امور خیر میں کچھ خرچ کرے مثلاً صلہ رحمی کرے اور مسجدیں اور مسافر خانے اور کنویں وغیرہ بنوائے اور کارہائے خیر کے لئے کچھ وقف کرے مثلاً مسجد یا دینی مدرسہ کے لئے وقف کرے اور وقف کا طریقہ اسلامی خصوصیات میں سے ہے دور جاہلیت میں اس کا وجود نہیں تھا اور وقف کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی مملوکہ جائیداد کو خدا تعالے کے پاس امانت رکھ دے اور اس کی آمدنی سے خدا کے کام یعنی دینی امور انجام پذیر ہوتے رہیں مسجدیں تعمیر کی جائیں خانقاہیں مسافر خانے مدارس اسلامیہ کنویں اور پل اور ہر قسم کے رفاہ عام کی چیزیں بنائی جائیں جس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا رہے اور واقف کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثواب

پہنچتا ہے اور چونکہ وقف عبادت اور صدقہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ وقف کا منتظم مسلمان ہو تاکہ اسلامی احکام کی مخالفت کا اندیشہ باقی نہ رہے اور اسی خیرات و مبرات میں قرضہ حسنہ بھی داخل ہے یعنی لوگوں کو بلا سود کے قرضہ دے

زکواۃ اور خیرات میں فرق یہ ہے کہ زکواۃ ایک فریضہ متعینہ ہے جس کی حد اور مقدار متعین ہے اور اس کی ادائیگی کا وقت اور زمانہ بھی معین ہے اور خیرات فریضہ اخلاقیہ ہے جس کی کوئی حد اور مقدار معین نہیں اور نہ اس کے لئے وقت اور مدت مقرر ہے

(۳) سوم۔ مال و دولت کے حقوق میں سے ایک حق میراث ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اور اس کے اہل و عیال اور اس کے خویش و اقارب اس کے مال کے حقدار ہوتے ہیں اور حسب قواعد شریعت وہ مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جس سے بسا اوقات اس کی اولاد اور خویش و اقارب خوشحال بن جاتے ہیں اور وارثوں کے دل اس کی محبت سے لبریز ہو جاتے ہیں کہ ہمارے باپ یا بھائی یا فلاں عزیز نے ہمارے لئے اتنا ترکہ چھوڑا اور دل سے اس کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں

جس طرح وہ اپنی زندگی میں تنہا اس کا مالک تھا مگر انتہائی محبت کے ساتھ اس اپنے سرمایہ کو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا تھا اسی طرح شریعت نے اس کے مرنے کے بعد اس کے سرمایہ کو اس کے اہل و عیال پر حسب قرابت تقسیم کر دیا یہ مال و دولت نام پر ایک کے ہے مگر کام بہتوں کے آرہا ہے

حقوق سلبیہ

یہ تو مال و دولت کے حقوق ایجابیہ کا بیان ہوا اب مال و دولت کے حقوق سلبیہ کو سنئے مال و دولت اگرچہ اس کی ذاتی ملک ہے مگر اس ذاتی ملک میں دوسروں کے حقوق بھی کچھ شامل ہو گئے ہیں تو گویا کہ دوسرے بھی اس میں کسی قدر شریک ہو گئے ہیں اس مال کا مالک اگرچہ تنہا ذات ہے مگر جب اس میں بیوی بچوں کے حقوق بھی شامل ہو گئے تو اس انفرادی ملکیت سے اس کے اہل و عیال کو کیا نقصان لاحق ہوا اسی طرح جب مال میں فقراء و مساکین اور ذوی القربیٰ کے حقوق بھی رکھدیئے گئے ہیں تو مالداروں کے وجود سے غریبوں کو کیا نقصان لاحق ہوا بلکہ ان کے لئے ایک سہارا ہو گیا مال کے حقوق سلبیہ حسب ذیل ہیں

(۱) اپنے مال کو ایسے طور پر استعمال نہ کرے جو دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بنے مثلاً احتکار کرے یعنی غلہ کو روک کر رکھے تاکہ بوقت ضرورت اس کو گراں قیمت پر فروخت کر سکے

(۲) اسراف اور بخل سے بچے خلاف شرع امور میں اس کا استعمال نہ کرے یہ اسراف اور فضول

خرچی ہوئی اور حقوق واجبہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے یہ بخل ہوا مطلب یہ ہوا کہ اسراف اور بخل دونوں سے بچے

(۳) اور قرض دے کر اس پر سود نہ لے قرض دیکر سود لینا بے رحمی ہے اور دوسروں کی ضرورت سے ناجائز نفع حاصل کرنا ہے جو سراسر بے رحمی اور خلاف مروت ہے

خلاصہ کلام یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام ایک آزاد اور خود مختار انفرادی ملکیت کا قائل ہے جو اخلاقی اور مذہبی حدود اور قیود سے آزاد ہے اور اشتراکی نظام سرے سے انفرادی ملکیت کا منکر بلکہ اس کا جانی دشمن ہے اور اسلام انفرادی اور شخصی ملکیت کا قائل ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اس ملکیت کو آزاد اور خود مختار تسلیم نہیں کرتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا جس طرح تیرا وجود اور تیری حیات مجازی ہے اسی طرح تیری ملکیت بھی مجازی ہے اور مالک حقیقی کے حکم کے تابع ہے تو اس مال و دولت کو منعم حقیقی کا عطیہ سمجھ اور اس کا شکر کر اور اس نعمت میں پڑ کر منعم حقیقی سے غافل اور مست مت بن اور ان متاع فانی کو توشہ آخرت بنا اور اس کے حکم کے مطابق اس کو خرچ کر اور اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان کر جیسے خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور عیش و عشرت میں پڑ کر زمین میں فساد نہ برپا کر کما قال تعالے کلوا من رزق ربکم واشکروالہ وابتغ فیمااتاک اللہ الدارالاخراہ ولاتنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولاتبغ الفساد فے الارض ان اللہ لا یحب المفسدین

بدنیا	توانی	کہ	عقبی	خری
بخزجان	من	ورنہ	حسرت	بری
اگر	گنج	قارون	بچنگ	آوری
نماند	مگر	آنکہ	بخشی	بری

پس ایسی معتدل ملکیت جس میں فقراء اور مساکین اور خویش واقارب کے حقوق بھی رکھے گئے ہوں اور مرنے کے بعد وارثوں کے لئے حسب قرابت حصے بھی مقرر کر دیئے گئے ہوں اور خرچ کرنے پر قسم قسم کی پابندیاں کر دی گئی ہوں تو بتلاؤ ایسے مال و دولت میں کسی قسم کے شر اور فتنہ کا احتمال نہیں اور ظاہر ہے کہ جس مال و دولت میں اہل وعیال اور والدین اور خویش اقارب اور پڑوسیوں اور فقراء ومساکین اور قرضداروں کا حق اور حصہ رکھ دیا گیا ہو اور صدقہ اور خیرات کے بعد ایذارسانی اور احسان جتلانے سے منع کر دیا گیا ہو اور دولتمندوں کو یہ حکم دے دیا گیا ہو قرضوا اللہ قرضا حسنا ضرور تمندوں کو بلا سود کے حسبتاً قرض حسنہ دو اور اگر وہ مقروض تنگدستی کی وجہ سے بروقت تمہارا قرض ادا نہ کر سکے تو اسکو مزید مہلت دو تو ایسے دولتمندوں کا کون دشمن ہو سکتا ہے اور

جب ہر شہر اور ہر بستی کا دولتمند اور صاحب ثروت اپنے عزیزوں اور پڑوسیوں کی خبر گیری کرے گا اور خیر کے کاموں میں حصہ لے گا تو سارا شہر اس کا جان نثار اور دعاگو ہو گا نہ کہ دشمن محض مال و دولت کوئی خراب چیز نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال خرابیوں کا سبب بنتا ہے جس کا شریعت نے دروازہ بند کر دیا ہے

تقسیم دولت

اسلام نے دولت کے دو حصے کر دیئے ہیں ایک حصہ وہ ہے جس میں تمام انسانوں کے حقوق برابر ہیں مثلاً خود رو گھاس اور دریا میں پیدا ہونے والی تمام چیزیں اور ہوا میں اڑنے والے پرند اور پہاڑوں میں تمام پیدا ہونے والی چیزیں جیسے جھاڑ جنکار جنسے لوگ ایندھن کا کام لیتے ہیں اور خود رو گھاس اور دریاؤں کے پانی اور قدرتی چشمے وغیرہ وغیرہ اس قسم کی چیزوں میں شخصی ملکیت نہیں یہ دولت منجانب اللہ وقف عام ہے اور تمام بنی نوع انسان میں مشترک ہے جس کا جی چاہے اس سے استفادہ کرے جو شخص کسی چرند اور پرند کا شکار کرے یا دریا سے مچھلیوں کا شکار کرے وہ اس کی ملک ہو جائے گی سمندر کی مچھلیوں اور ہوا کے پرندوں کا ایک ہی حکم ہے تمام پبلک کو اس سے استفادہ کا حق حاصل ہے حکومت کو اختیار نہیں کہ دریاؤں اور سمندروں سے مچھلی کے شکار کی ممانعت کر دے یا اس کو فروخت کر دے یا ٹھیکہ پر دے دے یا اس پر کوئی محصول لگائے اس قسم کی دولت جس میں کسی کی سعی اور محنت کو دخل نہ ہو اس میں سب کے حقوق مساوی ہیں ایسی خود رو چیزوں کو شخصی ملکیتوں اور دولتمندوں کے ناجائز قبضوں اور تصرفات سے بچانا حکومت کا فرض ہے شریعت کی نظر میں اس قسم کی چیزیں اشتراکیت کے باب سے ہیں جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں حدیث میں ہے

لاتمنعوا کلاء ولا ماء فانہ متاع للمقوین و قوہ للستضعفین ۔ کتاب الخراج للامام ابی یوسف ۱۱۵۔

نہ گھاس کو روکو اور نہ پانی کو روکو یہ مسافروں کے لئے سامان سہولت ہے اور کمزوروں کے لئے سہارا اور ذریعہ ہے

دریا کا پانی کسی کی ملک نہیں البتہ جو شخص اپنے برتن یا مشک میں بھر لے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا علی ہذا دریا کی مچھلیاں کسی کی ملک نہیں جو ان کا شکار کر لے گا وہ ان کا مالک بن جائے گا

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سمندر سے اگر کوئی موتی اور عنبر نکالے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا سمندر سے جو چیز نکالی جائے اس کا حکم وہی ہے جو مچھلیوں کا ہے اور اس عنبر اور موتی میں سے حکومت کو بھی اس شخص سے کسی محصول لینے کا حق نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ عنبر اور موتی میں

سے اللہ کے نام کا خمس نکالا جائے گا۔ کذا فی کتاب الخراج للامام ابی یوسف

خلاصہ یہ کہ

پانی اور آگ اور خودرو گھاس اور جنگل اور پہاڑ کے خودرو جھاڑ جنکار یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں جو ان کو حاصل کرلے اپنے قبضہ میں لے لے وہی اسکا مالک ہے آپ اندازہ لگائیں کہ اسلام نے اپنی رعایا کے لئے کتنی معاشی سہولتیں عطا کی ہیں جن کی دنیا میں اب نظیر نہیں

دوسرا حصہ دولت کا وہ ہے جس میں انسان کی سعی اور اس کے عمل کو دخل ہو جیسے صنعت اور تجارت اور زراعت پس اس طریقہ سے جو چیز حاصل ہو گی وہ اس شخص کی مخصوص ملکیت سمجھی جائے گی بشرطیکہ وہ جائز طریقوں سے حاصل کی گئی ہو ایسی چیز میں تمام انسانوں کے حقوق مساوی نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں جس شخص کی سعی اور عمل سے وہ چیز وجود میں آئی ہے اسی کا حق ہے کہ وہ ذاتی طور پر اس کا مالک ہو پس جس حصہ کو شریعت نے انفرادی ملکیت قرار دیا ہے اس کے متعلق شریعت اسلامیہ کا نہایت مؤکد حکم ہے کہ اس ملکیت کا پورا احترام کیا جائے کسی کی انفرادی اور مخصوص ملکیت کو بغیر حق شرعی کے اس کی ملک اور قبضہ سے نکالنا نہ حکومت کے لئے جائز ہے اور نہ عوام کے لئے جائز ہے اور بغیر مالک کی اجازت کے اس میں کسی کو کسی تصرف کا حق حاصل نہیں

قال تعالے ۔ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم

(۱) عقلاء عالم پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ افراد انسانی ذاتی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں یکساں نہیں بلکہ مختلف ہیں لہذا جو شخص اپنی دماغی اور عملی قوتوں سے اور اپنی جد و جہد سے اور جائز طریقہ سے کوئی دولت حاصل کرتا ہے وہ اس کی مخصوص ملکیت ہے اور اس جد و جہد اور سعی میں تمام انسان مساوی نہیں ہر شخص اپنی قوت فکریہ اور قوت عملیہ کے بنا پر تجارت اور صنعت و حرفت میں ترقی کرتا ہے قوائے فکریہ اور قوائے عملیہ میں بہت تفاوت ہے پس اگر اس تفاوت کو نظر انداز کر کے یکسانیت پیدا کر دی جائے تو کام کرنے والوں کے عزائم اور ہمتیں مردہ اور حوصلے پست ہو جائیں گے جس سے نظام عالم درہم و برہم ہو جائے گا اور تجارتی اور صنعتی ترقی کے دروازے بند ہو جائیں گے اور فطرتی آرزؤں اور امیدوں اور امنگوں پر پانی پھر جائے گا اور تمام امیدیں مایوسی اور نا امیدی سے بدل جائیں گی اگر باوجود جد و جہد کے ذاتی ملکیت کا حق اس کو حاصل نہ ہو تو پھر اپنے سرمایہ کو کاروبار میں لگانے کی دردسری کون اپنے سر مول لے گا کہ اپنے سرمایہ کو خطرہ میں بھی ڈالو اور محنت بھی کرو اور پھر بھی حق ملکیت حاصل نہ ہو تو پھر اس دردسری سے کیا فائدہ اس لئے حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ مخصوص ملکیتوں کا خاص احترام کرے اور

کسی کو اس میں ناجائز تصرف کی اجازت نہ دے تاکہ فطری حوصلہ پست نہ ہو

(۲) ہر انسان فطری طور پر اپنی ذاتی اور انفرادی ملکیت میں ایک خاص قسم کی مسرت اور راحت اور عزت اور سکون اور طمانینت محسوس کرتا ہے انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ یہ چیز میری ذاتی ملک ہے میں جس طرح چاہوں اس میں تصرف کروں اس کے استعمال میں کسی کی اجازت درکار نہیں اور نہ اسمیں کسی کو مداخلت کا اختیار ہے تو دل میں ایک خاص خوشی محسوس کرتا ہے اور اس میں اپنی عزت سمجھتا ہے کہ میں اس کے استعمال میں کسی کا محتاج نہیں غرض یہ کہ ذاتی ملکیت عزت اور مسرت کا نشان ہے اور اشتراکیت اس عزت و راحت کو انسان سے سلب کرنا چاہتی ہے اور غیر تمدد کو یہ تلقین کرتی ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہیں ہر چیز حکومت کی ہے کھانے کیلئے روٹی اور ستر پوشی کے لئے کپڑا اور سر چھپانے کے لئے جھونپڑا جو کچھ تجھے درکار ہے حکومت میں اس کی درخواست دے حکومت تیری تمام ضروریات کی کفیل ہے غیرت مند تو اس ذلت آمیز تلقین کو سنتے ہی پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جس میں غیرت اور عزت نفس کا کوئی مادہ نہیں رہتا وہ اشتراکیت میں داخل ہو جاتا ہے اور دفتر کے افسر کی منظوری سے اپنی ضروریات زندگی پوری کرتا ہے بریں عقل و دانش بباید گریست اشتراکیت۔ افراد ملک کو فنانی السلطنت کے مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ تیرا کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ ہے وہ سب کچھ سلطنت کا ہے تو تو سلطنت کا عبداً مملوکاً لایقدر علی شئی ہے یعنی تو ذاتی طور پر کچھ بھی نہیں تو تو سلطنت کا ایک غلام ہے سلطنت تجھے جس کام پر لگا دے اس پر لگ جا اور جو کچھ کھانے اور پہننے کے لئے دے دے وہ کھا لے اور اگر تیری ضرورتیں پوری نہ ہوں تو ملک میں ادھم مچاتا پھر تمام عقلا کے نزدیک مالک اور مختار ہونا صفت کمال اور صفت مدح ہے اور ذاتی ملکیت کی نفی کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ یہ انسان ذاتی طور پر مجبور اور لاچار ہے اور مجبوری اور لاچاری عیب ہے مگر کچھ لوگ لینن اور استالن کی مکارانہ اور عیارانہ باتوں سے عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب سمجھنے لگے اور عزت کو ذلت اور ذلت کو عزت خیال کرنے لگے اللہ ان کو عقل دے آمین۔

اشتراکی تحریک کا رخ اب اس طرف ہے کہ جس طرح ہر ملک کی تمام مال و دولت تمام رعایا میں مشترک ہے اور سب کو اس میں مساویانہ حقوق حاصل ہیں اسی طرح ملک میں تمام عورتیں تمام مردوں کے لئے حلال ہیں نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ چند روز میں جس طرح حیوانات میں نر اور مادہ کے تعلقات میں نکاح اور مہر کی کوئی شرط نہیں اسی طرح انسانوں میں مرد و عورت کے تعلق کے لئے نکاح کی ضرورت نہیں رہے گی حیوانوں کی طرح سر راہ نفسانی حاجتیں پوری ہوں گی جیسا کہ احادیث میں اس کی خبر دی گئی ہے یہ بے حجابی لوگوں کو انسانیت سے ہٹا کر حیوانیت کی طرف لے جا رہی ہے قاتلهم اللہ انی یوفکون

نیز نفسیاتی طور پر ذاتی اور انفرادی ملکیت کی نفی طبیعت نفسانی میں پستی اور انحطاط پیدا کرتی ہے اور

رفعت اور عزت کی امنگوں پر پانی پھیر دیتی ہے کہ میں جتنی بھی کوشش کروں سب بیکار ہے کولھو کے بیل کی طرح ہوں جہاں سے چلا تھا وہیں ہوں انفرادی ملکیت کے ختم سے انسانی خود داری کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے

(۵) اے میرے دوستو خوب سمجھ لو کہ اشتراکیت حرص و حسد کی ایک مہذب اور متمدن شکل ہے جس کا نام اشتراکیت اور مساوات رکھ لیا گیا ہے جس کا نعرہ لگا کر غریبوں کو اکسایا جاتا ہے کہ دولتمندوں کو لوٹ لو اشتراکیت کا تمام تر دارومدار حرص اور طمع پر اور دولتمندوں پر حسد اور غیظ غضب کی بنا پر ہے اور حرص اور حسد ہی تمام گناہوں کی جڑ ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ اشتراکیت کے نزدیک اخلاق ایک بے معنی ہے جو گروہ اخلاق ہی کا قائل نہ ہو اس سے کیا کہا جائے اور اس سے کیا توقع رکھی جائے

شریعت اسلامیہ ایک طرف غرباء اور فقراء کو یہ حکم دیتی ہے کہ تم کسی کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو لوٹنا تو درکنار اور نہ کسی سے سوال کرو خود محنت کرو اور حلال طریقہ سے کماؤ اور دوسری طرف شریعت اسلامیہ امراء اور دولتمندوں کو یہ حکم دیتی ہے کہ تمہارے مال و دولت میں غرباء اور فقراء اور یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل کا بھی حق ہے وفی اموالھم حق للسائل والمحروم اور تمہارے ذمہ اقارب اور ہمسایوں کے بھی حقوق ہیں اور تم پر صلہ رحمی بھی فرض ہے تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تمہارا پڑوسی بھوکا سو جائے اور حاجتمندوں کو بلا سود قرض دینے کی ترغیب دی اور سود لینے کو حرام قرار دیا سودی قرضوں کی ممانعت ہی سے سرمایہ داری کی آدھی خرابیاں ختم ہو جاتی ہیں اور ایسی سرمایہ داری تو غریبوں کے لئے پشت پناہی ہے اس لئے محض انفرادی ملکیت سے معاندت محض حسد اور حماقت ہے اور جا بجا قرآن و حدیث میں اہل ثروت کو تلقین ہے کہ اپنی فاضل دولت کو جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرو تاکہ اسلامی حکومت کو تمہاری دولت و ثروت سے مدد ملے معلوم ہوا کہ انفرادی ملکیت میں کوئی قباحت نہیں البتہ اس کا غلط استعمال قبیح ہے یہ ہے اسلام کا معاشی نظام جس نے ایک طرف دولت مندوں کو بیش از بیش خیرات اور صدقات کا حکم دے دیا ہے اور دوسری طرف غریبوں اور فقیروں کو کسی سے سوال کرنے سے اور کسی کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے بھی منع کر دیا ہے اسی سے دنیا کا نظم و نسق اور امن قائم رہ سکتا ہے

قرآن و حدیث میں کسی جگہ مال و دولت کے جمع کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ مالی مفاسد کی اصلاح کی طرف رہنمائی کی اور قاعدہ اور ضابطہ یہ بتلایا کہ مال تمہارے لئے فتنہ اور آزمائش ہے کہ خیر و شر اور بھلائی اور برائی اور نیکی اور بدی دونوں کا ذریعہ بن سکتا ہے تم اس کو خیر کا ذریعہ بناؤ کہ اس سے خویش اور اقارب کی صلہ رحمی کرو اور غریبوں اور یتیموں کی صدقہ اور خیرات سے امداد اور خبر گیری

کرو مال و دولت کو عیش و عشرت اور تکبر اور غرور کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اللہ تعالے اگر تم کو مال دے تو کفایت شعاری سے اس کو خرچ کرو فضول خرچی نہ کرو حاجتمندوں کو فی سبیل اللہ بلا سود کے قرض دو اور بنک اور انجمن اتحاد باہمی کے پنجہ میں پھنسنے سے اپنے بھائی کو بچاؤ اور جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو تاکہ اسلامی حکومت کو بیرونی حکومت سے قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے غرض یہ کہ شریعت نے مال و دولت کے جمع کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور انفرادی اور شخصی ملکیت کو بھی جائز قرار دیا ہے اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانا حرام قرار دیا مگر اس کے ساتھ مال و دولت میں غرباء اور فقراء کے اس قدر حقوق ان پر لازم کر دیئے کہ جو دولتمند ان حقوق کو ادا کریگا وہ بلاشبہ فقرا اور غرباء کی نظر میں غایت درجہ محبوب ہوگا ایسے دولتمند کا کوئی غریب دشمن نہیں ہو سکتا

شریعت نے مال و دولت پر کوئی پابندی نہیں لگائی اور نہ ملکیت کی کوئی حد بندی کی بلکہ مال و دولت سے پیدا ہونے والے مفاسد کا انسداد کر دیا جس سے سرمایہ داری کی تمام خرابیوں کا خود بخود سد باب ہو جاتا ہے

مال و دولت کے فتنہ سے بچنے کے کہ جو اصول اور قواعد دین اسلام نے بتلائے ہیں نہ وہ کسی دین میں مل سکتے ہیں اور نہ انسانی قانون و حکمت کی کسی کتاب میں مل سکتے ہیں

دولت کی مساویانہ تقسیم کا نظریہ

اشتراکیت کا پہلا نظریہ تو شخصی ملکیت کا بطلان تھا اس کا بطلان تو واضح ہو گیا اب ہم اشتراکیت کے دوسرے نظریہ یعنی دولت کی مساویانہ تقسیم کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ یہ نظریہ بھی عقل اور فطرت کے خلاف ہے

اس لئے کہ جب افراد انسانی میں جسمانی اور روحانی اور عقلی اور عملی قوتوں کے اعتبار سے امتیاز موجود ہے تو پھر یہ کہنا کہ ملک کی دولت تمام اہل ملک پر بلا کسی امتیاز کے برابر تقسیم کر دی جائے سراسر خلاف عقل ہے پھر کوئی بیمار ہے اور کوئی تندرست ہے کوئی مرد ہے اور کوئی عورت ہے جو دردزہ میں مبتلا ہے اور بچہ کو دودھ پلانے کی فکر میں ہے اسی حالت میں عورت دفتر میں ہر وقت کیسے حاضری دے سکتی ہے قال اللہ تعالے

وھو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما آتاکم ان ربک سریع العقاب وانہ لغفور رحیم۔ اور اسی خدا نے تم کو پہلی قوموں اور گذشتہ حکومتوں کا تم کو جانشین بنایا اور مدارج اور مراتب کے اعتبار سے بعض کو بعض پر بڑی عطا کی شکل و صورت اور عزت و وجاہت اور رزق و دولت میں باہم فرق رکھا تاکہ تم

کو اپنی دی ہوئی نعمتوں میں آزمانے کہ غنی حالت غنا میں کس قدر شکر کرتا ہے اور فقیر فقر اور تنگدستی میں کس قدر صبر کرتا ہے تحقیق تیرا پروردگار ناشکروں اور بے صبروں کو جلد عذاب دینے والا ہے اور شکر گذاروں اور صبر کرنے والوں کو بخشنے والا اور مہربان ہے

اس آیت میں اللہ تعالے نے رزق میں تفاوت درجات کو آزمائش کا ذریعہ قرار دیا ہے جس میں اہل ثروت کا شکر اور اہل فقر کے صبر کا امتحان ہو جاتا ہے نیز طالوت کے قصہ میں حق جل شانہ کا یہ ارشاد و زادہ بسطۃ فی العلم والجسم اس امر کی واضح دلیل ہے کہ علمی اور جسمانی صلاحیت فضیلت اور برتری کی دلیل ہے

عاقل اور غافل کو برابر قرار دینا سراسر بے عقلی کی دلیل ہے اللہ کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے کہ کسی کو عاقل اور توانا بنایا اور کسی کو بے عقل اور نکما اور معذور اور اپاہج بنایا یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ماملکت ایمانھم فھم فیہ سواء افبنعمۃ اللہ یجحدون

اور اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالے نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت اور برتری عطا کی کسی کو مالدار اور بااقتدار بنایا اور کسی کو نادار اور لاچار بنایا اور کسی کو غلام اور تابعدار بنایا پس وہ لوگ جن کو مال و دولت میں فضیلت اور برتری عطا کی گئی اور مال و دولت کی وجہ سے آقا اور سردار ہو گئے وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ ان کی معاشی برتری ختم ہو جائے اور وہ اپنا مال و منال اپنے غلاموں کو دے دیں اور پھر مالک اور آقا اور غلام اس میں برابر کے شریک ہو جائیں پس جبکہ آقا اور غلام میں مساوات ممکن نہیں حالانکہ دونوں متحد الجنس ہیں تو خالق اور مخلوق معبودیت میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں پس کیا یہ لوگ اللہ کے نعمت کے منکر ہیں کہ اس منعم حقیقی کا شریک اور سہیم قرار دیتے ہیں

اس آیت سے مقصود حق تعالے کی کمال قدرت اور وحدانیت کو بتلانا ہے کہ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے روزی میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے جس طرح اس نے علم اور عرفان اور عقل اور فہم اور کمالات باطنی میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے یہ ظاہری اور باطنی تفاوت اور مدارج اور مراتب کا اختلاف اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی دلیل ہے

مطلب یہ ہے کہ جس طرح افراد انسانی میں صفات و کمالات کا تفاوت قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے اسی طرح افراد انسانی میں باعتبار معیشت کے تفاوت بھی دست قدرت کا کام ہے کسی کی قدرت میں یہ نہیں کہ اس صفاتی اور معاشی تفاوت کو ختم کر کے مساوات پیدا کر دے

ان ربی یبسط الرزق لمن یشآء و یقدر ولکن اکثر الناس لا یعلمون

تحقیق میرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے اس کے لئے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں کہ دولت والااس میں کیا حکمتیں ہیں اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ کس پیمانے پر رزق میں وسعت ہوگی اور کس پیمانہ پر تنگی

نکتہ ، لمن یشاء کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس کسی کو جتنا بھی رزق مل رہا ہے وہ بغیر استحقاق کے مل رہا ہے اور جس طرح زمین کے قطعات مختلف ہیں کسی میں انگور پیدا ہوتا ہے اور کسی میں آلو کسی میں گیہوں اور کسی میں چنا کما قال تعالے و فے الارض قطع متجاورات و جنات من اعناب وزرع و نخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بماء واحد نفصل بعضها علے بعض الاکل اسی طرح زمین قلب کے قطعات فضائل وکمالات کے اعتبار سے مختلف ہیں

قال تعالے اہم یقسمون رحمہ ربک نحن قسمنا بینھم معیشتہم فی الحیاہ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا

کیا یہ لوگ تیرے پروردگار کی رحمت اور نعمت کو اپنی رائے سے تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور کیا عہدوں اور منصبوں کی تقسیم ان کے ہاتھ میں دے دی گئی کہ اس یتیم کو نبوت ورسالت کیوں دی گئی مکہ اور طائف کے کسی سردار کو منصب رسالت ملنا چاہیے تھا حق تعالے ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نبوت ورسالت تو بہت بڑی چیز ہے دنیا کی معاش اور روزی جو ادنے درجہ کی چیز ہے اس کی تقسیم بھی ہم نے ان کے اختیار میں نہیں رکھی ہم نے اپنے اختیار سے دنیاوی زندگانی میں ان کی روزی تقسیم کر دی ہے کسی کو غنی بنایا اور کسی کو فقیر کسی کو سردار بنایا اور کسی کو چوبدار اور بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی تاکہ ایک دوسرے کو اپنا خدمت گار بنائے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملکر کام کرے اور اپنی خدمت سے اس کو فائدہ پہنچائے اور وہ اپنی دولت سے اس کو فائدہ پہنچائے ضرورتیں اور حاجتیں باہم وابستہ ہیں کسی کے پاس مالی طاقت ہے اور کسی کے پاس بدنی طاقت ہے عالم کا نظام اسی باہمی احتیاج سے قائم ہے اور اسی احتیاج کی زنجیروں میں ایک دوسرے سے جکڑے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حاجتیں مختلف الانواع ہیں اس لے اللہ تعالے نے صفات اور کمالات کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت دی تاکہ یہ مختلف قسم کی حاجتیں اس طرح پوری ہو سکیں کسی کو خدمت اور عمل میسر آجائے اور کسی کو معاوضہ اور اجرت ملجائے کارخانہ عالم جب ہی چل سکتا ہے کہ حاجتیں اور ضرورتیں مختلف ہوں اور اگر حاجات اور ضروریات میں سب برابر ہوجائیں تو کارخانہ عالم معطل ہوجائے اور تیرے پروردگار کی رحمت اس تمام سازو سامان سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں غرض یہ کہ خداوند علیم و حکیم کی

قدرت و حکمت نے یہ مقدر کر دیا ہے کہ نوع انسانی کی بعض افراد میں بعض کو بعض پر فضائل و کمالات اور رزق و معاش کے اعتبار سے فضیلت اور برتری حاصل ہوگی اور کتنی ہوگی اور کیسی ہوگی اس کا علم سوائے خدا تعالے کے کسی کو نہیں

خلاصہ کلام

یہ کہ مال و دولت کی مساویانہ تقسیم کا نظریہ سراسر عقل اور فطرت کے خلاف ہے جس کی بنیاد اس حسرت پر ہے کہ ان کو کیوں ملا اور ہم کیوں محروم رہے بفرض محال اگر روٹیاں برابر تقسیم کر دی گئیں تو بھوک اور پیاس اور معدہ کی خواہش اور رغبت میں برابری کی کیا صورت ہوگی پھر اگر بفرض محال اس میں برابری ہو گئی تو عقل اور علم و فہم اور بینائی اور شنوائی اور تندرستی اور توانائی میں برابر کی کیا صورت ہوگی

اشتراکی نعرہ بھوکوں اور ننگوں کا نعرہ ہے جسے صرف روٹیوں میں مساوات چاہیے عقل اور فہم کی میاوات کی اس کو ضرورت نہیں

تحقیق مسئلہ مساوات

اشتراکیت کا ایک اصول یہ ہے کہ تمام اہل ملک ہر اعتبار سے مساوی اور برابر ہیں کسی شخص کو اپنے دوسرے ہم جنس پر کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں

ظاہر نظر میں لفظ مساوات بہت پیارا معلوم ہوتا ہے جب سنا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی نظر میں یا فلاں ملک میں امیر و غریب شاہ و گدا سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت اور امتیاز نہیں یا یہ کہا جائے کہ شیر اور بکری سب ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں تو اس دلفریب نعرہ کو سن کر سننے والے کا دل مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا کے امن و امان کا کون ضامن ہو سکتا ہے

جواب

یہ ہے کہ ایک جنس کے تمام افراد کا ہر اعتبار سے برابر ہونا اور کسی فرد کو اپنے دوسرے ہم جنس فرد پر کسی قسم کے امتیاز کا حاصل نہ ہونا عقلا محال اور ناممکن ہے
عقلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جنس کے تمام افراد ہر اعتبار سے مساوی اور برابر ہوں اور باہم کسی قسم کا امتیاز نہ ہو۔ عاقل اور غبی اور تندرست اور بیمار کی مساوات کا کوئی قائل نہیں گھوڑے اور گدھے تو

کیا برابر ہوتے سارے گدھے بھی برابر اور یکساں نہیں نیز یہ نعرہ مساوات نعرہ کاذبہ ہے یعنی ایک جھوٹا نعرہ ہے جو صرف کاغذ کی حد تک محدود ہے آجتک دنیا کے کسی گوشہ میں اس پر عمل نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے حتی کے خود اشتراکی حکومت میں جو لینن اور اسٹالن کے ساتھ خصوصی اور امتیازی معاملہ برتا گیا۔ وہ دنیا کے سامنے ہے کیا وہ امتیازی معاملہ اس اصول مساوات کے خلاف اور اس کا عملی رد اور جواب نہیں ہے کبرت کلمہ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

روسی حکومت میں جاکر دیکھو لو سب کا معیار زندگی یکساں نہیں ہے پھر اس معاشی مساوات کے جھوٹے نعرہ سے کیا فائدہ محض مساوات کے جھوٹے نعرہ سے ملک کی معاشی مشکلات حل نہیں ہوتیں اس لئے کہ جس مملکت میں یہ نعرہ کاذبہ گونج رہا ہے وہاں اس پر عمل مفقود ہے

شریعت کا فیصلہ

مسئلہ مساوات میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ عالم کی جو جنس اور نوع بھی لی جائے تو اس کے افراد لا محالہ بعض چیزوں میں مشترک اور متفق اور بعض چیزوں میں متفرق اور متمایز ہوں گے۔ اگر افراد میں کوئی امر بھی مشترک نہ ہو تو اتحاد جنسی نہ رہے گا اور اگر کوئی باہم فرق اور تمایز نہ ہو تو پھر ایک فرد دوسرے فرد سے جدا اور ممتاز کیسے ہوگا۔

نوع انسانی کے تمام افراد انسانیت اور حیاۃ میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں اور حوائج بشری میں مشترک ہیں مگر صفات اور حالات کے اعتبار سے بے حد مختلف اور متفاوت ہیں کوئی عاقل ہے اور کوئی غبی اور کوئی باپ ہے اور کوئی بیٹا اور کوئی شوہر ہے اور کوئی بیوی اور کوئی حکومت کا وفادار ہے اور کوئی باغی ہے اور کوئی قانون حکومت کا پابند ہے اور کوئی چور و قزاق اور غنڈہ اور اوباش ہے اور آزاد منش ہے جو دل میں آتا ہے کر گزرتا ہے اور قانون حکومت کی پروا نہیں کرتا ایک شخص کسی فن کا ماہر ہے اور دوسرا جاہل کندہ ناتراش ہے دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا ھل یستون۔

شریعت کا فیصلہ

اس لئے شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ اشتراک کے درجہ میں مساوات ہے اور امتیاز کے مرتبہ میں تفرق احکام ہے اشتراک اور امتیاز کے احکام جداگانہ ہیں جس حد تک اشتراک ہے اسی حد تک حکم میں مساوات ہے اور جس وصف سے امتیاز شروع ہوتا ہے وہیں سے مساوات کا حکم بدل جاتا ہے اور احکام میں تفرق اور امتیاز شروع ہو جاتا ہے ہر وصف امتیازی کے لئے جداگانہ حکم ہوتا ہے مثلاً

تمام افراد انسانی انسانیت میں مشترک ہیں لہذا حقوق انسانیت میں بھی سب مساوی اور برابر ہوں گے حفظ جان اور حفظ مال اور حفظ ننگ و ناموس میں تمام افراد ملک مساوی اور برابر ہوں گے اگر حقوق انسانیت میں ایک نوع کو دوسری نوع پر یا ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ پر فوقیت دی گئی تو یہ ظلم ہو گا حقوق انسانیت میں امیر اور غریب شہری اور دیہاتی حاکم اور محکوم سب برابر ہیں امیر اور فقیر کے ناحق قتل کا ایک ہی حکم ہے کہ ہر قاتل پھانسی کا مستحق ہے خواہ وہ مرد کا قاتل ہو یا عورت کا امیر کا قاتل ہو یا فقیر کا سب کا حکم ایک ہی ہے بنگلہ کی چوری اور جھونپڑے کی چوری کا ایک ہی حکم ہے یہ انسانی حقوق ہیں ان میں مساوات ضروری ہے کہ مگر ان مشترک صفات اور حالات کے علاوہ بنی نوع انسانی کے افراد میں کچھ امتیازات بھی ہیں جو مختلف قسم کے ہیں مثلاً حسب و نسب میں باپ اور بیٹا اگرچہ نفس انسانیت میں شریک ہیں مگر باپ کو بیٹے پر ایک خاص قسم کی فوقیت اور امتیاز حاصل ہے شریعت نے والدین کے امتیاز اور فوقیت کی خاص رعایت کی ہے باپ کو بیٹے پر بحق ابوت اور بحق تربیت خصوصی امتیاز ہے اس امتیاز کی بنا پر شریعت نے اولاد پر والدین کی اطاعت اور خدمت اور سلوک اور احسان کو فرض اور لازم قرار دیا اور ان کی گستاخی اور بے ادبی کو حرام اور ممنوع قرار دیا جس سے قرآن اور حدیث بھرا پڑا ہے

حتی کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر باپ بیٹے کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا باپ اس شخص کے وجود میں آنے کا ایک سبب ہے اس لئے بیٹے کے بدلہ باپ کے وجود کو ختم نہیں کیا جائے گا۔

مرد اور عورت انسانیت اور حسب و نسب میں شریک ہیں مگر باوجود اس اشتراک کے دونوں میں امتیاز ہے اس لئے اس امتیاز کی وجہ سے احکام میں بھی امتیاز قائم کیا گیا چنانچہ حق تعالی شانہ نے اس امتیاز پر اس طرح متنبہ کیا۔

الرجال قوامون علے النساء بما فضل اللہ بعضہم علے بعض و بما انفقوا من اموالہم

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ تعالی نے مردوں کو عورتوں پر قوائے عقلیہ اور جسمانیہ کے اعتبار سے فضلیت اور برتری عطا کی یہ تو ان کی ذاتی فضیلت ہوئی اور دوسری فضیلت ان کی یہ ہے کہ وہ عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں

اور ظاہر ہے کہ دینے والا لینے والے سے بلا شبہ افضل ہے عورت اگر مرد کے برابر ہوتی تو مرد پر اس کا مہر واجب نہ ہوتا اور نہ اس کا نان و نفقہ واجب ہوتا ذمہ داری یہی برتری کی دلیل ہے جو عورت یہ کہتی ہے کہ مرد کی برابر ہوں اس کو چاہیے کہ مہر کا نام نہ لے اور اپنے کھانے کپڑے کے خرچ کی خود ذمہ دار بنے بنگلہ کا آدھا کرایہ مرد کے ذمہ رہے اور آدھا بیگم صاحبہ کے ذمہ ہو مرد اور

عورت علاقہ زوجیت میں دونوں میں شریک ہیں اس لئے مردوں کی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ عورت کی حق تلفی کرے لیکن مرد کو عورت پر ایک درجہ میں فضیلت اور برتری ہے اس لئے شریعت نے مرد کی امتیازی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سے احکام میں مردوں کو جدا کر دیا۔ حق تعالی کا ارشاد ہے۔

ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف و للرجال علیہن درجہ واللہ عزیز حکیم

اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے

حق تعالی نے چونکہ مردوں کو عورتوں کا قیم بنایا ہے اور ان پر فضیلت دی ہے اس لئے بحق قوامیت اور بحق فضیلت و فوقیت طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کو دیا گیا۔ عورت مرد سے طلاق طلب کر سکتی ہے مگر خود اپنے آپکو طلاق نہیں دے سکتی اور اختلاط نسب سے محفوظ رکھنے کی وجہ سے بیک وقت دو مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی مگر مرد کو تعدد نکاح کی اجازت دی گئی اس لئے کہ تعدد نکاح کی صورت میں اختلاط نسب کا کوئی اندیشہ نہیں مگر مرد پر تمام بیویوں میں بحق زوجیت عدل و انصاف واجب کر دیا گیا۔

اولاد ہونے کی حیثیت سے بیٹا اور بیٹی سب برابر ہیں مگر مرد کی خدمات اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے میراث میں فرق کر دیا گیا اور للذ کر مثل حظ الانثیین کا حکم دیا گیا تمام افراد رعیت رعایا ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں مگر رعیت کے جو افراد حکومت کے مطیع اور فرمانبردار ہوں ان کے احکام جدا ہیں اور جو حکومت کے باغی اور نافرمان ہو ان کے احکام جدا ہیں دونوں گروہوں کے احکام مساوی نہیں ہو سکتے سرکش و نافرمان کو مطیع اور تابع فرماں کے برابر کر دینا عقل اور فطرت اور توانین سلطنت کے خلاف ہے حق تعالی کا ارشاد ہے

افنجعل المسلمین کالمجرمین

کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں

یعنی مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز ضروری ہے اس لئے شریعت میں مسلمان اور کافر ذمی کے احکام مختلف اور جدا ہیں۔

الحاصل ہر نوع کے افراد میں جس قدر اشتراک ہے اسی قدر احکام میں بھی مساوات ہے اور جس قدر امتیاز ہے اس کے مطابق احکام میں بھی امتیاز ہے شریعت نے امور مشترکہ میں بقدر اشتراک مساوات کو ملحوظ رکھا اور امتیازی امور میں بقدر امتیاز۔ امتیاز کو ملحوظ رکھا اور احکام جدا جدا کر دیئے حق جل شانہ کا ارشاد ہے

یاایھاالناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر ہم نے تم کو مختلف گروہ اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو باقی اللہ کے نزدیک زیادہ محترم اور مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے تحقیق اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

جملہ اولیٰ میں بنی آدم کا اشتراک بیان کیا کہ انسانیت اور آدمیت میں سب شریک ہیں۔

دوسرے جملہ میں نسبی اور قبائلی امتیاز کو بیان کیا کہ نسبی امتیاز سے چھوٹے اور بڑے قبیلے پیدا ہوتے ہیں جس میں تمدن اور معاشرہ کے اعتبار سے اختلاف اور امتیاز ہوتا ہے اورر کبھی صنعت و حرفت کے اعتبار سے امتیاز ہوتا ہے دنیا میں بعضے پیشے اعلیٰ اور موجب عزت سمجھے جاتے ہیں اور بعضے ادنیٰ اور حقیر سمجھے جاتے ہیں مثلاً تجارت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور گداگری کو حقارت کی نظروں سے اسی طرح صناعی میں زیوارت بنانے والا معزز سمجھا جاتا اور جوتے بنانے والا اس سے کم درزی کا درجہ خاکروب سے بلند ہوتا ہے۔

اور تیسرے جملے میں یعنی ان اکرمکم عنداللہ اتقکم میں دینی اور مذہبی امتیاز کو بیان کیا۔

غرض یہ کہ حق جل شانہ نے اس آیت میں اشتراک اور مساوات کو بھی بیان فرمایا اور دینی اور دنیوی امتیاز کو بھی بیان فرمادیا اشارہ اس طرف ہے کہ مشترک کے احکام مشترک اور مساوی ہیں اور مختلف اور متمیز کے احکام بھی مختلف اور جدا ہیں شریعت اسلامیہ نے اشتراک اور امتیاز دونوں ہی پہلوؤں کو اعتدال سے سنبھالا ہر ایک کی حد مقرر کر دی اور ہر ایک کے احکام بتلا دیئے کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا حدیث ہے یا کسی حکیم کا قول ہے

لن یزال الناس بخیر ماتباینو افاذا تساووا ھلکو۔

آدمی ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک ان میں فرق مراتب قائم رہے گا اور جب فرق مراتب اور امتیازات اور درجات کو نظر انداز کر کے برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

بقاء عالم کے لئے اشتراک بھی ضروری ہے اور انفراد بھی ضروری ہے۔ جہاں اشتراک ہے وہاں شریعت نے بقدر اشتراک مساوات کا حکم دیا ہے اور جہاں کوئی امتیاز اور خصوصیت ہے وہاں شریعت نے بقدر اس امتیاز کے جداگنہ اور امتیازی حکم دیا ہے نہ ہر جگہ مساوات چلتی ہے اور نہ ہر جگہ انفراد ہے ہر ایک کا محل اور موقعہ جدا ہے خیر الامور اوسطہا جس کو دولت دی اس کو شکر حکم دیا جس کو فقر دیا اس کو صبر کا حکم دیا بندہ فراخی اور تونگری میں شکر کی راہ سے مولیٰ تک پہنچتا ہے اور فقر و فاقہ میں صبر کی راہ سے خدا تک پہنچتا ہے دنیا میں اگر فقر و فاقہ نہ ہوتا تو اہل ثروت کو جود و کرم کی

عزت کہاں سے حاصل ہوتی۔

چو محتاج گدایاں چوں گدا   اب می گوید کہ اے طالب بیا

انسان اور حیوان میں فرق

نوع انسانی کے افراد میں جو صفات وکمالات اور رجحانات اور میلانات اور مدارج اور مراتب کا جو تفاوت اور فرق ہے وہ نوع حیوانی کے افراد میں نہیں سارے گدھے اور کتے ایک ہی قسم کی خوراک کھاتے ہیں اور ایک ہی طرح کھاتے ہیں حیوانات میں نہ کوئی تمدن ہے اور نہ کوئی تہذیب اور نہ مطبخ اور نہ دستر خوان جہاں مل گیا وہیں کھا لیا اور جہاں چاہا کھڑے ہو کر موت لیا اور لید کر لی۔ اس لئے معاشی مساوات یعنی رزق اور کھانے اور پینے میں برابری اگر ممکن ہے تو حیوانات میں تو ممکن ہے مگر افراد انسانی میں ممکن نہیں

اور عجب نہیں کہ واللہ فضل بعضکم علے بعض فی الرزق میں اسی طرف اشارہ ہو اس لئے واللہ فضل بعضکم میں خطاب بنی نوع انسان کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے بنی ادم تم سب آپس میں باعتبار فضائل اور کمالات کے اور باعتبار حالات اور خصوصیات کے مختلف المراتب ہو اور قدرتی صلاحیتوں کی وجہ سے تم میں شدید اختلاف ہے اس لئے تم میں باعتبار رزق اور معاش کے تفاوت اور اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے البتہ یہ مساوات حیوانات میں ممکن ہے کھانے پینے میں سب کا مزاج یکساں ہے تمہاری طرح حیوانات کو معاشی اور زرعی اور صنعتی مشکلات نہیں۔

حیوانات کو نہ کسی رہائشی مکان کی ضرورت ہے اور نہ لباس کی ضرورت اور نہ کسی تعلیم کی ضرورت بغیر کالج اور سکول کے مادہ کے پیٹ سے نکلتے ہی اپنی ضروریات سے واقف ہوتے ہیں۔ لہذا جو شخص افراد انسانی میں مساوات کا قائل ہے وہ در حقیقت اس کے صفات وکمالات کے تفاوت اور اختلاف کا منکر ہے اشتراکی نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گائے اور بیل اور بکری ایک خاص مقدار کھانے کے بعد مطمئن ہو جاتے ہیں اور آئندہ کے لئے کوئی ذخیرہ نہیں رکھتے اسی طرح افراد انسانی بھی ضروریات زندگی کے میسر آجانے کے بعد مطمئن ہو جائیں اور ملکیت اور ذخیرہ اندوزی کے تصور سے آزاد ہو جائیں

مسند امام احمد میں آیت و اذا خذ ربک من بنی آدم من ظہورھم ذریتھم کی تفسیر میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ جب حق جل شانہ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور اس سے عہد الست لیا۔

ورفع علیھم أدم علیہ السلام ینظر الیھم فرأی الغنی والفقیر و حسن

الصورت و دون ذلک فقال رب لو لا سویت بین عبادک فقال انے احببت ان اشکر

تو تمام اولاد حضرت آدم کے سامنے کی گئی اس وقت حضرت آدم کو ان پر بلند کیا گیا تاکہ بلندی پر سے تمام اولاد کو دیکھ سکیں حضرت آدم نے جب ان پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ بعض ان میں سے غنی اور دولتمند ہیں اور بعض ان میں سے فقیر اور مسکین ہیں اور بعض ان میں سے خوبصورت اور بعض خوبصورت نہیں مطلب یہ کہ حضرت آدم نے جب اولاد پر نظر ڈالی تو سب کو یکساں نہ پایا کسی کو امیر اور کسی کو خوبصورت اور کسی کو بدصورت وغیرہ وغیرہ مختلف شکلوں اور صورتوں اور مختلف صفتوں اور حالتوں میں پایا اس اختلاف اور تفاوت کو دیکھ کر شفقت پدری جوش میں آگئی اور عرض کیا کہ اے پروردگار اپنے بندوں کے درمیان تو نے مساوات یعنی برابری کیوں نہ کر دی صفات اور حالات کے اعتبار سے ان کو مختلف اور متفاوت کیوں بنایا سب تیرے ہی بندے ہیں حق کسی کا تجھ پر نہیں۔

ع بندگا نیم ایں یکے مقبول و آں مردود چیست

حق جل شانہ نے ارشاد فرمایا تحقیق میں محبوب رکھتا ہوں کہ شکر کیا جاؤں مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ پسند ہے کہ میرا شکر کیا جائے پس اگر میں سب کو ایک ہی حال اور ایک ہی صورت اور ایک ہی صفت پر پیدا کر دیتا تو حقیقت شکر کی وجود میں نہ آتی اس لئے مختلف الصفات اور مختلف الحالات پیدا کیا کہ ایک صفت ایک میں پیدا کی دوسرے میں نہیں پیدا کی جب ہر شخص اپنی صفت پر نظر کرے گا تو میری اس نعمت کا شکر کرے گا مثلاً فقیر کو تقویٰ اور فراغ خاطر اور سکون قلب اور سلامتی از آفات کی نعمت عطا کی جو دولتمند کو میسر نہیں اور دولتمند کو اسباب راحت عطا کئے جو فقیر کو میسر نہیں حدیث کی یہ شرح تمام تر اشعۃ اللمعات ص ۱۲۱ ج ا شرح مشکوۃ بزبان فارسی مصنفہ شیخ عبدالحق محدث سے لی گئی ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

مساوات اور مواسات

شریعت میں دو باب ہیں ایک باب مساوات یعنی برابری کا ہے جس میں مساوات کے احکام کا بیان ہے کہ کس کس جگہ مساوات (برابری) واجب ہے اور ایک باب مواسات (یعنی ہمدردی اور غمخواری کا ہے) جس میں باہمی ہمدردی کے احکام اور فضائل کا بیان ہے۔ دو باب علیحدہ علیحدہ ہیں اور دونوں کے احکام جدا گانہ ہیں حقوق واجبہ میں جب نزاع پیش آئے تو وہاں عدل اور انصاف واجب اور مساوات فرض ہے۔

عدالت میں جب عدل و انصاف کے لئے مقدمہ پیش ہو تو وہاں امیر و غریب اور قریب و بعید سب برابر اور یکساں ہیں مال غنیمت جب مستحقین پر تقسیم کیا جائے تو تقسیم میں مساوات واجب ہے۔

اور جو امور باہمی ہمدردی اور دستگیری اور سلوک اور احسان اور امداد باہمی سے متعلق ہیں جیسے صلہ رحمی اور صدقات وخیرات وہاں تقسیم میں مساوات یعنی برابری ضروری نہیں۔ مال دار کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام رشتہ داروں کے ساتھ یکساں سلوک اور احسان کرے یا وہ اپنی زکوۃ غریبوں میں برابر تقسیم کرے اس کے لئے یہ جائز بلکہ بہتر ہے کہ صدقہ و خیرات میں رشتہ داروں کو غیروں پر مقدم رکھے اور یہی عقل اور فطرت کا تقاضہ ہے کہ حاجتمندوں میں اپنے بھائی اور بھتیجے کی ضرورت کو غیروں کی ضرورت پر مقدم سمجھے اس بارہ میں کتاب وسنت کی جس قدر نصوص آئی ہیں ان سے باہمی ہمدردی اور صلے رحمی اور مروت اور شفقت کی ترغیب مقصود ہے اس قسم کی تمام آیتیں اور حدیثیں باب مواسات سے متعلق ہیں۔

اس زمانہ میں جو لوگ اشتراکیت کی طرف مائل ہیں ان کو اس قسم کی جو آیت اور حدیث نظر آتی ہے وہ اس کو باب مساوات سے سمجھتے ہیں اور

ع ہرچہ از دور پیدا می شود پندارم توئی کا مصداق ہیں

مساوات کے تصور میں ایسے غرق ہونے کہ مواسات کو بھی مساوات سمجھنے لگے

جو شخص جس خیال میں غرق ہوتا ہے اس کو ہر جگہ وہی چیز نظر آتی ہے جس کی دھن میں وہ لگا ہوا ہے اس گروہ کو یہ خبر نہیں کہ قرآن اور حدیث میں ایک باب زہد کا بھی ہے جس کے بارے میں بے شمار آیتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن سب کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کو تین طلاقیں دیکر گھر سے باہر نکال دو اس قسم کی احادیث پر اولیاء اور عارفین نے عمل کیا اور حضرات انبیاء و مرسلین کی شان تو اور بھی بلند ہے

حضرات انبیاء کرام نے دنیا سے نکاح ہی نہیں کیا۔ طلاق کا مسئلہ تو نکاح کے بعد پیش آتا ہے اور خلفاء راشدین۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے اور ان کی خلافت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خلافت اور بادشاہت کا نمونہ تھی کہ دنیا کی مال و دولت اور جاہ و حشمت ان کے قدموں میں تھی اور ان کے دل اس سے پاک تھے ظاہراً انسان اور بشر تھے اور معنی فرشتہ تھے

نقش آدم لیک معنی جبریل
رستہ از جملہ ہوا و قال و قیل

مساوات کا نعرہ لگانے والا گروہ ان آیات اور احادیث کا کوئی ذکر نہیں کرتا جن میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ دنیا کو چھوڑو اور آخرت کی طرف دوڑو اور ان بزرگان دین کے طریقہ پر چلو کہ جو خدا کی محبت اور شوق آخرت میں دیوانے اور مجنوں بن گئے۔

سرمایہ دار اگر مال و دولت کی محبت میں غرق ہے تو یہ اشتراکی گروہ حرص اور حسد میں گرفتار ہے اور اس فکر اور دھن میں ہے کہ جو دولت مند نظر آئے اس کی آدھی دولت بٹوالوں اور اپنے سے

کسی کمتر کو دیکھ کر کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ میرے پاس جو روپیہ پیسہ اور سامان ہے اس کا نصف اپنے کمتر بھائی کو دے دوں اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو غرض یہ کہ مساوات کا نعرہ دوسروں کے لئے ہے اپنے لئے نہیں حق تعالے کا ارشاد ہے۔

ولا تمدن عینیک الی مامتعنابہ ازواجامنہم زھرہ الحیاہ الدنیا لنفتنہم فیہ و رزق ربک خیرو القبی

آپ اس چیز کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو دنیاوی آرائش سے متمتع اور متنفع ہونے کے لئے دے رکھی ہے اور آپ کے رب کا عطیہ جو آپ کو آخرت میں ملے گا وہ دنیا اور مافیہا سے کہیں بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

اور احادیث میں آیا ہے کہ اگر تم کو تنگی پیش آئے تو صبر اور قناعت سے کام لو حتی الوسع کسی سے سوال بھی نہ کرو۔ محنت اور مزدوری کر کے کماؤ اور اپنی ضرورت پوری کرو علماء نے لکھا ہے کہ کمائی کے تین اصول ہیں ایک زراعت اور دوم تجارت۔ اور سوم صنعت و حرفت۔

اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مال تیرے پاس بدون حرص و طمع کے آئے اس میں خیرو برکت اور جو مال اشراف نفس یعنی حرص اور لالچ سے حاصل ہو اس میں برکت نہیں مثلاً تمہارا دل چاہتا تھا کہ فلاں عزیز اور فلاں دوست کے پاس جو چیز موجود ہے وہ مجھ کو دے دے اور اتفاق سے اس نے تمہارے بلا سوال اور بلا فرمائش کے تم کو وہ چیز دے دی تو ایسے ہدیہ میں خیرو برکت نہیں اگرچہ تم نے زبان سے سوال نہیں کیا مگر تمہارا حریص نفس تو اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اس لئے ایسے ہدیہ میں کوئی برکت نہیں شریعت نے تو حرص اور طمع کے دروازے اس طرح بند کر دے

اے میرے عزیزو شریعت مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ تم کسی کے مال و دولت کی طرف نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھنا محنت اور مزدوری کرو تنگی پیش آئے تو صبر اور قناعت سے کام لو اور اگر فراخی ہو تو شکر کرو اور اس مال و دولت کو خدا کے حکم کے مطابق خرچ کرو اور اس کو آخرت کی عزت اور خدا تعالی کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بناؤ بات لمبی ہوتی جاتی ہے اور کسی طرح ختم نہیں ہوتی زہد اور قناعت کے حسن و جمال کی کوئی حد نہیں کہاں تک بیان کروں۔

نہ دارد سعدی را سخن پایاں
نہ حسن نمایتے جنبش

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچنیں باقی

اب میں اس تحریر کو ختم کرتا ہوں بحمدہ تعالی یہاں تک دستور اسلام کے متعلق ضروری مضامین بیان ہو گئے للہ الحمد المنہ۔ اختتام کے بعد دل چاہا کہ دستور اسلام کے ساتھ بطور تتمہ و تکملہ قانون اسلام کے متعلق بھی ایک مختصر تحریر جو آج سے دس سال قبل نظام اسلام کے نام سے شائع ہوئی تھی وہ

اس کے ساتھ منسلک کر دی جائے تاکہ دستور اسلام اور قانون اسلام دونوں کے یکجا ہونے سے فائدہ اتم اور اکمل ہو جائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم

نظام الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللھم مالک الملک تؤتی الملک تشآء و تنزع الملک ممن تشآء تعزمن تشآء وتذل من تشآء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر

امابعد ! یہ امر تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام اپنا ایک مستقل دستور اور اپنا ایک مستقل قانون رکھتا ہے دستور کے متعلق میں دستور اسلام کے نام سے ایک تحریر لکھ چکا ہوں اب اس مختصر تحریر میں شرعی طور پر قوانین جرائم کو بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دنیا سے جرائم کا انسداد شرعی احکام جاری کرنے سے ہو سکتا ہے۔

زمین پر سب سے پہلے اسلامی ہی حکومت قائم ہوئی

حق جل شانہ نے آسمان اور زمین اور شجر اور حجر اور حیوانات اور ملائکہ اور جنات اور تمام مخلوقات کے پیدا کرنے کے بعد سب سے اخیر میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور خلافت کا تاج ان کے سر پر رکھا اور فرشتے جو کہ جنود الٰہی اور لشکر خداوندی ہیں ان کو سجدہ تعظیمی کا حکم ہوا یہ سجدہ تعظیمی درحقیقت منصب خلافت کی سلامی تھی اشارہ اس طرف تھا کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں روئے زمین کے بادشاہ بنا کر زمین کی طرف بھیجے جا رہے ہیں تاکہ زمین پر اللہ کے دستور اور قانون کو جاری کریں اور مخلوق کو معاش اور معاد سے آگاہ کریں اور اس سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو جو ضرورت پیش آئے گی فرشتوں کو اس میں امداد اور خدمت کرنی ہوگی۔

پس	خلیفہ	ساخت	صاحب	سینہ
تابود		شاہیش		راآئینہ

چونکہ عالم انسانی کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اس لئے حضرت آدم کی اولاد ان کی ذریت بھی تھی اور ان کی رعیت بھی تھی اور ان کی امت بھی تھی اس لئے کہ حضرت آدم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بھی تھے اور زمین پر خدا تعالیٰ کے پہلے نبی اور پہلے رسول بھی تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا دارالخلافہ ہندوستان تھا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو اور جابر بن عبداللہ وغیرہم سے قلنا

اھبطوا کی تفسیر میں منقول ہے کہ آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر ہندوستان کی زمین پر اتارا گیا اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

اخرج الطبرانی و ابو نعیم فے الحلیہ و ابن عساکر عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ترل آدم علیہ السلام بالھند فاستوحش فنزل جبریل فنادی بالا ذان اللہ اکبراللہ اکبراشھدان لا الہ الا اللہ مرتین اشھدان محمد رسول اللہ مرتین فقال ومن محمد ھذا قال ھذا اخرولدک من الانبیاء

(تفسیر در منشدر۔ج ۱\ ۵۵)

طبرانی اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر نے میں حدیث بیان کی ہے ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ادم علیہ السلام نے ہندوستان میں نزول فرمایا تو ان کو وحشت معلوم ہوئی تو جبریل امین نازل ہوئے اور اذان دی اللہ اکبر اللہ اکبر اشہدان لا اللہ (دو دفعہ) اشہدان محمد ا رسول اللہ (دو دفعہ) حضرت آدم نے سوال کیا کہ یہ محمد کون ہیں؟۔ حضرت جبریل نے کہا کہ آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہیں ص ۲۰۷

بعثت رسل کی غرض و غایت

بعثت رسل کی غرض و غایت یہ ہے کہ بنی آدم اللہ کی اتاری ہوئی شریعت اور اس کے قانون سے آگاہ ہو جائیں تاکہ ان کی صلاح اور فلاح کا باعث ہو اور ان کی عقل علم حق کے ادراکات سے روشن اور منور ہو جائے اور نفسانی اور شیطانی اخلاق اور افعال کی نجاستیں اور کدورتیں اور ظلمتیں اس کو محسوس ہونے لگیں اس لئے کہ تمدن اور امن عالم کو نفسانی شہوات اور اغراض سے بڑھ کر کوئی چیز خراب اور برباد کرنے والی نہیں۔ اور قانون خداوندی اور شرائع آسمانی میں نفسانی خواہشوں پر جس قدر پابندیاں ہیں وہ دنیا کی کسی قانون میں نہیں اہل عقل اور اہل فہم کے نزدیک قانون شریعت کی غایت درجہ مستحسن ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ قانون شریعت میں نفسانی خواہشوں کی گنجائش نہیں یہی وجہ ہے کہ عقل سلیم قانون شریعت کی عاشق ہے اور نفس پرست اور بندہ دینار و درہم قانون شریعت کا جانی دشمن ہے۔ وہ اس کا نام بھی سننا نہیں چاہتا۔

نبوت ورسالت کے مظاہر

ابتداء آفرینش عالم میں نبوت ورسالت بہ شکل خلافت و بادشاہت نمودار ہوئی حضرت آدم علیہ السلام نبی اور رسول بھی تھے اور خلیفہ بادشاہ بھی تھے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبوت مختلف صورتوں

اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ کبھی نبوت و رسالت کا ظہور بصورت بادشاہی ہوا جیسے حضرت داؤد حضرت سلیمان کی نبوت بہ شکل بادشاہی نمودار ہوئی اور کبھی بصورت علم و حکم نبوت کا ظہور ہوا اور کبھی بصورت زہد و درویشی جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کہ ان کی نبوت بصورت علم و حکمت تھی یعنی بنی اسرائیل کے سب سے بڑے عالم اور حبر تھے اور حضرت یونس اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی نبوت بصورت زہد و عبادت و بہ رنگ فقیری و درویشی تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی ابتداء علم اور حکمت اور زہد اور درویشی سے ہوئی کما قال تعالی ہوالذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلو علیہم ایہ ویزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمہ اور تنہا بادشاہت پر ہوئی فتح مکہ کے بعد نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی شامل ہو گئی اور ہجرت کے بعد زندگی کے پورے دس سال جہاد و قتال میں گزرے اور قرآن کریم میں مال غنیمت اور مال فیئ تقسیم کے احکام نازل ہوئے اور اہل ذمہ سے جزیہ لینے کی آیت نازل ہوئی اور صلح اور جنگ کے متعلق بے شمار آیات بینات نازل ہوئیں۔

خلافت کی بشارت

اور آیت استخلاف وعداللہ الذین آمنو امنکم و عملواالصلحت لیستخلفنہم فے الارض نازل ہوئی جس میں آپ کے اصحاب سے یہ وعدہ کیا گیا کہ آپ کے بعد روئے زمین کی بادشاہت ان کو ملے گی اور اس کے علاوہ اور بھی آیتیں نازل ہوئی جن میں خلافت راشدہ اور اسلامی حکومت کے قیام کی پیشن گوئیاں مذکور ہیں اور احادیث کا تو شمار نہیں تفصیل اگر درکار ہے تو ازالہ الخفاء مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی مراجعت کی جائے۔

غرض یہ کہ حق جل شانہ نے حضور کو نبوت و رسالت کے ساتھ آسمانی بادشاہت بھی عطا فرمائی جس کی تکمیل اور تتمیم خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر ہوئی خلفاء راشدین نے کتاب و سنت اور حضور ہی کی شریعت کے ماتحت اور اسی کی ہدایت کے مطابق اسلامی حکومت چلائی اور قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹا اور ان کے تخت و تاج کے جواہرات مسجد نبوی کے ایک بوسیدہ بوریہ پر بیٹھ کر تقسیم کئے گئے ان کی حکومت کا دستور اور قانون سوائے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے اور کیا تھا۔

گاندھی کی اپنے وزراء کو حضرت ابوبکر و عمر کے اتباع کی نصیحت

۳۵ء میں گاندھی نے کانگریسی وزراء کے نام ہدایت نامہ جاری کیا کہ میں اپنے وزراء کو ہدایت اور

نصیحت کرتا ہوں کہ ابو بکر اور عمر کے طریقہ پر چلیں۔ انتہیٰ کلامہ۔
معلوم ہوا کہ گاندھی کی نظر میں ابو بکر اور عمر کی حکمرانی اور عدل عمرانی کا ایسا پاک اور منظہر دستور اور قانون صفحہ ہستی پر ابھی موجود اور محفوظ ہے کہ امیرکہ اور برطانیہ کا دستور اور قانون اس کی گرد کو نہیں پہنچتا اور وہ وہی دستور اور قانون ہے کہ جو خلفاء راشدین نے کتاب اور سنت سے سمجھا۔
گاندھی نے اپنے ہدایت نامہ میں ابو بکر اور عمر کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت کی اور امریکہ اور برطانیہ کا حوالہ نہیں دیا وجہ یہ ہے کہ ابو بکر و عمر کا دور خلافت سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام اور ذوالقرنین کی حکومت کا نمونہ تھا اور امریکہ اور برطانیہ اور روس کی حکومت نمرود اور بخت نصر اور فرعون کی حکومت کا نمونہ بلکہ اس سے بڑھ کر ہے پس جبکہ ایک ہندو سادھو اپنے ہندو وزیروں کو ابو بکر و عمر کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت کر سکتا ہے۔ تو کیا ایک مولوی اور ملا اور عالم دین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایمان اور اسلامی اخوت کی بنا پر اپنے مسلمان بھائی وزیروں کو ابو بکر و عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت کر سکے؟۔
خلفاء راشدین کے بعد خلفاء بنی امیہ اور خلفاء عباسیہ کے دور حکومت پر نظر ڈالنے اور پھر محمد بن قاسم فاتح سندھ اور سلطان محمود غزنوی اور سلطان صلاح الدین اور سلطان نورالدین پر نظر ڈالیئے کہ ان حضرات نے جس بے مثال جاہ و جلال سے حکومت کی تاریخ عالم اس کی شاہد ہے کاش کوئی بتلائے کہ ان فاتحان عالم کا دستور اور قانون سوائے شریعت اسلامیہ کے اور کیا تھا۔
سلاطین مغلیہ کے آخری دور میں سلطان اورنگ زیب غازی نے قانون شریعت کا ایک عظیم الشان مجموعہ مرتب کیا جو فتاویٰ عالمگیری کے نام سے ہندوستان اور مصر میں شائع ہوا۔
حکومت ترکیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید خان نے اپنے زمانہ کے منتخب علماء کو جمع کر کے مجلہ عدلیہ کے نام سے ایک شرعی قانون مرتب کرایا جس میں موجودہ قانون کی طرح نمبر وار دفعات قائم کی گئیں اور تمام ملک میں وہ قانون جاری ہوا اور تمام عدالتوں کے حکام اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے وکیلوں اور بیرسٹروں نے اس قانون شرعی یعنی مجلہ عدلیہ کی طویل و عریض شرحیں لکھیں حتی کہ عیسائی وکیلوں نے بھی اس قانون شرعی کی شرحیں لکھیں یہ شرح و مشق اور بیروت کے کتب خانوں سے دستیاب ہو سکتی ہیں اس ناچیز نے ان شروح کو بہ چشم خود دیکھا ہے اور اصل متن یعنی مجلہ عدلیہ کا ایک نسخہ خود اس ناچیز کے پاس بھی موجود ہے اور پاکستان کے متعدد مدارس دینیہ اور علماء کے پاس موجود ہے اور اسی مجلہ عدلیہ کے طرز پر ایک کتاب اور ہے جو مرشد الحیران کے نام سے مصر سے شائع ہوئی ہے جس میں موجودہ قانونی کتابوں کی طرح اسلامی قانون کو بہ شکل دفعات نمبر وار مرتب کیا گیا ہے یہ کتاب بھی چھپی ہوئی ہے کتب خانوں سے مل سکتی ہے لہذا یہ کہنا کہ اسلام میں کوئی دستور اور قانون ہی نہیں اور اگر ہے تو وہ موجودہ زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا

مجذوب اور دیوانہ کی بڑ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر اس شخص کو تاریخ کی کچھ بھی خبر ہوتی تو کبھی یہ لفظ زبان سے نہ نکالتا۔ دو سو سال پہلے جغرافیہ عالم پر نظر ڈال لیجئے کہ مشرق اور مغرب میں اسلامی حکومت پھیلی ہوئی تھی اور تمام عدالتیں اسلامی ہی قانون سے چل رہی تھیں انگریزی قانون کو کوئی مسلمان جانتا بھی نہ تھا آٹھ سو سال تک ہندوستان میں اسلامی حکومت رہی اور قانون شریعت کے مطابق فیصلے ہوتے رہے۔

عرصہ ہوا کہ مصر سے ایک کتاب چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے جس کا نام المقارنات التشریعیہ ہے اس کے مصنف علامہ سید عبداللہ علی حسین ازہری ہیں جنہوں نے پیرس میں تقریباً بیس سال بیرسٹری کی ہے۔

فاضل مصنف نے اس کتاب میں اسلامی قانون اور فرانسیسی قانون کے مقابلہ کر کے بتایا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا خوبیاں اور فرانسیسی قانون میں کیا نقائص ہیں یہ کتاب قاہرہ میں ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں طبع ہوئی قابل دید ہے۔

مجھے تو اس وقت یہ بتانا ہے کہ موجودہ زمانہ کے قانون اور اسلام کے قانون میں کیا فرق ہے اور اس کے علاوہ چند اصول و قواعد بیان کرنے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ اس وقت عالم میں اگر موجودہ ضرورتوں کو کوئی قانون پورا کر سکتا ہے تو صرف اسلامی قانون ہی ہے اور یہی وہ قانون ہے کہ آج دنیا کی مصیبتوں کا واحد علاج اسی پر عمل کرنے سے وابستہ ہے لہذا وقت کا سب سے زیادہ ضروری یہی دستور و قانون ہے جو اسلام نے بتایا ہے یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ دنیا میں بڑی عدالتیں دو ہی ہیں ایک عدالت دیوانی اور دوسری عدالت فوجداری پہلی عدالت مالی مقدمات کے لئے ہے اور دوسری جانی اور اس پر بھی سب عقلاء کا اتفاق ہے اور ساری دنیا اس کو مانتی ہے کہ یہ عدالتیں جرائم کی سزا دینے کے لئے قائم ہیں تاکہ جرائم کی روک تھام ہو اور مخلوق خدا امن کا سانس لے سکے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عقلی طور پر جرائم کی کتنی شکلیں ہو سکتی ہیں اس کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان جرائم کو موجودہ قانون نے روکنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا ہے اور اسلام نے کیا طریقہ اختیار کیا؟۔

یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ قانون کا مقصد یہ ہے کہ امن عامہ قائم ہو اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہو لہذا یہ دیکھنا پڑے گا کہ لوگوں کے حقوق کی کتنی قسمیں ہیں؟۔ سو یہ حقوق تین قسم کے ہیں مالی جانی اور آبرو ان ہی کی حفاظت کی دعویدار ساری دنیا کی حکومتیں اور قوانین ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان ہی کی حفاظت ہو گئی تو امن قائم ہو گیا۔ اور جو شخص ان حقوق میں خلل اندازی کرتا ہے وہ یقیناً مجرم ہے۔ یہاں بر سبیل ذکر یہ بھی بتا دینا مفید ہو گا کہ جرائم تین قوتوں سے صادر ہوتے ہیں شہوت حرص غضب آبروریزی کے متعلق جو جرائم ہیں وہ قوت شہوت کا نتیجہ ہیں اور جو جرائم مال سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً چوری خیانت وغیرہ وہ طمع کا نتیجہ ہیں اسی طرح جان سے متعلق جرائم کا ارتکاب

قوت غضبیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

البتہ ان جرائم میں مراتب ہیں بعض مراتب ایسے ہیں کہ وہاں پر انسان کے دل میں ایک جرم کا تقاضا پیدا ہوا مگر خدا کے خوف نے اس کو اس جرم سے باز رکھا یا اپنی جماعت اور قبیلہ کے پاس و لحاظ سے رک گیا یا کبھی اخلاقی طاقتوں نے اس کو روک دیا اور ایک مرتبہ وہ ہے کہ نہ انسان کو خدا کا خوف کسی جرم سے باز رکھ سکے اور نہ آخرت کا خوف۔ نہ اس کو قوم کا پاس و لحاظ ہو نہ خاندان اور قبیلہ کا نہ بدنامی کا ذرا اس کو روک سکے نہ قانون کا خوف سو در حقیقت یہی وہ مقام اور مرتبہ ہے اور یہی وہ شخص ہے کہ اس کو علاوہ آخرت میں سزا ملنے کے دنیا میں بھی سزا ملنا ضروری ہے تاکہ ایسے لوگوں کے دست ظلم و عدی سے مخلوق بچ سکے چنانچہ شریعت مقدسہ نے سات جرائم ایسے تجویز کیئے کہ جو اپنی شناخت و قباحت میں حد انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو جب تک عبرتناک سزا نہ دی جائے اس وقت تک لوگوں کا جان و مال اور آبرو محفوظ نہیں رہ سکتا۔

جرم اول اور اس کا حکم

سب سے پہلا جرم قتل ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عداوت وغیرہ کی وجہ سے ناحق کسی کی جان لے لینا اس کی سزا شریعت نے قصاص مقرر کی یعنی قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں نرمی برتنا لوگوں پر ظلم کرنا اور فساد کا دروازہ کھول دینا ہے۔

جرم دوم اور اس کا حکم

دوسرا جرم ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ کاٹ دینا ہے جس کو شرعی اصطلاح میں "قطع اطراف" کہا جاتا ہے۔ یہ دوسرے درجہ کا جرم ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا بھی قصاص لیا جائے گا اور جو عضو کسی کا کاٹ دیا ہے وہی عضو کاٹا جائے گا پہلے کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

یاایھاالذین آمنو کتب علیکم القصاص فے القتلے الحربالحرو العبدبالعبدو الانثیٰ بالانثیٰ

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کر دیا گیا مقتولین کے بارے میں آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے

دوسرے کے متعلق ارشاد ہے۔

ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص

جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور

دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بھی قصاص ہے۔
ان دو حکموں سے اللہ تعالیٰ نے جان اور اعضاء کی حفاظت فرمائی۔

جرم سوم اور اس کا حکم

مال کے متعلق جن جرائم کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک چوری ہے یوں تو امانت میں خیانت کرنا کسی کا مال غصب کر لینا کسی سے دھوکہ سے کچھ لے لینا وغیرہ بھی ایسے جرائم ہیں جو مال کی فہرست میں آتے ہیں مگر ان پر کوئی عبرتناک سزا اس لئے مقرر نہیں فرمائی گئی کہ یہ اتنے سخت جرم نہیں ہیں ہاں چوری ایک ایسا جرم ہے کہ اس میں عبرتناک سزا تجویز فرمائی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزآء ابما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم

چور مرد اور عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو بسبب ان کے فعل کے یہ عذاب ہے خدا کی طرف سے۔
یہ وہ سزا ہے کہ اس پر آج کل لوگوں کو بہت بہت اشکالات ہیں کہ اگر چور کے ہاتھ کاٹنے شروع کر دیئے تو سارا ملک لنجا ہو جائے گا سو یہ بالکل غلط ہے اور اس قسم کے خیالات در حقیقت اسبات کا نتیجہ ہے کہ کبھی غور نہیں کیا گیا ورنہ آپ یہ دیکھیئے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد دس برس کی مدت میں صرف ایک شخص کا ہاتھ کٹنے کی نوبت آئی اور وہ تو نبوت کا زمانہ تھا اب آپ حجاز میں جا کر دیکھ لیں کہ شاید دس آدمیوں کے بھی ہاتھ کٹنے کی نوبت نہیں آئی مگر سارا ملک چوری سے پاک ہو گیا سو اگر تمہارا ملک بھی دس چوروں کے ہاتھ کاٹ کر اس لعنت سے پاک ہو سکے تو کیا نقصان ہے؟۔
اس جگہ ایک اور مسئلہ بھی سن لیجیئے کہ علماء نے اس بات پر بحث کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کو پانچ سو اشرفی بطور دیت کے دلائی جائے گی اور دوسری طرف یہ حکم ہے کہ دس درہم یعنی پانچ روپے جرمان پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے چنانچہ بعض زنادقہ نے یہ اعتراض کیا کہ یہ اسلام کے احکام میں کھلا اختلاف اور تناقض ہے کہ جس ہاتھ کی قیمت وہاں پانچ س اشرفی لگائی گئی ہے اب اس کو صرف چند روپے کے بدلے کاٹ دیا گیا۔

ید بخمس مئی من عسجد و دیت
ما بالھا قطعت فی ربع دینار
تناقض ما لنا السکوت لہ
و نستجیر بمولانا من العار

(جس ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار تھی اب چوری کی وجہ سے اس کو تقریباً پانچ روپے کے بدلے

میں کاٹ ڈالا گیا یہ تو کھلا ہوا تناقض ہے اسلام اس عار سے بری ہے)

قاضی عبدالوہاب مالکی نے اسی بحر اور قافیہ میں اس تناقض کا جواب دیا

یدبخمس مئی من عسجد ودیت
لکھنا قطعت فی ربع دینار
صیانۃ العضوا علاھاوار خصہا
خیانۃ المال فافہم حکمہ الباری

(بے شک ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار ہے لیکن چوری سے اس کی قیمت ربع دینار رہ جاتی ہے جب تک ہاتھ چوری اور خیانت سے محفوظ تھا اس وقت تک اس کی قیمت اونچی اور گراں تھی مگر چوری اور خیانت نے اس کی قیمت کو گرا دیا) اور ایک عالم نے یہ جواب دیا کہ

ھناک مظلومہ غالت یقیمتھا
دھھنا ظلمت ھانت علی الباری

(جب ہاتھ مظلوم تھا تو قیمت اس کی گراں تھی اور جب وہ ہاتھ ظالم بن گیا اور چوری کر کے لوگوں پر تعدی کی تو اس کی قیمت گر گئی)

اور شیخ شمس الدین کردی نے یہ جواب دیا۔

قل للمعری عار ایماعار
جھل الفتی وھوعن ثوب التقی عاری
لاتقدحن زناد الشعرعن حکم
شعائر الشرع لم تقدح باشعار
نقیمہ الید نصف الالف من ذھب
فان تعدت فالاتسوی بدینار

اس کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے کہ ظلم کرنے سے ہاتھ کی کوئی قیمت نہیں رہتی ظالم ہاتھ اسی قابل ہے کہ اس کو قطع کیا جائے اس کے علاوہ علماء کے کلام میں ایک جواب اور دیکھا کہ اس وقت جو اس شخص سے پانچ سو اشرفی دلوائی جا رہی ہے وہ اور بات ہے اور اب جو یہ پانچ روپے کے بدلے کاٹا جا رہا ہے یہ اور بات ہے کیونکہ یہاں پر یہ ظاہر تو ہاتھ کو پانچ روپے کے بدلے کاٹا جا رہا ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب تک اس ہاتھ نے چوری نہ کی تھی اس وقت تک سارا شہر اور ملک اور اس کے تمام باشندوں کے مال و متاع محفوظ تھے مگر اس شخص نے چوری کر کے سارے شہر اور ملک کے اموال کو خطرے میں ڈال دیا ہے اور سب کے اموال خطرے میں پڑ جانے کی وجہ سے کاٹا جا رہا ہے۔

غرض اس جرم پر ہاتھ کاٹ دینا عین رحمت ہے یہ کہاں کی سمجھ ہے کہ ایک شخص پر رحم کر کے سارے ملک پر ظلم روا رکھا جائے۔

نکوئی	با بداں	کردن	چناں	است
کہ	بد کردن	بجائے	نیک	مرداں

اگر غور کیا جائے تو ہاتھ کاٹنے میں ایک خاص حکمت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ چوری کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب کہ انسان پر حرص کا مادہ غالب آتا ہے تو دل سے گذر کر اس کے اعضاء پر اثر انداز ہوتا ہے اور ہاتھ پیر حرکت میں آجاتے ہیں جس سے یہ فتیح فعل سرزد ہوتا ہے سو خدا تعالے نے حکم دیا کہ وہ ہاتھ اور وہ پیر ہی کاٹ دیا جائے جس سے یہ فعل سرزد ہوا۔

دوسرا حکم شریعت کا چور کے متعلق یہ ہے کہ چور سے سارا مال برآمد کر کے اصل مالک کے حوالے کیا جائے گا اور اگر اس نے مال کو کہیں تلف کر دیا ہے تو اس کا بعد تحقیق کے ضمان دلوایا جائے گا غرض یہ حکم ہوا کہ چوری کے متعلق جو تیسری قسم ہے

جرم چہارم اور اس کا حکم

چوتھا حکم ڈاکہ کے متعلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ جابر لوگ مسلح ہو کر کسی گاؤں یا کسی بستی یا بازار پر جا چڑھتے اور وہاں پر سب کو لوٹ کھسوٹ کر لے گئے اس کا حکم قرآن مجید میں صریح مذکور ہے۔

انما جزآء الذین یحاربون اللّٰہ الایہ

ڈاکوؤں اور رہ زنوں کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں بالا ختلاف کاٹے جائیں یا ان کو قید میں ڈال دیا جائے۔

دراصل ڈاکو جو جرم کرتے ہیں وہ چار طرح کے ہیں اول یہ کہ صرف جان لیں اور کسی کو قتل کر دیں۔ دوسرا یہ کہ صرف مال لیں اور قتل کی نوبت نہ آوے تیسرے یہ کہ دونوں فعل کے مرتکب ہوں قتل بھی کریں مال بھی لیں چوتھے یہ کہ اس سے قبل ہی گرفتار کر لیئے جاویں۔ نہ قتل کی نوبت آوے نہ مال لینے کی۔ سو اگر صرف جان لی ہو تو قتل کیئے جاویں۔ اور فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پیر اس طرح کاٹے جاویں کہ داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جاوے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا جرم چور سے زیادہ سخت ہے اور اگر جان بھی لی اور مال بھی لیا تو قتل کر کے سولی پر لٹکائے جاویں اور اگر کچھ بھی نہیں کر سکے اور گرفتار کر لئے گئے اور جیل میں ڈال دیا جائے جب تک حاکم مناسب سمجھے اب ظاہر ہے کہ ایسی عبرتناک سزا کے بعد کسی کو کب ڈاکہ کی جرات ہو سکے گی۔

جرم پنجم اور اس کا حکم

پانچواں حکم زنا کے متعلق ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ زنا کرنے والا شادی شدہ ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو کسی منظر عام پر لا کر پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شادی شدہ نہ ہو سو ایسی صورت میں سو درے لگائے جائیں گے پہلا حکم قرآن مجید میں موجود تھا جو اب منسوخ التلاوت ہے۔ یعنی اس آیت کا حکم باقی ہے اگرچہ تلاوت اس کی منسوخ ہو چکی۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ "زانیہ عورت اور زانی مرد ہر ایک کے سو سو کوڑے لگاؤ۔ کہا جاتا ہے کہ صاحب ایک جرم کے بدلے میں جان لے لی۔ مگر یہ نہ غور کیا گیا کہ زنا کو خدا تعالیٰ نے کس طرح بند کیا اور کہاں سے اس پر بند لگایا یعنی اول تو عورتوں کو حکم دیا کہ و قرن فی بیوتکن والا تبرجن تبرج الجاهلیہ الاولیٰ

اور اپنے گھروں میں ٹکی رہیں وہ عورتیں پھر کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت کی پھر کسی اجنبیہ کا خیال بھی دل میں لانے کو منع کیا اب جو شخص یہ ساری حدود توڑ کر زنا کا ارتکاب کرے وہ در حقیقت ایسی ہی سخت اور عبرتناک سزا کا مستحق ہے نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس سزا کو جو آج وحشیانہ کہا جاتا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے ؟۔ زانی نے جس جرم کا ارتکاب کیا ہے وہ آبرو سے متعلق ہے اور یہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس نے اول تو ایک شخص کے نسب کو خراب کیا اور اس کے خاندان کو خراب کیا اور آبروریزی کر کے ساری عمر کے لئے انگشت نمائے عالم کیا اور پھر اکثر یہ ہوتا ہے کہ زنا کے حمل کو ضائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو در پردہ یہ شخص ایک جان کی قتل کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اگر بالفرض اس کو ضائع نہ بھی کیا گیا اور وہ بچہ بڑا بھی ہوا تو ظاہر ہے کہ بے باپ کا بچہ ہے اور ساری عمر اس کے سر پر کوئی شفقت سے ہاتھ رکھنے والا بھی نہیں۔ اور یہ در حقیقت اس کو زندہ درگور کر دینے کے مرادف ہے اس کے علاوہ زنا سے ہزاروں قسم کی بیماریاں لگتی ہیں اور جب آدمی بدکاری میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنے بیوی بچوں کے حقوق ضائع کرتا ہے غرض یہ کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ در حقیقت قتل سے زیادہ سنگین اور سخت جرم ہے ایسے شخص کو سنگسار کر دیا جانا عین مصلحت اور عین حکمت ہے کہ زمین کو ایسے بے حیاؤں سے پاک کر کے مخلوق کو ان کے کردار سے امن دیا جائے۔

جرم ششم اور اس کا حکم

چھٹا حکم "حد قذف" ہے یعنی تہمت لگانے کی سزا اس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شھدآء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور پھر ثبوت کے لئے چار گواہ بھی نہیں پیش کرتے ان کی سزا یہ ہے کہ اسی کوڑے لگاؤ۔
یعنی جو شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے اور شرعی طریقہ سے ثبوت بہم نہ پہنچا سکے تو یہ اس کی سزا ہے۔

جرم ہفتم اور اس کا حکم

ساتواں حکم شراب پینے کی سزا ہے اور اس میں بھی اسی ہی کوڑے لگائے جاتے ہیں اور زنا میں سو کوڑے اور شراب اور تہمت میں اسی اسی کوڑے جو مقرر فرمائے گئے سو اس میں فرق یہ ہے کہ اطباء نے لکھا ہے کہ اگر ایک انسان کو کوئی بیماری وغیرہ پیش نہ آوے تو اس کی عمر سو برس کی ہوتی ہے سو زانی نے چونکہ ایک جان تلف کی ہے جس کی عمر سو برس کی ہوتی ہے لہذا اس کو سو کوڑے لگانے گئے اور تہمت لگانے میں یہ صورت ہے کہ اس میں بیس سال کم کرنے پڑیں گے۔ کیونکہ انسان کی شروع عمر کے پندرہ سال ایسے ہیں کہ اس میں تو تہمت لگائی ہی نہیں جا سکتی۔ اسی طرح عمر کے اخیر کے پانچ سال بھی ایسے ہی ہیں کہ ان میں تہمت نہیں لگائی جا سکتی لہذا تہمت لگانے والے نے اس کی عمر کے اسی برس خراب کئے اس لئے اسی درے لگائے گئے اور شراب کے متعلق گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سزسب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ اور وجہ یہ ہے کہ ایک عالم کا قول ہے کہ اگر بالفرض قرآن و حدیث میں شراب کو حرام نہ بھی بتلایا جاتا تو میں تب بھی حرام ہی سمجھتا کسی نے پوچھا کہ کس لئے؟ فرمایا کہ عقل سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے اور ایسی چیز جو عقل کو کھودے اسی قابل ہے کہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکا جاوے غرض شراب ایسی چیز ہے کہ اس کو پی کر جب عقل ہی زائل ہو گئی تو اب قتل بھی کر سکتا ہے زنا بھی کر سکتا ہے۔ اور بھی ہر معصیت میں مبتلا ہو سکتا ہے مگر چونکہ انسان کی عمر میں اسی برس عقل کے ہیں کیونکہ شروع کے پندرہ اور آخر کے پانچ برس نکالنے پڑیں گے تو چونکہ شراب پی کر اس نے عقل کو زائل کیا تو جتنی عقل کی مدت ہے اتنے ہی کوڑے مقرر کر دیئے گئے۔

اب ذرا موجودہ زمانہ کے قانون سے اس کا موازنہ کیجئے۔ سب سے اول قتل کو لیجئے اگر کسی نے کسی کو قتل کر دیا تو سب سے اول تو آپ تھانہ میں جا کر رپٹ لکھوایئے پھر گواہ اور وکیل تلاش کیجئے پھر سینکڑوں پیشیاں بھگتایئے اور پھر اگر جرم بھی ثابت ہو گیا تو جج نے اگر حبس دوام کی سزا دی تو اس سے مقتول کے وارثوں کو کیا فائدہ پہنچا؟ کیونکہ نہ ان کا دل ٹھنڈا ہوا اور مقتول کے جو بیوی بچے لاوارث رہ گئے نہ ان کے لئے کوئی نفع کی صورت ہوئی بلکہ حکومت نے اس قیدی سے جیل میں صنعت کا کام کرانا شروع کیا کہ کہیں کمبل بنوائے اور کہیں قالین اور دریاں تیار کرائیں غرض ہزاروں

اور لاکھوں روپے کی آمدنی جیل کی صنعتوں سے حکومت کو ہے جس میں سے ایک پیسہ بھی وارثان مقتول کو نہیں دیا جاتا گویا جیل خانے حکومت کی آمدنی کا ایک ذریعہ ہیں۔

اس کے برخلاف اسلام نے قصاص کے ساتھ یہ بھی ورثاء مقتول کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو قاتل سے مال پر صلح کر لیں اور اس طرح ان کو کچھ مال مل جائے جس سے کم از کم یتیم اور بیوہ کے نان شبینہ کی صورت تو پیدا ہو جائے اگر اگر قصاص میں قتل بھی کیا جائے تو ان کے دل کو تسکین ہو اور عوام کو عبرت غرض اسلام کے پیش نظر یہ ہے کہ سزا ایسی دی جائے کہ سب کے لئے عبرت ہو اور جن پر ظلم ہوا ہے ان کی اشک شوئی بھی ہو جائے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں کسی دعویٰ اور استغاثہ کے لئے کسی قسم کی کوئی فیس نہیں تمام مقدمہ بغیر کسی خرچ اور جلد سے جلد فیصلہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور موجودہ قوانین میں قدم قدم پر فیسیں داخل کیجئے اور ایک مقدمہ کے لئے ہزاروں روپے خرچ کیجئے گویا حکومتیں انصاف کرنے کی بھی فیسیں لیتی ہیں اور شریعت خدا کے لئے انصاف کرتی ہے۔ شریعت کے پیش نظر مخلوق کی راحت رسانی اور سہولت اور قیام امن ہے اور موجودہ حکومتوں کے پیش نظر تجارت ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ اسلام کا قانون دو ٹوک اور واضح ہے جس میں کسی قسم کے ایچ پیچ کی گنجائش نکل ہی نہیں سکتی اور موجودہ قوانین لچکدار ہیں کہ جیسی ضرورت مصلحت ہو اس کو توڑ موڑ کر بنا لو جس کا رات دن مشاہدہ ہے شریعت نے ظالم کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور دورخی پالیسی اختیار کی مجرم کے پاس اگر دولت اور سرمایہ ہے تو حکومتوں کے قوانین میں اس کے لئے پوری وسعت ہے اس پر کبھی جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ تینوں فرق ایسے بنیادی ہیں کہ ہر جگہ اور ہر جرم کی سزا اور مقدمہ میں یہ فرق نظر آتے ہیں اور جزوی طور پر چوری کے متعلق موجودہ قانون میں کیا حکم ہے کہ سب سے پہلے تھانہ میں جا کر رپٹ لکھوایئے جہاں تھانیدار سو نخرے کرے گا پھر صرف رپٹ لکھوا دینا کافی نہیں پھر وکیل اور گواہ غرض ہر ہر قدم پر خرچ ہی خرچ ہے اور اس کے بعد بھی حکومت نہ اس کی ذمہ دار ہے کہ آپ کا مال برآمد کر کے آپ کو دے گی اور نہ یہ کہ کتنے عرصے میں آپ کا مقدمہ فیصل کرے گی۔ خواہ ایک سال لگے یا دو سال یا دس بارہ سال پیشیاں بھگتتے رہیے اور خرچ کرتے رہیے۔ اگر دس ہزار کی چوری ہو گئی ہے تو ہزاروں روپیہ خرچ ہوا تو تب مقدمہ کا فیصلہ ہوا اگر جرم بھی ثابت ہوا تو چور کو سزا ہو جائے گی جو شرعی سزا کے مقابلہ میں خفیف سی ہوتی ہے سارا گھر چوری ہوا دس سال تک مقدمہ لڑا اور کچھ پلے نہ پڑا بلکہ جو مال چوری سے رہ گیا تھا وہ اس مقدمہ کے دوران میں ختم ہو گیا بخلاف اسلامی قانون کے کہ وہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ساتھ اس سے تاوان بھی دلایا جائے گا اب تو اگر کچھ برآمد بھی ہوتا ہے تو اس قدر اخراجات اور پریشانی کے بعد مالک کو نہ ہونے کے برابر پڑتا ہے اسی طرح قطع الطراف میں اس زمانہ میں صرف سزا دی جاتی ہے اگر کسی نے

کسی ناک کاٹ دی تو وہ یہ سمجھے گا کہ کیا ہوا چھ مہینے جیل رہ آؤں گا مگر اس مظلوم کو تو ساری عمر کے لئے نکٹا کر ہی دیا۔ بخلاف قانون اسلام کے کہ جو کسی کی ناک کاٹنے گا خود اس کو بھی نکٹا بننا پڑے گا اور کوئی ایسی حرکت کی جرات نہ کر سکے گا۔ علاوہ ازیں زنا کے متعلق یہ ہے کہ اس موجودہ قانون میں یہ کوئی جرم ہی شمار نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر بالجبر ہو تو جرم ہے ورنہ کچھ نہیں اور اسی پر عمل بھی ہے کہ زنا کے سارے دروازے کھلے ہیں جنتی عورتوں سے ملنے کی بھی اجازت ہے بات کرنے کی بھی اجازت ہے ان کو دیکھنے اور گھورنے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے فواحش کی بہتات اور عریاں تصاویر کی نمائش سینما اور ریڈیو جیسے لغو ادارے ملک میں موجود ہیں۔ جو نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کر رہے ہیں ہاں زنا بالجبر ہو تو مقدمہ چل سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ وہی ہے کہ ہزاروں روپیہ خرچ ہو کر جرم ثابت ہوا اور جرم یا قید کی کچھ سزا بھی ہوئی جس سے کچھ حاصل نہیں۔ بخلاف اس کے اسلام نے ایسی عبرتناک سزا مقرر کی ہے۔ کہ ہر شخص اس جرم کے تصور سے بھی لرزے گا غرض یہ حال ہے موجودہ قوانین کا میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ عدالت دیوانی کا نام "جو دیوانی۔ رکھا گیا ہے تو یہ اسم بامسمیٰ ہے کہ واقعی اس میں طرفین کیجانب سے دیوانوں کی سی حرکات ہوتی ہیں کہ برسوں ایک مقدمہ چل رہا ہے۔ اور پھر ایک فیصلہ ہو گیا کہیں اپیل چلی کہیں دراپیل دس دس برس اس میں گزر جاتے ہیں

کسی نے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے کہا کہ حضرت یہ سزائیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو یہ خلاف تہذیب ہیں مولانا نے مزاحاً فرمایا جی ہاں چور کا ہاتھ کاٹنا تو خلاف تہذیب ہے مگر چوری کرنا تو عین تہذیب ہے غرض جب فعل وحشیانہ اور ظالمانہ ہے تو سزا بھی ایسی ہی ہے غرض اس وقت موجودہ خرابیوں کی اصلاح صرف اسلامی قانون ہی کر سکتا ہے مجھے یقین ہے کہ صرف پانچ ہاتھ کٹیں گے اور سارا ملک چوری کی لعنت سے پاک ہو جاوے گا۔ اور پانچ کی قید اس لئے کہ ملک میں پانچ ہی صوبے ہیں غرض ان حقائق کے پیش نظریہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے پیش نظر یہ ہے کہ جرائم کا انسداد ہو اور دنیا امن کی زندگی گزارے اور حکومتوں کے پیش نظر یہ ہے کہ عدل وانصاف کا نام ہو چاہے کتنا ہی خرچہ ہو جائے آج شریعت اسلامیہ کے قانون کا مذاق اڑایا جاتا ہے حالانکہ مذاق کے قابل خود موجودہ قانون ہے جو سراسر لغویات سے پر اور مجموعہ خرافات ہے سزائیں جاری کرنے کے متعلق خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولا تاخذکم بہما رافۃ فی دین اللہ یعنی تم کو اللہ کے حکم جاری کرنے میں ان پر کوئی رحم نہ آوے کیونکہ خدا تعالیٰ تم سے زیادہ رحیم ہیں وہ اپنے بندوں پر زیادہ رحم فرمانیوالے ہیں کیونکہ مجرم پر رحم کرنا ساری مخلوق پر ظلم کرنا ہے آگے ارشاد ہے ولیشہد عذابہما طائفۃ من المؤمنین یعنی ان کی سزا کے وقت مسلمان کے ایک گروہ کو حاضر کیا جاوے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ کسی کو جرات نہ ہو اسی نظریہ کا فرق مشاہد ہے کہ آج نہ

زنا بند ہے نہ چوری ڈاکہ کا استعمال ہو سکا ہے نہ دوسرے جرائم کا لیکن شریعت کے احکام نافذ کرنے میں یہ اثر ہے کہ جرائم ختم ہو جاتے ہیں اور مخلوق کو امن حاصل ہو جاتا ہے یہ تو محض ایک مختصر سا خاکہ موجودہ قوانین کا ہے ورنہ قوانین تجارت اور زراعت میں کیا فرق ہے اس کا جائزہ لیا جائے تو کھلی آنکھوں نظر آتا ہے۔ کہ سراسر رحمت ہی رحمت ہے اس لئے خدا تعالی سے دعا کیجئے کہ اے اللہ ہم کو اور ہماری حکومت کو کافروں کے دستور اور قانون سے پاک فرما پاکستان کے معنی ہی یہ ہیں کہ کفر سے پاک سوائے اللہ تو ہمارے ظاہر و باطن کو پاک فرما اور ہم کو ہمارے حکام کو اتباع شریعت کی توفیق عطا فرما۔

آمین یا رب العالمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلے اللہ تعالے اعلے خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علے آلہ و اصحابہ اجمعین